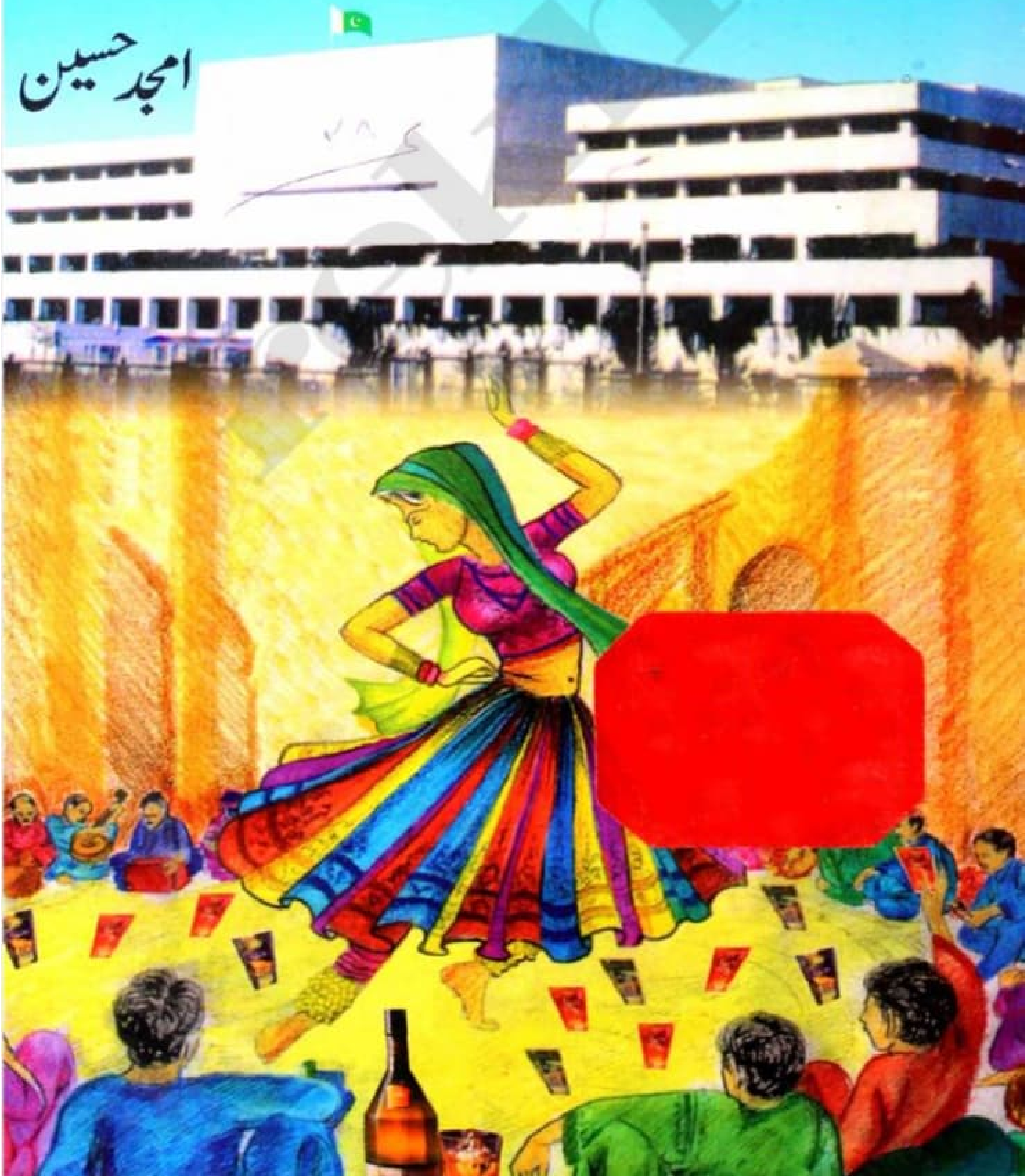
پارلیمنٹ سے "اُس بازار" تک

سیاستدانوں کے عشرت کدوں میں جنم لینے والی کہانیوں کی ہوش رُبا تفصیلات
اُف! یہ چہرے کتنے بھیانک، خوفناک اور ڈراؤنے ہیں

امجد حسین



پارلیمنٹ سے "اُس بازار" تک

دار و حشر! مجھ سے میرا اعمال نامہ نہ پوچھ
اس میں کچھ پردہ نشینوں کے نام بھی آتے ہیں

میں کسی خوف سے خاموش نہیں رہ سکتا
ظلمت شب کو میں صبح نہیں کہہ سکتا

"میرے پاس تلوار ہوتی تو سیاسی کھوپڑیوں کی فصل کاٹتا کہ پک چکی ہے' میرے پاس صرف قلم ہے اور میں نے اس عورت کے زخم پیش کیئے ہیں جس کا روپ عیاش انسانوں کے قہقہوں کی دستبرد میں ہے"

(آغا شورش کاشمیری)

یہ خوب کیا ہے' یہ زشت کیا ہے' جہاں کی اصلی سرشت کیا ہے؟
بڑا مزا ہو تمام چہرے اگر کوئی بے نقاب کر دے

"سیاست دانوں اور اپنے محترم لیڈران کے "پاکیزہ" کردار کی جھلک ہمارے سامنے ہے۔ جن کی بدولت چوتھی بار عوام کو فوجی حکمران قبول کرنا پڑا۔ مگر اخلاقیات کی یہ گندگی صرف حکمرانوں تک نہیں بلکہ ان کی شاہانہ طبیعت کی بدولت یہ وباء نیچے تک پھیل چکی ہے۔ یہاں ہم ایسے ہی مختلف کرداروں کے بہروپ دیکھیں گے۔ جن میں سیاست دانوں کے رشتہ دار بھی شامل ہیں اور کہیں کہیں شاید ہمارے اپنے بھی۔ آیئے اپنی اخلاقی قدروں کا نوحہ پڑھیں۔"

مرے وطن کی سیاست کا حال مت پوچھو
گھری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں

پارلیمنٹ سے "اُس بازار" تک

پاکستانی سیاستدانوں کے عشرت کدوں میں جنم لینے والی ہوش ربا تفصیلات

اف! یہ چہرے کتنے بھیانک' خوفناک اور ڈراؤنے ہیں

امجد حسین

انٹیلی جنس پبلشرز

حسن مارکیٹ اردو بازار لاہور فون 7122973

"اے اللہ! ہمیں سچ لکھنے اور اس پر کاربند رہنے کی توفیق عطا فرما"

ہماری کتابیں، معیاری کتابیں، پیاری کتابیں

2000ء

نام کتاب : پارلیمنٹ سے "اس بازار" تک

مصنف : امجد حسین

اہتمام طباعت : خالد ڈوگر

مقام اشاعت : انٹیلی جنس پبلشرز محسن مارکیٹ اردو بازار، لاہور

کمپوزنگ : کلاسک کمپوزنگ لاہور محسن مارکیٹ اردو بازار، لاہور

مقام طباعت : اشرف پرنٹرز، لاہور

قیمت : ۳۰۰ روپے

بیرون ملک : 12 امریکی ڈالر

انتساب

چیف الیکشن کمشنر آف پاکستان
کے نام

فہرست

اف! یہ بھیانک چہرے

ہالی وڈ کی اداکارہ الزبتھ ٹیلر اور برصغیر میں میناشوری "معاشقوں" اور شادیوں کے معاملے میں سرفہرست ہیں۔ دونوں "جوانیوں" نے یہ فریضہ سات بار ادا کیا ان زندگیوں میں محبت کے کھیل کی سنسنی خیزی اور ازدواجی بندھنوں کی سختیاں عجب تماشے دکھاتی رہیں۔ انیس سو ساٹھ تا ستر کی دہائی میں پاکستان کی فلمی صنعت میں اس دیوی کا طوطی بول رہا تھا۔ وہ تماشائیوں کے دلوں پر راج کر رہی تھی۔ اس کا فن اور حسن دونوں شباب پر تھے۔ وہ ہنستی تو تماشائی کھل اٹھتے اور روتی تو بے شمار آنکھیں نمناک ہو جاتی تھیں۔ اور لاکھوں دل اداسی کے سمندر میں ڈوب جاتے تھے۔ اس کے نام پر ہر روز ہزاروں خطوط آتے تھے جن میں سے آدھے ان سے شادی کرنے کے خواہش مند تھے اور انہیں حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کی قربانیاں دینے پر آمادہ تھے۔ اس کے علاوہ نورجہاں بھی شادیوں اور معاشقوں کے حوالے سے میناشوری سے کسی طرح بھی پیچھے نہ رہیں ان فلمی دیویوں کے بارے میں بتانے سے قبل آیئے ذرا! پاکستان پر گذشتہ باون برس سے راج کرنے والے "سیاسی رانجھوں" اور اپنی ان "مقدس" سیاسی ہستیوں کے "روشن کرداروں" اور سنہری کارناموں کے متعلق جانیں' جن کے کارنامے پڑھ کر پڑھنے والے کو بھی شرمندگی ہوتی ہے' گھن آتی ہے' مگر ان معزز سیاسی ہستیوں کو کوئی شرمندگی نہیں ہوتی' گھن نہیں آتی کیوں کہ یہی ان کا ریکارڈ اور یہی ان کی سیاست ہے۔

پاکستان کے پہلے "نجات دہندہ" جنرل یحییٰ خان کی ناجائز اولاد اداکارہ عندلیب (جس کے چہرے پر اس کے عاشق نے تیزاب پھینک دیا تھا) کی والدہ جنرل رانی کا یہ دعویٰ

اخبارات کی زینت بنا کہ وہ یحییٰ خان سے ہر وہ کام کروا سکتی ہے۔ جو دنیا کا کوئی اور شخص نہیں کروا سکتا۔ اقلیم اختر المعروف جنرل رانی نے کئی بار دعویٰ کیا کہ ذوالفقار علی بھٹو، غلام مصطفیٰ کھر اور دیگر سیاست دان ان کے گھر اکثر ماتھا ٹیکتے تھے۔ یہی نہیں سکندر مرزا، ایرانی سفارت کار کی بیگم کے طور پر پاکستان میں مقیم غیر ملکی حسینہ ناہید کے لئے ریگستانوں میں مارے مارے پھرتے رہے اور آخرکار اس سے شادی کی اور ایرانی سفارت کار سے طلاق دلوا دی یہ بات بڑی مشہور ہے کہ شادی سے پہلے ایک رات ناہید کے خاوند کی غیر موجودگی میں سکندر مرزا ان کے فلیٹ پر گئے اور شب بسری کی۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے "قد آور رانجھے" نے جاتے ہوئے ناہید کو 5 لاکھ روپے کا چیک بھی دیا۔ پاکستان کے ایک اور "غلام" جو کہ غیر ملکی حسینہ کے غلام بن گئے جی ہاں پاکستان کے دوسرے گورنر جنرل غلام محمد روتھ بورل نامی خاتون جو ان کی پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر کام کر رہی تھی، نیم امریکن، نیم سوئس تھی کو دل دے بیٹھے، مذکورہ حسینہ کی تھوڑی سی ناراضگی گورنر جنرل ہاؤس کے تمام کام بند کرا دیتی۔ سابق وزیراعظم محمد علی بوگرہ غیر ملکی لبنانی حسینہ کو سوشل سیکرٹری رکھ کر اس کے عشق میں "مجاں" چرانے لگے، یحییٰ خان کے دور میں جنرل رانی کا حکم چلتا تھا، جہاں جام معشوق بھی ایک عرصہ تک بند کمرے میں ریما کا مجرہ سنتے رہے۔ تو وہاں نام کے ہی نہیں بلکہ شکل سے ہی شریف نواز شریف نے بھی اس "بابرکت" کام میں بھرپور حصہ ڈالا۔ نواز شریف کے پہلے دور حکومت میں طاہرہ سید کو وزیراعظم ہاؤس میں خاتون اول کی طرح پذیرائی حاصل تھی ---- علیحدگی کے بعد نعیم بخاری نے بڑی دکھی دل سے کہا تھا کہ میں ہی گاڑی کو گھسیٹ رہا تھا، گاڑی کے طاہرہ سید والے پہیئے نے ابتدا ہی میں زندگی کی گاڑی چلانے سے انکار کر دیا تھا۔

"میاں نواز شریف دلشاد بیگم کی اداؤں پر ایسے مرمٹے کہ اسے پاکستان میں سرکاری مہمان کی حیثیت حاصل ہو گئی، یاد رہے کہ دلشاد بیگم فیروز خان اور سنجے خان کی بہن تھی۔ قومی اسمبلی میں اس معاملے میں باقاعدہ سوال اٹھایا گیا کہ ایک غیر ملکی خاتون کس طرح پاکستان میں سرکاری پروٹوکول کی مستحق قرار دی جا رہی ہے جبکہ اس کا تعلق دشمن ملک (بھارت) سے ہے، "عشق نہ پچھلے ذات کوئی" کے مصداق ہیر رانجھا کا سفر جاری رہا۔"

ہمارے "قائد عوام" ذوالفقار علی بھٹو نے بھی بھارتی اداکارہ مدھوبالا کے لئے آسمان سے تارے توڑ کر لانے چاہے مگر وہ پاکستان کی خاتون اول نہ بن سکی۔ باپ کے نقش قدم پر چلتی ہوئی وزارت عظمیٰ تک رسائی حاصل کرنے والی محترمہ بے نظیر بھٹو جہاں ماجد خان اور حیات شیرپاؤ کو سجدے کرتی رہی تو دوسری طرف بھائی کے نقش قدم پر چلنا اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے شہباز شریف نے بھی عالیہ ہنی کو مناہی لیا' جہاں حسین سہروردی حسیناؤں میں بہت خوش رہتے تھے وہاں عمران خان' زینت امان' ریکھا' پوجا بھٹ' ایشوریا رائے' سیتا وائٹ اور کرسٹائن بیکر کو تھوڑا تھوڑا دل دینا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد جس پر بھی شہرت کے پر لگے اس کی زندگی میں محبت' معاشقے' پیار کے چکروں کے کھیل کی سنسنی خیزی اور ازدواجی بندھنوں کی سختیاں عجب تماشے دکھاتی رہیں۔ صرف فلمی پریاں ہی نہیں "سیاسی وڈیروں" اور "وڈیریوں" نے بھی عشق کی بازی کبھی جیت کر ہاری اور کبھی ہار کر بھی جیت لی۔ اس میدان میں اگر ایک نے اپنے دل پر گہرے زخم کھائے تو دوسرے نے ملکی دولت لوٹ کر عوام کو وہ ٹیکہ لگا دیا۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان پر گزشتہ باون سالوں سے راج کرنے والے رنگیلا شاہانہ مزاج اور راسپوٹانہ سرشت رکھنے والے ڈریکولائی اور گھناؤنے چہروں' خرقہ سالوس میں چھپے ان برہمنوں' رام کی قبا اوڑھے ہوئے ان راونوں' پوپ کے مقدس لبادے میں لپٹے ان راسپوٹینوں' راہنما کا روپ دھارے ہوئے ان راہزنوں' مسیحائی کے دعویداروں' عزتوں' عصمتوں اور عفتوں کے قاتلوں' راہبی کی عبا میں ملبوس ان ایگری بینوں اور ارض پاک کی حرمت کو پامال اور تار تار کرنے والے ان "راجہ اندروں" کو اپنا لیڈر "نجات دہندہ" "امام سیاست' راہنما' رہبر' اپنا کل سرمایہ کس نے بنایا؟ وہ ہم ہی ہیں جنہوں نے یحییٰ خان کو "نجات دہندہ" ایوب خان کو "مرد آہن" بھٹو کو "قائد اعوام" کہا ہمارے نعروں سے ہی مصطفیٰ کھر "شیر پنجاب" بنا وہ ہماری آواز ہی تھی کہ ہم نے "فرزند پاکستان" کا سہرا شیخ رشید کے سر باندھ دیا بے نظیر کو دختر مشرق اور نواز شریف کو قائد ثانی کا مکھن کس نے لگایا؟

پاکستان جس کو اسلام کے نام پر بے شمار جان و مال اور عزت و ناموس کی قربانیوں

کے بعد حاصل کیا گیا تھا میں راج کرنے والے حکمرانوں اور ان کے "چیلوں' چانٹو" نے اس ارض مقدس پر جو گل کھلائے اس طرح تو امریکہ اور دیگر یورپی ممالک' جہاں جنسی بے راہ روی کو اتنا برا نہیں خیال کیا جاتا وہاں بھی ایسی مثالیں خال خال ہی ملیں گی اور اگر وہاں ایسے واقعات منظرعام پر آئے تو عوام کے غیض و غضب نے حکومتوں کو ہلا کر رکھ دیا اس کی ایک تازہ مثال کلنٹن مونیکا سکینڈل کی صورت میں سامنے آئی جس نے وائٹ ہاؤس کے مقتدر حلقوں میں ہلچل مچائے رکھی اور جس نے دنیا کی واحد سپرپاور امریکہ کے صدر کو بھی بھرپور احساس ندامت کے ساتھ اعترافی بیان دینے پر مجبور کر دیا' بلکہ اپنے ماتھے پر لگے بدنما داغ کو اپنے آنسوؤں سے دھونا پڑا۔ مگر ہمارے ملک کا باوا آدم ہی نرالا ہے یہاں جو جتنا زیادہ عیاش اور بدمعاش ہو گا اتنا ہی بڑا' معزز' معتبر اور کامیاب سیاستدان کہلائے گا جس کے جتنے زیادہ جنسی اور مالیاتی سکینڈلز ہوں گے وہ اتنا ہی عوام میں مقبول ہو گا ہمارے ملک کے سیاستدان نامور طوائفوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو فخریہ انداز میں پیش کرتے ہیں اور اپنے جنسی تعلقات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نشانیاں پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔

"---- ہیرا منڈی میں بڑے بڑے سیاستدانوں' جاگیرداروں' گدی نشینوں' صنعت کاروں اور بیوروکریٹس کی بیٹیاں موجود ہیں۔ یہ بیٹیاں اپنے باپوں کو جاننے کے باوجود انہیں باپ نہیں کہہ سکتیں کیونکہ اس کا کوئی قانونی ثبوت موجود نہیں ہوتا۔ ان کے باپ انہیں بیٹیاں نہیں مانتے یا شاید اب وہ انہیں جانتے نہیں۔ لیکن میرے علم میں ایسے واقعات ہیں کہ کسی باپ نے اپنی ہی بیٹی کا رقص دیکھا اور پھر اسے شب بسری کے لئے بھی لے گیا---"

بازار حسن میں بیٹھنے والی بیشتر لڑکیاں ان "معزز شخصیات" کی بیٹیاں ہیں جن کی تصاویر اخبارات کے صفحہ اول پر چھپتی ہیں اور جو قوم کی تقدیر کے فیصلے کرتے ہیں۔ کیا ان معزز ہستیوں میں اتنی اخلاقی جرات ہے کہ وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی ان بیٹیوں کو بازار حسن کی شمع محفل بنانے کی بجائے انہیں اپنے گھر لے جائیں۔ (یہ سوال اپنی جگہ ہے کہ ناجائز یہ بیٹیاں ہیں یا ان کے باپ --- حرامی صرف بچے ہوتے ہیں یا ان کے والدین ---)

ہمارے ملک کی تقدیر اس وقت تک نہیں بدلے گی جب تک ہم ان "سیاسی رانجھوں" سے نجات حاصل نہیں کرتے جن کا حاصل حیات ایک "ہیر" کا پہلو' جن کی آرزوؤں کا ہدف ایک جام' جن کی کل کائنات بازار حسن کی دیوی' جن کی تنہائی دور کرنے کے لئے نگاہ نیم باز' جن کی دنیا و عقبیٰ ایک مجرا اور جن کا مقصد زیست صرف ہوس کی تسکین ہو۔ یہ ہیر' یہ جام' یہ بازار حسن کی دیوی' یہ نگاہ نیم باز۔ یہی تو ہے جس نے عوام کو چوتھی بار فوجی حکمرانوں کا دیدار کروایا۔

یہ کتاب سیاست دانوں سے نفرت یا کسی عناد کا شاخسانہ نہیں بلکہ تاریخ کی امانت ہے جسے تاریخ ہی کے سپرد کیا جا رہا ہے۔ یہ کتاب سیاستدان جو پبلک پراپرٹی ہوتے ہیں کی گذشتہ باون برسوں پر محیط پھیلی ہوئی اور ان کے عشرت کدوں میں جنم لینے والی ہوش ربا اور رنگین و سنگین داستانوں کا مجموعہ ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ نام نہاد جمہوری ادوار میں اخبارات و جرائد کی زینت بن چکا ہے یہ کتاب محض اوراق کا گلدستہ اور صفحات کا چمن زار نہیں بلکہ "شریف" سیاست دانوں کی جنسی غنڈہ گردیوں کی "بے نظیر" ایف۔ آئی۔ آر اور حقائق کا ناقابل تردید مجموعہ ہے' یہی وجہ ہے کہ اسے بلا خوف و تردید باشعور عوام کی "ضیافت طبع" کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ کتاب پاکستان کے روشن دنوں کی سیاہ تاریخ ہے جس میں پاکستان کے "مسیحا" ارض پاک کی ناموس سے شرمناک کھیل کھیلتے نظر آئیں گے۔ یہ پاکستان کے سرکردہ سیاستدانوں کی وہ تاریخ ہے جو انہوں نے اقتدار کے ایوانوں سے نکل کر حسن کے بالا خانوں "کی کلبوں" عشرت کدوں اور قحبہ خانوں میں بیٹھ کر جنم دی ہے' جسے وہ عوام سے چھپانا چاہتے ہیں اور عوام اسے جاننا چاہتے ہیں۔ آخر کب تک گذشتہ نصف صدی سے خود کو مقدس گائے سمجھنے والے سیاستدانوں اپنی کرتوتوں پر پردہ ڈالتے رہیں گے' اب ان کا دور لد چکا ہے۔ اب عوام ان کے ہم رنگ زمین جال کا شکار نہیں بنیں گے کیونکہ حقائق کی دھوپ نے ان کے ماسک پگھلا کر رکھ دیئے ہیں۔ اور اب وہ وقت دور نہیں جب یہ اپنے ڈریکولائی چہروں کو عوام سے چھپانے کے لئے یا تو سرے محل کی اونچی فصیلوں' بیرون ملک فلیٹوں یا رائیونڈ محل — کی فولادی دیواروں سے ٹکراتے پناہ کی بھیک مانگتے ہوئے

پائے جائیں گے بدقسمتی سے ہمارے سیاستدان تاحال اپنے ماضی کے نفسیاتی حربوں پر زندہ ہیں' انہیں وقت کے بدلتے ہوئے تیوروں کا اندازہ ہی نہیں وہ خموش کوہ سے اگلتے شعلوں پر تاحال شبنم کی بارش کا گمان رکھتے ہیں۔ کاش انہیں اندازہ ہو سکے کہ اب دست وقت پر بیعت شوق سے مہربان ماضی کی طرح مستقبل سنوارا نہیں جا سکتا کہ لوگوں کے رویوں اور عوام کے تیوروں میں بجلیاں پرورش پا رہی ہیں عوامی انتقام اب اس حد تک بڑھ چکا ہے عوام اب ان کے تعاقب میں ہیں۔ یہ لٹیرے آخر کب تک پرنٹ میڈیاں کے زر خرید پردوں کے پیچھے آنکھ مچولی کھیلیں گے۔ مکافات عمل کی برہنہ شمشیر اب ان کے سروں پر گرنے والی ہے۔ اب عوام ان "کوبرا ناگوں" اور "سنگ چور ناگنوں" کو اچھی طرح پہچان چکے ہیں اور انہیں دوبارہ کبھی بھی پھن پھیلانے کا موقع نہیں دیں گے کیونکہ وہ پہلے کئی مرتبہ ڈسے جا چکے ہیں۔ اس کتاب کی فہرست پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہی آپ دنگ رہ جائیں گے کہ آج تک جنہیں "ابر کرم" سمجھا جاتا رہا' درحقیقت' وہ ایسے آتشیں بگولے تھے جو عزتوں' عصمتوں اور عفتوں کے ان گنت گلشنوں کے لئے تاراجی و بربادی کے پیامبر ثابت ہوئے' میرا جرم بس اتنا ہے کہ میں نے عزتوں کے ان نقب زنوں' عفتوں کے ان قاتلوں اور عصمتوں کے ان قصابوں کے چہروں پر پڑے تقدس و احترام کے نقابوں کے تار نوچ کر ان کے اصل چہرے بے نقاب کر دیتے ہیں۔

میرے نزدیک سیاست دان اور طوائف میں کوئی فرق نہیں کیونکہ حسن کے بالا خانوں میں جس طرح طوائف ادائیں بیچتی ہے اسی طرح اقتدار کے ایوانوں میں سیاستدان ضمیر فروخت کرتے ہیں' جس طرح طوائف اپنی ادائیں دکھا کر تماش بینوں کی جیبیں صاف کرتی ہے اور اسے اپنے اشاروں پر نچاتی ہے اسی طرح سیاست دان بھی لوگوں کو سنہرے مستقبل کے خواب دکھا کر اور جھوٹے اور کھوکھلے نعروں کی بدولت عوام کے کندھوں پر سوار ہو کر ایوانوں میں پہنچتے ہی ملکی دولت پر ہاتھ صاف کرتے ہیں اور پھر اسی عوام کو اپنے اشاروں پر نچاتے ہیں اور ان کو بھی پہچاننے سے صاف انکار کر دیتے ہیں جن کے کندھوں پر بیٹھ کر وہ اقتدار کے ایوانوں تک پہنچتے ہیں اسی طرح طوائف بھی جب تماش بینوں کی جیبیں خالی کر لیتی ہے تو وہ بھی اس سے منہ موڑ لیتی ہے جس طرح طوائف کا خاص رشتہ

صرف نائیکہ اور دلالوں سے ہوتا ہے اسی طرح سیاست دانوں کا بھی خاص رشتہ صرف اپنے حواریوں اور مخصوص حاشیہ برداروں سے ہوتا ہے۔ میرے نزدیک طوائف لاکھ بری سہی لیکن پھر بھی سیاست دان سے بری نہیں ہو سکتی وہ اس لئے کہ وہ اگر برا کام یا گناہ کرتی ہے تو وہ اس کا برملا اقرار بھی کرتی ہے جبکہ سیاست دان یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی خود کو پاک پوتر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی منافقت اور جھوٹ ہی ان کی سیاست کا حقیقی منشور ہے۔

کہنے کو پاکستان ایک اسلامی جمہوری ریاست ہے اور پاکستانی عوام اکیسویں صدی میں سانس لے رہے ہیں لیکن ہمارے رہنماؤں کی تمام تر عادات و اطوار سولہویں صدی کے مختار کل سمجھے جانے والے شہنشاہوں سے کسی طور کم نہیں۔ محمد شاہ رنگیلا اور راسپوٹین کے یہ وارث آج بھی گل رخ حسینوں کے تھرکتے جسموں کے سہارے زندگی گذارنے کو اولیت دیتے ہیں۔ انار کلی کو دیوار میں چنوانے اور عوام کی خون پسینے کی کمائی سے اپنی اپنی "ممتاز" کی یاد میں "تاج محل" تعمیر کرانے کی حسرت آج بھی ان کے دلوں میں تازہ ہے بلکہ بعض تو اب بھی اپنی محبوباؤں کے نام سے کئی یادگاریں تعمیر کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں' اور یہ یادگاریں جو پارکوں' فواروں' میناروں اور پلوں کی صورت میں تعمیر ہوئیں ان سے باشعور عوام بخوبی واقف ہیں کہ یہ کن راہنماؤں نے کس کے لئے تعمیر کیں؟ قصہ اگر یہاں تک رہتا تو بات اور تھی لیکن ہمارے رہنماؤں اور کل کے شہنشاؤں میں ایک فرق ضرور ہے۔ یہ شہنشاہ یہ سب حرکات بہانگ دہل کیا کرتے تھے۔ ان کا کردار کسی سے پوشیدہ نہیں تھا لیکن ہمارے راہنما تمام تر آلودہ دامنیوں اور عیش کوشیوں کے باوجود خود کو پارسا کہلوانے کے لئے بے چین رہتے ہیں خلوت میں یہ لوگ ایک طرف تو "راجہ اندر" اور "راسپوٹین" کی مانند حسینوں کے جھرمٹ میں گھرے رہنا پسند کرتے ہیں' جبکہ دوسری طرف جلوت میں یہ پارسائی کا درس دیتے نہیں تھکتے۔ یہ صرف ایک گل بکاؤلی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ قوم کے یہ "خادم" ہر روز ایک نئی گل بکاؤلی کے حسن کی تسخیر کی تمنا لے کر اپنے اپنے "رنگ محل" سے نکلتے ہیں۔

یہ کتاب باعث عبرت ہے ان لیڈروں کے لئے جن کے کالے کرتوتوں نے پوری

قوم کو عذاب میں مبتلا کئے رکھا یہ کتاب آئینہ خانہ ہے ان سیاست دانوں کا جن کا ہر عمل پبلک پراپرٹی کے زمرے میں آتا ہے۔

یہ کتاب نہ تو ہندی دیومالا کے کوک شاستر کا تسلسل ہے اور نہ ہی گھٹیا جنسی تسکین کا کوئی ذریعہ۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کا مطالعہ ہر محب وطن اور باشعور پاکستانی کے لئے نہایت ضروری ہے تاکہ ان کو اپنے محبوب راہنماؤں کے "روشن کرداروں" کے بارے میں علم ہو سکے اور آئندہ ایسے افراد کو منتخب کریں جو پارلیمنٹ میں دنگا فساد کرنے کی بجائے عوام کی فلاح بہبود کے لئے کام کریں اور اقتدار کے ایوانوں سے نکل کر حسن کے بالا خانوں میں جانے کی بجائے اپنے گھر جانے کے عادی ہوں۔

کاش! یہ لیڈر اپنا بھیانک چہرہ دیکھ کر شرمناک کردار سے چھٹکارا حاصل کر کے نیکی اور فرض شناسی پر چل پڑیں۔ کاش! پاکستان کے باشعور عوام ارکان پارلیمنٹ کو منتخب کرتے وقت ان کے حقیقی کرداروں کا جائزہ لے لیں کاش! چیف الیکشن کمشنر آف پاکستان آئین کی آرٹیکل 62 اور 63 پر حقیقی معنوں میں عمل در آمد کروانے میں کامیاب ہو سکیں۔

آیئے! اب اپنے محبوب لیڈروں کے عشرت کدوں اور اقتدار کے ایوانوں سے حسن کے بالا خانوں تک باون سالوں پر محیط پھیلی ہوئی سچی اور دل دہلا دینے والی کہانیوں کا مطالعہ کریں جو کربناک بھی ہیں اور رنگین و سنگین بھی —— اف! یہ چہرے کتنے بھیانک، خوفناک اور ڈراؤنے ہیں۔

امجد حسین

سیاستدانوں کے "پوتر" چہرے

جب تک کوئی جابر، نااہل، بددیانت تھانیدار کسی تھانہ کا انچارج ہوتا ہے تو اس کے ماتحت اور عوام علاقہ مصلحت آمیز خاموشی اختیار کئے رکھتے ہیں اور تھانیدار بہادر کے جملہ کالے کرتوتوں سے آگاہ ہونے کے باوجود خاموش رہتے ہیں، اگرچہ اسلام میں اسی طرح کی "خاموشی" کو مجرمانہ قرار دیا گیا ہے اور یہ طرزِ عمل قرآن کی اس تعلیم کے سراسر خلاف ہے جس میں واضح ہے کہ ایک مسلمان کو بھلائی کی تعلیم و تبلیغ کرنا اور برائی و بے حیائی سے منع کرنا لازم ہے۔ اگرچہ جمہور، عوام کا رویہ وہی ہے جس کا تذکرہ ہم نے درج بالا سطور میں کیا ہے لیکن اس کے علی الرغم کچھ ایسے "سرپھرے" بھی ہر دور میں اور ہر معاشرہ میں موجود رہے ہیں جو کسی بھی دنیاوی لالچ یا خوف سے بے پرواہ ہو کر مردانہ وار آوازِ حق بلند کرتے اور دار و رسن کو عزت بخشتے رہے ہیں لیکن ایک تو ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر رہی ہے دوسرا ہر گذرتے لمحے کے ساتھ طاغوتی طاقتوں کی حمایت اور طاقت میں مزید اضافہ ہوتا چلا آ رہا ہے اس لئے حق و سچ کی یہ آوازیں معدوم اور کمزور ہوتی چلی گئی ہیں اور یہی نہیں بلکہ ان کی بظاہر افادیت بھی کم ہوتی جا رہی ہے، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ وطن عزیز میں مذہبی سیاسی جماعتوں کو اقتدار حاصل ہوتا، آج آپ جس بھی سیاسی شعور سے بہرہ مند فرد سے یہ پوچھیں کہ آیا آنے والے وقتوں میں سیاسی جماعتوں کے (انفرادی یا اجتماعی طور پر) برسرِ اقتدار آنے کا کوئی امکان ہے تو وہ بلا توقف اور بغیر سوچے، سمجھے یہ جواب دے گا کہ "نہیں! مستقبل قریب و بعید میں ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔" آخر کیوں؟ کیا مذہبی جماعتوں کے اکابرین میں لیاقت کا فقدان ہے؟ کیا وہ قیادت کے تقاضے

پورے نہیں کر سکتے؟ کیا وہ محب وطن نہیں ہیں جو "ایجنسیاں" انہیں Clear نہیں کرتیں؟ آخر وجہ کیا ہے؟ تو جواب ملے گا کہ (اور اس کے علاوہ اور کوئی جواب ہو بھی نہیں سکتا!) پاکستان میں مختلف اوقات میں بر سر اقتدار آنے والی سیاسی پارٹیوں نے اپنے اپنے عرصہ اقتدار میں اس قدر لوٹ مار کر لی ہے اور ملک کو اس قدر دیوالیہ کر دیا ہے کہ اب کسی ذی شعور شخص یا پارٹی کو اس ملک میں اقتدار سے کچھ حاصل ہونا مشکل ہے۔ اور عوام بھی اب بہت کچھ جاننے اور سمجھنے کے باوجود مذہبی جماعتوں کو ووٹ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں شائید اس کی وجہ یہ ہو کہ بقول شاعر اگرچہ عوام کی حالت یہ ہے کہ ۔

رہنے کو گھر نہیں ہے اپنا مکاں ہمارا
چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا

عوام بھی (جنہیں بد نہاد و بد قماش سیاسی حکمرانوں نے "قوم" نہیں بننے دیا) چھوٹی موٹی بد معاشیوں اور ذہنی عیاشیوں کے عادی ہو چکے ہیں اور وہ بھی خیال کرتے ہیں اگر کوئی مذہبی جماعت یا جماعتیں؟ یہاں بر سر اقتدار آ گئیں تو ان کی اس "عیاشی" کا خاتمہ ہو جائے گا۔ جی ہاں! یہ ڈش انٹینا، یہ کیبل نیٹ ورک یہ بچے کھچے سینما ہاؤسز میں فحاشی و بدکاری کے چلتے پھرتے مناظر سستی اور بظاہر بے ضرر عیاشی ہی تو ہیں جنہوں نے عوام سے ان کا شعور ملی غیرت اور مذہبی حمیت صلب کر لی ہے۔ واعظ و نصیحت کا اب کس پر اثر ہوتا ہے؟ پی ٹی وی سے روزانہ ایک گھنٹہ کی تلاوت و ترجمہ کی اشاعت اور ریڈیو چینل پر بھی تلاوت کا اہتمام بہت احسن اور مبارک اقدام سہی لیکن ان اوقات میں کس قدر لوگ بیدار ہوتے ہیں؟ رات گئے تک جاگنے والے اور بے ہودہ غیر ملکی و ملکی ٹی وی و ڈش پروگراموں سے اپنی شاموں کو رنگین اور راتوں کو جگراتوں میں بدلنے والے عوام کی بلا سے کہ ان کا حکمران کون ہے؟ کیا کرتا پھرتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آج ملک کی ایک بڑی آبادی چالیس چوروں کی ملکہ بے نظیر کی حمایتی ہے اور اتنے ہی یا اس سے کچھ کم "شریف بادشاہ" کی ہمنوا ہے حالانکہ ----- جس طرح بھی سہی، ملکی عدالتوں سے دونوں سزا یافتہ مجرم ثابت ہو چکے ہیں۔

ہم نے زیر نظر کتاب میں اس امید کے ساتھ عوام کے پیارے و دلارے سابقہ

حکمرانوں کے پوتر چہروں سے ان کے کالے' سیاہ کرتوتوں کی نقاب سرکائی ہے کہ اگر ہزار میں سے سو پچاس بھی ہمارے پیغام کی تہہ تک پہنچ گئے اور اس پیغام کو دوسروں تک پہنچا کر اپنے ملی فرض کی کسی قدر ادائیگی کے لئے آمادہ ہو گئے تو شائید ----- شائید نئے ملینیم میں وطن عزیز ہر کوئی ایسا سورج طلوع ہو سکے جو اس ملک کو اسلام کا حقیقی گہوارہ' یہاں کے عوام کو ایک "قوم" اور یہاں کے حکمرانوں کو اللہ کا "حقیقی نائب" دیکھ سکے۔ یاد رکھا جائے کہ جب تک اس ملک کا عام آدمی اپنے گردوپیش سے آگاہ ہو کر' اپنے حقوق کے لئے صف آراء نہیں ہو تا بد قماش سیاستدان اور بعض "مقدس گائیں" باریاں لیتی رہیں گی اور کوئی احتساب بیورو' کوئی "نیب" اور کوئی "ریب" کسی پیٹی بھرا اور سیاستدان بھائی کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔ ہم کوئی پی ٹی ماسٹر نہیں ہیں ورنہ آپ سے ضرور کہتے کہ۔

اٹھو' وگرنہ حشر نہ ہو گا پھر کبھی
دوڑو' زمانہ چال قیامت کی چل گیا

اگلے صفحات میں جن "مقدس ہستیوں" کا تذکرہ آپ ملاحظہ کریں گے وہ یا ان میں کے ہی سبھی لوگ جلد یا بدیر ایک بار پھر آپ کے ووٹوں سے برسراقتدار آنے کے لئے میدان میں اترنے والے ہیں' ----- آپ یہ تذکرے پڑھ سن' سمجھ لیں اور اپنا لائحہ عمل بھی طے کر لیں ---- انشاء اللہ دوبارہ ملاقات ہو گی۔

محمد اعظم گیلانی

پارلیمنٹ سے "اس بازار" تک میری نظر میں

اونچے اونچے کاخ گریں گے دھول اڑے گی لانوں میں
اب کے ایسی جنگ چھڑے گی جھگیوں اور ایوانوں میں

سیاست تو بڑے لوگوں کا موضوع اور میدان تھا نجانے یہ پیران ناہنجار اور طفلان ناہموار اس کوچے میں کیسے آ نکلے میں جب بھی ماضی کو کریدنے کی کوشش کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ پچھلی نصف صدی سے پاکستانی سیاست میں جنس زدہ مکروہ کرداروں نے جس طرح میرے وطن عزیز کی حرمت کو تار تار کیا ہے اس کی مثالیں تو یورپ کے آزاد اور بے باک معاشرے میں بھی خال خال ہی ملتی ہیں۔

اور اگر وہاں ایسے واقعات منظرعام پر آتے بھی ہیں تو وہاں کی عوام نہ صرف اس کا سختی سے نوٹس لیتی ہے بلکہ حکومتوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہے اور ایسے واقعات پر پوری پوری حکومتیں الٹ جایا کرتی ہیں لیکن ہمارے ہاں تو معاملہ بالکل ہی الٹ ہے یہاں کسی کو کسی کی خبر نہیں اور اگر ہے تو شاید اس لئے خاموش کھڑا ہے کہ

(اب تو یہاں کی روایت یہی ہے)

امجد حسین نے اپنی کتاب "پارلیمنٹ سے اس بازار تک" میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ان لیڈران قوم اور ان کے چیلوں' چانٹوں کے "روشن کرداروں" سے پردہ اٹھایا ہے' جو اپنی جنسی آزادی اور بے راہروی کے باوجود گذشتہ نصف صدی سے عوام پر حکومت کرتے ہیں۔

یہ وہی لوگ ہیں کہ جو نام کے "شریف" و "نظیر" بن کر معصوم عوام کی آنکھوں

میں ڈھول جھونکتے رہے ہیں اور اپنے جلسے جلوسوں میں "آوے گا وائی آوے گا" کے نعرے لگوا کر پھر اسی مظلوم عوام (جو دن رات ان کی کامیابیوں کے لئے دعائیں مانگتی ہے) کو بیوقوف بنا کر ملکی خزانے کو لوٹتے ہیں یہ ہر رات اپنے ذہنی اور جنسی سکون اور دن بھر کی "تھکن" اتارنے کے لئے اقتدار کے ایوانوں سے نکل کر حسن کے بالا خانوں میں پہنچتے ہیں اور اپنی بیٹیوں کی ہم عمر رقاصاؤں کے ناچ اور گانے سن کر ذہنی سکون حاصل کرتے ہیں "پارلیمنٹ سے اس بازار تک" کے نام سے ملتے جلتے نام اور موضوعات پر مبنی کئی کتابیں مارکیٹ میں آئیں لیکن جھوٹی اور من گھڑت کہانیوں کی وجہ سے مقبول عام نہ ہو سکیں لیکن امجد حسین نے انتہائی عرق ریزی سے ایسے شرمناک واقعات کا تفصیلی جائزہ اپنی کتاب میں پیش کیا ہے کہ جو اور کسی کتاب میں آپ کو نہ مل سکے گا اور ان سیاسی چمگادڑوں اور راسپوٹینوں کے مکروہ چہرے عوام کے سامنے بے نقاب کر کے رکھ دیئے ہیں۔

اس کتاب کے لکھنے کا مقصد عوام کے جنسی جذبات کو تسکین بہم پہنچانا نہیں بلکہ عوام کو ان کے آئیڈیل راہنماؤں کے سیاہ کرتوتوں اور مقدس چہروں سے نقاب اٹھا کر ان "شرفاء" اور "معززین" کا مکروہ چہرہ دکھانا ہے۔

خدارا! آئندہ اپنے نمائندوں کو چننے اور ووٹ ڈالنے سے پہلے اتنا ضرور سوچئے گا کہ آپ اپنے ملک کی باگ ڈور کن لوگوں کے ہاتھوں میں دے رہے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو آپ کے بچوں کے منہ سے نوالہ چھین کر طوائفوں کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں۔

"پارلیمنٹ سے اس بازار تک" میں قیام پاکستان سے لے کر اب تک اسلام کے نام پر حاصل کئے جانے والے ملک میں راج کرنے والے جاگیرداروں، صنعت کاروں، بیوروکریٹس اور سیاستدانوں کے عشرت کدوں میں جنم لینے والی ہوش ربا، شرمناک اور بھیانک داستانوں کو مبنی بر حقائق، دستاویزی ثبوتوں اور ٹھوس حوالوں کے ساتھ صفحہ قرطاس پر منتقل کیا گیا ہے یہ واقعات کربناک بھی ہیں اور سنگین و رنگین بھی-----!

منان قدیر منان

پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہونے کے اہل کون ہیں؟

(آئین پاکستان کے آرٹیکل 62 اور 63 کا اردو ترجمہ)

آرٹیکل 62 مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کی رکنیت کے لئے اہلیت

کوئی شخص مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کا رکن منتخب ہونے یا چنے جانے کا اہل نہیں ہو گا اگر ---

(الف) وہ پاکستان کا شہری نہ ہو۔

(ب) وہ قومی اسمبلی کی صورت میں، پچیس سال سے کم عمر کا ہو اور اس اسمبلی میں کسی مسلم یا غیر مسلم نشست کے لئے جیسی بھی صورت ہو، انتخاب کے لئے انتخابی فہرست میں ووٹر کی حیثیت سے درج نہ ہو۔

(ج) وہ سینٹ کی صورت میں تیس سال سے کم عمر کا ہو اور کسی صوبے میں کسی علاقے میں یا جیسی بھی صورت ہو، وفاقی دارالحکومت یا وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقہ جات میں جہاں سے وہ رکنیت چاہتا ہو، بطور ووٹر درج نہ ہو۔

(د) وہ اچھے کردار کا حامل نہ ہو اور عام طور پر احکام اسلام سے انحراف میں مشہور ہو۔

(ہ) وہ اسلامی تعلیمات کا خواہ علم نہ رکھتا ہو اور اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند نیز کبیرہ گناہوں سے مجتنب نہ ہو۔

(و) وہ سمجھدار، پارسا نہ ہو اور فاسق ہو اور ایماندار اور امین نہ ہو۔

(ز) کسی اخلاقی پستی میں ملوث ہونے یا جھوٹی گواہی دینے کے جرم میں سزا یافتہ ہو۔

(ح) اس نے قیام پاکستان کے بعد ملک کی سالمیت کے خلاف کام کیا ہو یا نظریہ پاکستان کی مخالفت کی ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ پیرا (د) اور (ہ) میں مصرحہ نااہلیتوں کا کسی ایسے شخص پر اطلاق نہیں ہو گا جو غیر مسلم ہو، لیکن ایسا شخص اچھی شہرت کا حامل ہو گا اور

(ط) وہ ایسی دیگر اہلیتوں کا حامل نہ ہو جو مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے ایکٹ کے ذریعے مقرر کی گئی ہوں۔

آرٹیکل 63 مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کی رکنیت کیلئے نااہلیت

(1) کوئی شخص مجلس شوریٰ پارلیمنٹ کے رکن کے طور پر منتخب ہونے یا چنے جانے اور رکن رہنے کے لئے نااہل ہو گا۔ اگر:

(الف) وہ فاتر العقل ہو اور کسی مجاز عدالت کی طرف سے ایسا قرار دیا گیا ہو۔ یا

(ب) وہ غیر برات یافتہ دیوالیہ ہو یا

(ج) وہ پاکستان کا شہری نہ رہے اور کسی بیرونی ریاست کی شہریت حاصل کرے۔ یا

(د) وہ پاکستان کی ملازمت میں کسی منفعت بخش عہدے پر فائز ہو۔ ماسوائے ایسے عہدے کے جسے قانون کے ذریعے ایسا عہدہ قرار دیا گیا ہو، جس پر فائز شخص نااہل نہیں ہوتا۔ یا

(ہ) اگر وہ ایسی آئینی ہیئت یا کسی ایسی ہیئت کی ملازمت میں ہو جو حکومت کی ملکیت یا اس کے زیر نگرانی ہو یا جس میں حکومت تعدیلی یا حصہ یا مفاد رکھتی ہو۔ یا

(و) شہریت پاکستان ایکٹ 1951ء (نمبر 2 بابت 1951ء) کی دفعہ 14 - ب کی وجہ سے پاکستان کا شہری ہوتے ہوئے اسے فی الوقت آزاد جموں و کشمیر کی قانون ساز اسمبلی کا رکن منتخب ہونے کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا ہو۔ یا

(ز) وہ کسی ایسی رائے کی تشہیر کر رہا ہو یا کسی ایسے طریقے پر عمل کر رہا ہو جو نظریہ پاکستان یا پاکستان کے اقتدار اعلیٰ سالمیت یا سلامتی یا اخلاقیات یا امن عامہ کے قیام یا پاکستان کی عدلیہ کی دیانتداری یا آزادی کے لئے مضر ہو یا جو پاکستان کی مسلح افواج یا عدلیہ کو بدنام کرے یا اس کی تضحیک کا باعث ہو۔ یا

(ح) اسے کسی ایسے جرم کے لئے سزایابی پر، جس میں چیف الیکشن کمشنر کی رائے میں اخلاقی پستی میں ملوث ہو، کم از کم دو سال کے لئے قید کی سزا دی گئی ہو، تاوقتیکہ اس کی رہائی کو پانچ سال کی مدت نہ گزر چکی ہو۔ یا

(ط) اسے پاکستان کی ملازمت سے غلط روی کی بنا پر برطرف کر دیا گیا ہو تاوقتیکہ اس کی برطرفی کو پانچ سال کی مدت نہ گزر گئی ہو۔ یا

(ی) اسے پاکستان کی ملازمت سے غلط روی کی بنا پر ہٹا دیا گیا ہو یا جبری طور پر فارغ الخدمت کر دیا گیا ہو، تاوقتیکہ اس کے ہٹائے جانے پر یا جبری طور پر فارغ خدمت ہونے کو تین سال کی مدت نہ گزر گئی ہو۔ یا

(ک) وہ پاکستان کی یا کسی آئینی ہیئت یا کسی ہیئت کی جو حکومت کی ملکیت یا اس کے زیر نگرانی ہو یا جس میں حکومت تعدیلی حصہ یا مفاد رکھتی ہو، ملازمت میں رہ چکا ہو، تاوقتیکہ اس کی مذکورہ ملازمت کو ختم ہوئے دو سال کی مدت نہ گزر گئی ہو۔ یا

(ل) اسے فی الوقت نافذ العمل کسی دیگر قانون کے تحت کسی بدعنوانی یا غیر قانونی حرکت کا مجرم قرار دیا جائے۔ تاوقتیکہ اس تاریخ کو جس پر مذکورہ حکم موثر ہوا ہو، پانچ سال کا عرصہ نہ گزر گیا ہو۔ یا

(م) وہ سیاسی جماعتوں کے ایکٹ 1962ء (نمبر 3 بابت 1962ء) کی دفعہ 7 کے تحت سزا یاب ہو چکا ہو، تاوقتیکہ مذکورہ سزایابی کو پانچ سال کی مدت نہ گزر گئی ہو۔ یا

(ن) وہ بذات خود یا اس کے مفاد میں یا اس کے فائدے کے لئے یا اس کے حساب میں یا کسی ہندو غیر منقسم خاندان کے رکن کے طور پر کسی شخص یا اشخاص کی جماعت کے ذریعے، کسی معاہدے میں کوئی حصہ یا مفاد رکھتا ہو، جو انجمن امداد باہمی اور حکومت کے درمیان کوئی معاہدہ نہ ہو، جو حکومت کو مال فراہم کرنے کے لئے، اس کے ساتھ کیئے ہوئے کسی معاہدے کی تکمیل یا خدمات کی انجام دہی کے لئے ہو:

مگر شرط یہ ہے کہ اس پیرے کے تحت نااہلیت کا اطلاق کسی شخص پر نہیں ہو گا۔

(اول) جبکہ معاہدے میں حصہ یا مفاد اس کو وراثت یا جانشینی کے ذریعے یا موصی لہ، وصی یا مہتمم ترکہ کے طور پر منتقل ہوا ہو، جب تک اس کو اس کے اس طور پر

منتقل ہونے کے بعد چھ ماہ کا عرصہ نہ گزر جائے۔

(دوم) جبکہ معاہدہ کمپنیات آرڈیننس 1948ء (نمبر 47 مجریہ 1984ء) میں تعریف کردہ کسی ایسی کمپنی عامہ نے کیا ہو یا اس کی طرف سے کیا گیا ہو، جس کا وہ حصہ دار ہو، لیکن کمپنی کے تحت کسی منفعت بخش عہدے پر فائز مختار انتظامی نہ ہو۔ یا

(سوم) جبکہ وہ ایک غیر منقسم ہندو خاندان کا فرد ہو اور اس معاہدے میں جو خاندان کے کسی افراد نے علیحدہ کاروبار کے دوران کیا ہو، کوئی حصہ یا مفاد نہ رکھتا ہو۔



خان لیاقت علی خان

جان و مال اور عزت و آبرو کے نذرانوں کے بعد طویل جدوجہد سے حاصل ہونے والے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حکمرانوں اور ان کے حواریوں کے لوٹ مار اور معاشقوں کا سلسلہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے فوراً بعد ہی شروع ہو گیا تھا جو آج ہنوز پوری شدومد سے جاری ہے۔ کچھ سیاستدانوں کے معاشقے شادی پر منتج ہوئے جبکہ کچھ ویسے محبوباؤں سے پیار کا کھیل ہی کھیلتے رہے۔

محبت کے ان کھلاڑیوں میں ایک نام پاکستان کے پہلے وزیراعظم خان لیاقت علی خان کا بھی ہے۔ یہ اس وقت کا قصہ ہے جب بیگم رعنا تمام رعنائیوں کے ساتھ تقاریب میں قیامت ڈھایا کرتی تھیں اور ایک سوشل ورکر کی حیثیت سے جانی جاتی تھیں۔ ایک تقریب میں کسی امدادی پروگرام کے ٹکٹ فروخت کرتے ہوئے ان کی ملاقات جناب لیاقت علی خان سے ہو گئی۔ رعنا دوسروں کو تو ایک ایک ٹکٹ فروخت کر رہی تھیں لیکن جب لیاقت علی خان کے پاس آئیں تو انہوں نے نواب صاحب سے دو ٹکٹ خریدنے کی فرمائش کر ڈالی۔ نواب صاحب نے حیرت سے پوچھا دو ٹکٹ بھئی کیوں؟ تو رعنا نے جواب میں نہ

جانے کیا کہا کہ نوابزادہ صاحب دل ہار بیٹھے۔ اس واقعہ کے چند دنوں بعد ہی نواب صاحب نے بیوی بچوں کی موجودگی میں رعنا کی تمام رعنائیوں کو اپنے گھر کی زینت بنالیا اور وہ بیگم رعنا لیاقت علی خان بن گئیں۔ بیگم رعنا لیاقت اپواء کی اہم خواتین میں سے تھیں۔ ان کے دور میں اپواء خواتین نے سماجی کاموں کی آڑ میں کچھ اس طرح کا ماحول پیدا کر لیا تھا جو پاکستان کے مسلم معاشرے سے میل نہیں کھاتا تھا۔ اسی لئے اس دور میں اپواء خواتین کے بارے میں بے شمار کہانیاں منظر عام پر آئیں۔ اپنی تمام تر آزاد خیالی اور معاشرے کو جدید تہذیب سے ہم آہنگ کرنے کا عزم لئے ہوئے یہ خواتین بھی بعض اوقات ایسی دلچسپ حرکتیں کر جاتیں جو ان کے اپنے کردار کے ہرگز شایان شان نہ تھیں۔



غلام محمد

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دوسرے گورنر جنرل غلام محمد جنہیں حالت فالج میں کرسی اقتدار پر بٹھایا گیا تھا۔ ایک غیر ملکی حسینہ کے اسیر تھے۔ روتھ بورل نامی یہ خاتون جو بظاہر تو ان کی پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر کام کر رہی تھی۔ لیکن دراصل وہی گورنر جنرل تھی۔ نیم امریکن، نیم سوئس تھی۔ اور عالم یہ تھا کہ گورنر جنرل ہاؤس کے ہر فیصلہ کی اطلاع جناب غلام محمد کی جانب سے اس خاتون کے ذریعے دی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ یہ خاتون جب جناب غلام محمد سے ناراض ہو جاتیں تو گورنر جنرل ہاؤس میں تمام کام بند ہو جاتے تھے۔ اور جناب غلام محمد کوئی کام اس وقت تک نہیں کرتے تھے۔ جب تک وہ خاتون راضی نہ ہو جاتی تھیں۔ گورنر جنرل کے اس غیر ملکی خاتون کے ساتھ تعلقات کو کبھی بھی ہمارے کسی بھی طبقے نے حرف تنقید نہیں بنایا۔

غلام محمد کے اخلاقی رویوں اور مستیوں کی کہانی قدرت اللہ شہاب نے "شہاب نامہ" میں تفصیل سے بیان کی ہے وہ لکھتے ہیں:

"انہوں نے (گورنر جنرل غلام محمد) نے مجھے مسہری پر بٹھالیا اور فرش پر پڑی ہوئی فائل کا قصہ سنایا۔ بات یہ ہوئی کہ کل رات انہوں نے مس بورل کو ڈنر پر مدعو کیا تھا۔ وہ حسب معمول اپنی بوڑھی والدہ کو اپنے ساتھ لے کر آئی۔ یہ بات مسٹر غلام محمد کو پسند نہ تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ مس بورل ڈنر پر تنہا آیا کرے۔ لیکن مس بورل اکثر ان کی اس آواز کو پورا نہ کیا کرتی تھی۔ کل رات کے ڈنر کے دوران مسٹر غلام محمد نے مس بورل کی والدہ کے ساتھ بڑی بے رخی کا برتاؤ کیا اور کچھ نازیبا کلمات بھی کہے۔ مس بورل نے اس بات کا بہت برا منایا۔ آج صبح گورنر جنرل نے اسے ایک فائل کے ساتھ اپنے کمرے میں طلب کیا۔ وہ منہ پھلائے ہوئے آئی مسٹر غلام محمد نے اسے حکم دیا کہ وہ صبح سویرے رونی صورت لے کر ان کے کمرے میں نہ آئے' بلکہ مسکراتی ہوئی ان سے ملے۔ مس بورل اسی طرح منہ پھیلائے کھڑی رہی۔ گورنر جنرل نے تحکمانہ انداز میں کئی بار اسے مسکرانے کا حکم دیا تو اس نے غصے سے فائل زمین پر دے ماری اور روتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

اب مسٹر غلام محمد نے میرے ذمہ یہ ڈیوٹی سپرد کی کہ میں مس بورل کو سمجھا بجھا کر یہاں واپس لاؤں' وہ مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہو اور ہنسی خوشی فرش پر پڑی ہوئی فائل اٹھا کر گورنر جنرل کے حضور میں پیش کرے۔ میں مس بورل کے پاس گیا' تو وہ غالباً اسی نوعیت کی طلبی کے انتظار میں بیٹھی تھی' وہ بڑی زیرک اور غمگسار طبیعت کی لڑکی تھی اور مسٹر غلام محمد کی معذوریوں کی وجہ سے اسے ان کے ساتھ ایک خاص قسم کی ہمدردی تھی۔ میں نے اسے ٹائم پیس سمیت سارا واقعہ سنایا تو وہ فوراً میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئی۔ گورنر جنرل کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنی مسکراہٹوں کا فوارہ چھوڑا اور فرش پر پڑی ہوئی فائل اٹھا کر اسے بصد ادب و احترام ان کی خدمت میں پیش کیا۔ مسٹر غلام محمد کا چہرہ دودھ پیتے بچے کی طرح کھل اٹھا اور ان کے منہ کے دونوں کونوں سے بے اختیار رالیں ٹپکنے لگیں۔ پھر اچانک ان کی نظر مجھ پر پڑی' ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور غرا کر بولے۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو' تمہیں یہاں کس نے بلایا ہے۔ فوراً میری نظروں سے دور ہو جاؤ ......"

محمد علی بوگرہ

پاکستان کے سابق وزیراعظم محمد علی بوگرہ بھی معاشقوں کے حوالے سے دیگر حکمرانوں سے پیچھے نہ رہے۔ وزیراعظم بننے کے فوراً بعد انہوں نے ایک غیر ملکی لبانی حسینہ کو وزیراعظم آفس میں سوشل سیکرٹری کے عہدہ پر مقرر کر دیا اور پھر چند ہی ماہ بعد اس کے ساتھ شادی کا اعلان بھی کر دیا حالانکہ وہ پہلے سے شادی شدہ تھے۔ کراچی کے ایک ہفت روزہ ''مسلمان'' نے اس شادی کی تفصیلات شائع کیں تو اس رسالے کو بند کر دیا گیا۔ بند کرنے والے سید ہاشم رضا تھے' رسالے کی بندش کے ایک ماہ بعد اس شادی کا باقاعدہ اعلان ہو گیا مگر رسالہ منظر عام پر نہ آ سکا۔ اپواء کی چند قوانین نے ان کی پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی پر تنقید کی لیکن علمائے کرام نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ اپواء کی بہت سی قائدین بذات خود اپنے خاوند کی دوسری بیویاں ہیں' ان کا منہ بند کر دیا۔ ان خواتین میں سرفہرست بیگم رعنا لیاقت علی خان کا نام آتا تھا جو خود نواب لیاقت علی خان کی پہلی بیوی پر سوکن بن کر بیٹھی تھیں۔ ان کی جناب لیاقت علی خان سے ملاقات کسی

سوشل تقریب کے ٹکٹ فروخت کرنے کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ وہ ایک نوجوان سوشل ورکر خاتون کے طور پر جناب لیاقت علی خان کو دو ٹکٹ فروخت کرنا چاہتی تھیں۔ جناب لیاقت علی خان نے اس سے ملاقات میں پوچھا کہ آخر وہ دو ٹکٹ کیوں خریدیں اور اس سوال کے جواب پر محترمہ رعنا نے لیاقت علی خان کو جو جواب دیا وہ کچھ ایسا تھا کہ نوابزادہ لیاقت علی ان کو اپنا دل دے بیٹھے اور جلد ہی پہلی بیوی اور بچوں کی موجودگی میں رعنا صاحبہ سے دوسری شادی کرلی۔ یہ دل خراش داستان اس ملک کے حکمرانوں کے اخلاقی مرتبہ کی نشاندہی کرتی ہے۔ لیاقت علی خان مرحوم کی اہلیہ کے معاملات اور اپوا کے ذریعے اس ملک کو جس اخلاقی بحران سے گزرنا پڑا' وہ ایک الگ کہانی ہے۔

جناب محمد علی بوگرہ نے اپنی سوشل سیکرٹری کو دوسری بیوی بنانے کے بعد پاکستان کی 1962ء کی قانون ساز اسمبلی کی رکنیت کا انتخاب لڑا' اس میں کامیاب ہوئے اور ایوب خان نے انھیں اپنا وزیر خارجہ بنایا۔ اس عہدہ پر فائز ہونے کے بعد ان کی اس غیر ملکی بیوی کے پاکستان کی وزارت خارجہ کے ارکان کے ساتھ تعلقات مضبوط تر ہوتے چلے گئے۔ ان کی وفات کے بعد بھی یہ تعلقات قائم رہے اور پاکستان فارن آفس نے اسے کئی اہم سفارتی ذمہ داریوں پر تعین کیا۔



حسین شہید سہروردی

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ایک اور سابق وزیراعظم حسین شہید سہروردی بھی پلے بوائے امیج کے حامل تھے۔ وہ اپنی شامیں کراچی کے ہوٹل میٹروپول' بیچ لگژری یا پیلس کے نائٹ کلبوں میں رنگین بناتے اور اس زمانے میں کراچی کی مشہور حسینائیں جناب حسین شہید سہروردی کے ساتھ ہوتیں۔ اس کے باوجود جناب سہروردی کی اقتدار سے محرومی کی وجہ ان کی یہ رنگینیاں نہیں تھیں۔ وہ وزیراعظم ری پبلکن پارٹی کے بل بوتے پر بنے تھے' جس کے حقیقی سربراہ جناب سکندر مرزا خود تھے اور انہوں نے جناب سہروردی کو معزول کرنے کا فیصلہ اپنے ذاتی اقتدار کو طول دینے کے لئے کیا تھا۔



سکندر مرزا

غیر ملکی حسیناؤں کے آگے دل ہارنے والوں میں ایک نام پاکستان کے سیکرٹری دفاع اور پہلے صدر سر سکندر مرزا کا بھی تھا۔ سکندر مرزا ایک جونیئر ایرانی سفارت کار کی بیوی ناہید پر مرمٹے۔ دونوں اکثر چوری چھپے ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔ شادی شدہ ہونے کے باوجود مرزا صاحب پیار کا کھیل کھیلتے رہے۔ اس دوران پانچ لاکھ کے آملیٹ کا واقعہ بھی ظہور پذیر ہوا۔ بات کچھ یوں تھی کہ ناہید کا خاوند فلیٹ پر موجود نہیں تھا۔ انہوں نے مرزا صاحب کو اشارہ دے دیا' مرزا صاحب فوراً فلیٹ پر پہنچ گئے۔ رات ناہید کی میزبانی میں بسر کی۔ ناہید نے انہیں آملیٹ بنا کر کھلائے۔ سکندر مرزا نے ناہید صاحبہ کی کارکردگی سے خوش ہو کر انہیں پانچ لاکھ روپے کا چیک دیا۔ سکندر خود کہا کرتے تھے کہ میں نے دنیا کا مہنگا ترین آملیٹ کھایا ہے۔ لیکن یہ آملیٹ کوئی اتنا زیادہ بھی مہنگا ثابت نہیں ہوا کیونکہ کچھ عرصہ بعد ناہید نے اپنے خاوند سے طلاق لے کر اس وقت کے سیکرٹری دفاع جناب سکندر مرزا سے شادی کر لی۔ سکندر مرزا جب گورنر جنرل کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ناہید سکندر کی جانب سے انہیں پہلا حکم جناب غلام محمد کی غیر ملکی محبوبہ روتھ بورل کو ملازمت سے فارغ کرنے

کا ملا۔ اور ان کی جگہ ناہید سکندر مرزا نے تمام اور کی نگہبانی شروع کر دی۔ جناب سکندر مرزا کے گورنر جنرل اور صدارت کے دوران ناہید سکندر مرزا ہی گورنر جنرل ہاؤس اور ایوان صدر کے تمام تر امور کی انچارج تھیں اور تمام تر فیصلے ان مرضی اور منشا کے مطابق ہوتے۔ سیاسی تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ دوسری شادی سکندر مرزا کی لئے بڑی "باعث برکت" ثابت ہوئی اور وہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرتے گئے۔ اور غیر ملکی خاتون کے ساتھ پہلے سے شادی شدہ آدمی ہونے کے باوجود اس مملکت خداداد کے کسی سیاسی، دینی یا مذہبی حلقے میں کبھی معتوب نہیں ہوئے۔ مرزا صاحب نے جوں جوں ترقی کی منازل طے کیں، شراب کی مقدار بھی زیادہ ہوتی گئی۔ ان کے دوست ان کو چلتی پھرتی "شراب کی دکان" کہا کرتے تھے کہنے کو انہوں نے بذریعہ طبعی موت دنیا فانی سے کوچ کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شراب ان کے خون میں ایک جزو کی حیثیت سے جڑ پکڑ گئی تھی جس کی میڈیکل رپورٹ میں کہا کرتے تھے بھی تصدیق ہو گئی۔



ایوب خان

ایوب خان کا پاکستان کی تاریخ میں ایک معتبر نام ہے اور ان کے سراہنے والوں کی تعداد آج بھی پاکستان میں کم نہیں تاہم اہلِ وطن کی ایک غالب تعداد ان کے عہد حکمرانی کو پاکستانی تاریخ کے سیاہ ترین دور کے نام سے یاد کرتی ہے۔ پاکستانی عوام کی بد قسمتی رہی ہے کہ یہ اپنے حکمرانوں کے اصلی چہروں کو نہیں پہچان سکے۔ اور ان کو اپنے حکمرانوں کے کالے کرتوتوں کا اس وقت پتہ چلا جب ان کے اقتدار کا سورج غروب ہو چکا تھا۔ ایک غیر ملکی دانشور نے حال ہی میں انکشاف کیا کہ فیلڈ مارشل ایوب خان امریکہ کی خفیہ ایجنسی سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی (سی آئی اے) کے ایجنٹ کے طور پر کام کر کے پاکستانی عوام کی تقدیر کے ساتھ کھیلتے رہے اور اس گھناؤنے کردار کے عوض ایوب خان نے "سی آئی اے" سے خفیہ معاہدوں کے تحت صرف 1960ء سے 1964ء تک ساڑھے 9 لاکھ ڈالر سے زائد رقم حاصل کی۔

ایوب خان نہ صرف بھرپور مردانہ وجاہت' فولادی جسم اور سحر انگیز نقوش کے مالک

تھے بلکہ وہ اپنی ان خصوصیات سے خود بھی بخوبی واقف تھے اور ان کے دور اقتدار میں جب امریکہ میں دنیا کے سب سے خوبصورت حکمران کے حوالے سے سروے ہوا تو ایوب خان کی شخصیت پہلے نمبر پر رہی اور اس دور میں ایوب خان کا شمار دنیا بھر کے خوبصورت ترین حکمرانوں میں ہوتا تھا۔ موصوف نہ صرف پاکستانی عوام کی قسمت سے کھیلتے رہے بلکہ انہوں نے اپنی وجاہت اور سحر انگیز شخصیت سے پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک کی بھی بہت سی حسیناؤں کو دیوانہ بنائے رکھا انہی دیوانوں کی فہرست میں ایک نام کرسٹائن کیلیر کا بھی تھا۔ یہ 1962ء کا واقعہ ہے' جب ایک برطانوی فوٹو گرافر لیوس لورس نے شہرت اور دولت کی خاطر ایک نازنین کے مرمریں بدن کے عریاں حصوں کو کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر لیا اور ہوس پرستوں کی ذہنی آسودگی اور ان کو تفریح کا سامان بہم پہنچانے کے لئے یورپ کے ہر بکسٹال کی زینت بنا دیا۔ گلاب چہرہ' شربتی آنکھوں اور سروی جسامت رکھنے والی یہ حسینہ 18 سالہ کال گرل کرسٹائن کیلر تھی۔ جس کی ہوشربا تصاویر نے نہ صرف یورپی ممالک کے عوام بلکے ایوانوں تک زلزلہ برپا کر دیا۔ کرسٹائن نے سیاستدانوں کی قربت حاصل کرنے اور ان سے روابط بڑھانے کے لئے برطانیہ کی کنزرویٹو پارٹی میں شمولیت اختیار کی۔

60ء کی دہائی میں برطانیہ میں کنزرویو پارٹی کی ایک طاقتور حکومت محض اس لئے منتشر ہو کر رہ گئی کہ اس حکومت کے وزیر جنگ پرفیومیر نے کال گرل کرسٹائن کیلر سے خصوصی مراسم استوار کر رکھے تھے۔ کرسٹائن کی انہی حرکات کی وجہ سے برطانوی اخبارات و جرائد نے اس پر تنقید کی تو اس نے ادائے دلربانہ سے یہ کہہ کر اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔ میں تو محض آزاد منشی اور ریت شکن لڑکی ہوں۔ میڈیا نے بلاوجہ میرے نام سے افسانے گھڑ لئے ہیں لیکن اخباری دنیا کے لوگ کافرانہ اداؤں سے بہلنے والے نہیں تھے وہ سائے کی طرح کرسٹائن کے پیچھے لگے رہے اور یہ سکینڈل دنیا بھر میں مشہور ہوا اور اس ضمن میں انہوں نے مزید سراغ لگایا کہ نہ صرف برطانوی ارکان پارلیمنٹ بلکہ دیگر ممالک کے سرکردہ افراد بھی اس حسینہ کی زلفوں کے اسیر ہیں۔ اور ان اسیران میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے جری و بہادر فیلڈ مارشل ایوب خان کا نام سرفہرست تھا۔ کرسٹائن نے

دعوی کیا کہ "میں نے صدر ایوب کے ساتھ پیراکی کی۔ وہ مجھے انگریزوں سے بڑھ کر "انگریز" لگے۔ جب اس کے دعوی کی تصدیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ صدر ایوب خان نے لارڈ آسٹر کی سوئمنگ پول پارٹی میں کرسٹائن کے ساتھ سوئمنگ کی تھی اور یہ کہ دیگر بہت سی حسینائیں لارڈ آسٹر کی اکثر ایسی بڑی دعوتوں میں ان کے خاص مہمانوں کے ساتھ سوئمنگ کرتی تھیں لارڈ آسٹر اپنے دوستوں کی راتوں کو رنگین بنانے کے لئے محفلیں سجایا کرتے تھے۔ اور بڑے بڑے غیر ملکی سربراہ بھی لارڈ آسٹر کی دعوتوں میں شریک ہونا اپنے لئے بہت بڑا اعزاز سمجھتے تھے۔ اور ایوب خان کا شمار لارڈ آسٹر کے خاص مہمانوں میں ہوتا تھا۔ چونکہ ان دنوں ایوب خان خود حکمران اور ملک کے سیاہ و سفید کے مالک تھے دوسرے ان دنوں پاکستانی میڈیا اس قدر آزاد نہ تھا جس قدر آج ہے اس لئے سات سمندر پار کے قصے پاکستانی عوام تک نہ پہنچ سکے۔ حتیٰ کہ جب کرسٹائن کیلر کی سوانح حیات کا ایک مہربان نے اردو ترجمہ کر کے اس میں موصوفہ کے ایوب خان کے بارے میں خیالات بھی دے ڈالے جس کے نتیجہ میں مذکورہ کتاب فوری طور پر ضبط کر لی گئی۔ اور فیلڈ مارشل ایوب خان کی کرسٹائن کے ساتھ کہانیاں اخبارات میں جگہ نہ پا سکیں۔ اور اس سکینڈل کی پاکستانی اخبارات و جرائد میں اشاعت کو روکنے میں الطاف گوہر جیسے جی حضوری کرنے والے اور تیز طرار شخص کا ہاتھ تھا جس نے میڈیا پر مکمل کنٹرول کیا ہوا تھا۔ اور ان کے حکم پر بڑے بڑے اخباری ایڈیٹرز کی گھگھی بندھ جایا کرتی تھی۔ اس کے لئے یہ ایک مثال ہی کافی ہو گی' ایک مرتبہ ڈیلی نیوز کے رپورٹر ضمیر صدیقی نے یہ خبر شائع کر دی کہ "ایوب خان آرام کے لئے بیرونِ ملک تشریف لے جا رہے ہیں" تو بھونچال سا آ گیا اور اس خبر کی پاداش میں ضمیر صدیقی کو ڈیلی نیوز سے علیحدہ ہونا پڑا۔ تاہم ایوب خان کی تمام سختیوں اور دباؤ کے باوجود پاکستانی عوام بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کی ایک اعلیٰ افسر شبانہ سے ضرور آشنا ہو گئے جو اپنے ملک کے "اعلیٰ مقاصد" کی خاطر ایوب خان کی راتیں رنگین بناتی رہی اور اس "قربانی" کے عوض حسینہ نے اپنے ملک کو بے شمار فائدے پہنچائے۔



یحییٰ خان

پاکستانی سیاست گزیدہ جنرلوں میں یحییٰ خان سب سے زیادہ رومان پرست واقع ہوئے ہیں وہ شباب اور شراب دونوں کے رسیا تھے۔ اور انہی کارناموں کی وجہ سے ذلت و رسوائی ملک کی تقدیر بن کر رہ گئی۔ 1971ء میں پاکستان کو جن اذیت ناک مراحل سے گزرنا پڑا' وہ یحییٰ خان کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہی تھا۔ کیونکہ وہ دور جب مملکت خداداد پر ایک ایسا شخص حکمرانی کر رہا تھا جسے شراب و شباب کے سوا کسی شے کا ہوش نہیں تھا۔ پاکستان کی تاریخ میں یحییٰ خان کا نام جہاں متنازعہ حیثیت کے طور پر یاد رکھا جائے گا وہاں ان کی رنگین طبع اور ایوان صدر میں خوبرو لڑکیوں کا جھرمٹ بھی قومی تاریخ کا حصہ بنے رہیں گے۔ چند حسیناؤں کے تو یحییٰ خان اس قدر سحر میں مبتلا تھے کہ ایک امریکی جریدے کو اپنی رپورٹ میں کہنا پڑا کہ ''آغا صاحب کے دور میں پاکستان کی اصل حکمران 12 عورتیں تھیں'' قدرت اللہ شہاب جو یحییٰ خان کی متوالی طبیعت اور رنگین مزاجی سے بخوبی واقف تھے۔ اپنی مشہور زمانہ سوانح عمری ''شہاب نامہ'' میں رقم طراز ہیں۔ ''جن دنوں کشمیر کا جہاد زوروں پر تھا۔

میں آزاد کشمیر حکومت کا سیکرٹری جنرل تھا۔ پلندری اور تراڑ کھل کے درمیان ایک پہاڑی جنجال ہل میں ہمارا سیکرٹریٹ واقع تھا۔ یہاں پر چند کچے مکان تھے۔ جن میں آزاد کشمیر کے صدر، وزراء اور دوسرے ملازمین کی رہائش گاہیں اور دفاتر تھے۔ دن کے وقت سیکرٹریٹ کا کام عموماً درختوں کے سائے میں ہوتا تھا۔ کسی کے پاس لوہے کی کرسی تھی۔ کسی کے پاس چوبی اسٹول، کوئی پتھروں کا چبوترہ بنا کر بیٹھتا تھا۔ کوئی گھاس پر نیم دراز ہو کر فائلیں چلاتا تھا۔ دن میں کئی بار ہندوستان کے بمبار طیارے ہمارے اوپر سے گزرتے تھے۔ کبھی کبھی ان کی پرواز اس قدر نیچی ہوتی تھی کہ پائلٹ کا چہرہ نظر آنے لگتا تھا۔ ایک روز ہم میٹنگ کر رہے تھے کہ ایک گول مٹول سا فوجی جیپ سے اتر کر ہمارے پاس آیا۔ چہرے پر سوجن اور آنکھوں میں گندے انڈے کی ابلی ہوئی زردی سی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں بید کی چھڑی اور دوسرے میں چمڑے کا گول تھیلا تھا۔ آتے ہی اس نے اپنی چھڑی میری ناک کے عین سامنے گھمائی اور قدرے ڈانٹ کر پوچھا "یہاں کیا تماشا ہو رہا ہے؟"

"میں نے عرض کیا کہ یہ آزاد جموں و کشمیر کا سیکرٹریٹ ہے۔"

یہ سن کر اس کی توند تسلے میں پڑی ہوئی اوجھڑی کی طرح گدگدائی۔ اور گلے سے غوغوغا کی کچھ رندھی ہوئی آوازیں برآمد ہوئیں۔ یہ اس بات کی دلیل تھی۔ کہ آغا یحییٰ خان صاحب بطور تمسخر فرما رہے ہیں۔ ہمارے سیکرٹریٹ کی ہیئت کذائی پر چند تحقیری اور تضحیکی پھبتیاں کسنے کے بعد آغا صاحب بور ہو گئے اور کچھ دور پرے جا کر درختوں کی اوٹ میں ایک چٹان پر بیٹھ گئے۔ اپنا تھیلا کھول کر انہوں نے کچھ سینڈوچ نوش فرمائے۔ اور پھر پیاس بجھانے کے لئے غالباً بیئر کی بوتل نکالی۔ رمضان کے دن تھے۔ یہ دیکھ کر میرا اردلی جلال میں آ گیا اور اس نے دور ہی دور سے انہیں للکارا۔ "خبردار صاحب، یہ حرام بند کرو۔ ابھی ابھی مینڈھیر کی وادی ہمارے ہاتھ سے نکل کر ہندوستان کے قبضے میں چلی گئی ہے۔ اب خدا کے غضب کو اور نہ بلاؤ۔ بوتل توڑ دو۔ ورنہ خون خرابہ ہو جائے گا۔"

یحییٰ خان نے بوتل تو نہ توڑی۔ لیکن جلدی جلدی سامان سمیٹ کر زیر لب بڑبڑاتا ہوا نو دو گیارہ ہو گیا۔

قدرت اللہ شہاب یحییٰ خان کا شخصی تعارف کروانے کے بعد آگے لکھتے ہیں۔

"کئی برس بعد مجھے یحییٰ خان کی زیارت ایک اور رنگ میں نصیب ہوئی۔ جب پاکستان کا دارالخلافہ راولپنڈی اور اسلام آباد منتقل ہو رہا تھا۔ تو ارباب پنڈی کلب نے کراچی سے تازہ وارد ان بساط ہوائے دل کی خیر سگالی کے لئے ایک زبردست محفل ناؤ نوش منعقد کی۔ مارشل لاء کا بول بالا تھا کئی سول سرونٹ چند کلیدی فوجی حکام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ کچھ بیگمات بھی اس مہم پر اپنے خاوندوں کا ہاتھ بٹانے کے لئے بج دھج کر شریک محفل تھیں۔ اس انجمن میں یحییٰ خان چہک چہک کر، پھدک پھدک کر کبھی ایک بیگم اور کبھی دوسری بیگم سے ٹکراتا تھا۔ بڑی محنت و مشقت کے بعد اس نے ایک طرحدار خاتون کو پھانسا۔ اور اسے گھیر گھار کر باہر لان میں لے گیا۔ کچھ دیر آنکھ مچولی کا کھیل ہوتا رہا۔ بدقسمتی کے عالم میں یحییٰ خان کی بہیمانہ ہنہناہٹ اور طرحدار خاتون کے نرم و نازک قہقہے اندر بیٹھے ہوئے دوسرے امیدواروں کی چھاتی پر مونگ دلتے رہے۔ پھر زور کا دھماکہ ہوا۔ اور سب لوگ بھاگ کر باہر آ گئے۔ خاتون تو ایک میز پر ٹانگیں لٹکائے بڑے آرام سے شیمپئن پی رہی تھی۔ لیکن غریب یحییٰ خان کسی کرسی سے ٹکرا کر ادھ موئے دنبے کی طرح زمین پر چاروں شانے چت گرا پڑا تھا۔ یار لوگوں نے دھکیل دھکال کر اسے اٹھایا۔ وہ حنوط شدہ اکڑی ہوئی لاش کی طرح بے حس و حرکت کھڑا ہو گیا۔ اور کسی نے اس کی پتلون اوپر کھینچ کر توند کے نشیب پر از سر نو فٹ کی۔"

اپنی حرکات کی بدولت یحییٰ خان کے دور کو اگر رنگیلے بادشاہ کا دور کہا جائے تو بے جانہ ہو گا۔ کیونکہ ان کے دور میں بری شہرت کی حامل کئی خواتین کی آمدرفت ایوان صدر میں عام تھی۔ اور ان کے دور اقتدار میں ان سے بھی زیادہ طاقتور جنرل رانی جن کا اصل نام اقلیم اختر المعروف جنرل رانی تھا ثابت ہوئیں۔ جنرل رانی نے کئی بار دعوی کیا کہ ذوالفقار علی بھٹو، غلام مصطفیٰ کھر اور دیگر سیاست دان ان کے گھر میں اکثر حاضر ہوتے رہتے تھے۔

اقلیم اختر عرف رانی گجرات کے ایک تھانیدار کی بیوی تھی۔ جس کی رسائی 1964ء میں جنرل یحییٰ تک ہوئی۔ جب موخرالذکر چھمب کے محاذ پر تعینات تھے یاد رہے کہ چھمب کا علاقہ گجرات سے بمشکل ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت پر ہے) پھر بات یہاں تک پہنچی کہ محفلوں میں ان کے ساتھ کچھ اور لڑکیاں بھی آنے لگیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ یحییٰ خان کے



نور جہاں جام تھامے ہوئے' صدر پاکستان جنرل یحییٰ خان کے ساتھ

دوسرے ساتھیوں کا دل بہلانے کا بندوبست بھی کرتی رہیں۔

یحییٰ خان کی ان عادات اور مشاغل کے تذکروں سے 72-1971ء کے تمام اخبارات بھرے پڑے ہیں۔ جنرل رانی کا دعویٰ تھا کہ وہ یحییٰ خان سے ہر وہ کام کروا سکتی ہیں' جو دنیا کا کوئی اور شخص نہیں کروا سکتا۔ وہ اکثر پرائیویٹ محفلوں میں کہتی کہ یحییٰ خان میں خود غرضی اور منافقت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اس کی رگوں میں خون نہیں شراب دوڑتی ہے۔ مجھے وہ تمام گر آتے ہیں جو اس کی خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں۔

یحییٰ خان اور جنرل رانی کا ایک قصہ بہت مقبول ہوا۔ جب 1965ء کی جنگ کے بعد ایک تقریب میں جنرل رانی نے بہت بڑا کیک کاٹا اور اس موقع پر نیم عریاں لباس پہن کر رقص کیا۔ ساتھ پنجابی گانا اونچی آواز میں سنایا تو جنرل یحییٰ خان نے کہا کہ آہستہ بولو' ابھی مجھے ایوب خان سے اقتدار بھی لینا ہے۔ جنرل یحییٰ کے دور میں جنرل رانی اور اس کے گھر والے سرکاری ٹرانسپورٹ استعمال کرنے کے علاوہ ہر قسم کے سرکاری پروٹوکول سے لطف اندوز ہوتے رہے ہیں۔

امریکی جریدے نیوز ویک نے یحییٰ خان کے متعلق انکشاف کرتے ہوئے لکھا کہ یحییٰ خان کے عہد میں بری شہرت کی حامل عورتوں کا بہت اثر و رسوخ تھا۔ اپنی رپورٹ میں

رسالے نے یحییٰ خان کی جنرل رانی اور دوسری عورتوں کے ساتھ چند غیر مہذب تصاویر بھی شائع کیں۔ اس پر جنرل یحییٰ نے اس رسالے کی پاکستان میں فروخت رکوانے کی دھمکی دی تو اس نے ایک دوسرا فیچر شائع کر دیا۔ جس میں کہا گیا کہ اس دور میں پاکستان کی اصل حکمران (12) عورتیں تھیں اور پھر اس میں ان تمام عورتوں کی کرتوتوں کے بارے میں تفصیلاً رپورٹ دی گئی جو اپنی جگہ ریکارڈ ہیں۔ ان (12) عورتوں میں جنرل رانی، بلقیس خانم، جنرل رانی کی دو بیٹیاں، مسز کے حسین، گلوکارہ نور جہاں، پشاور کی ایک مشہور رقاصہ اور بعض فلمی اداکارائیں شامل تھیں۔ فیچر میں یہ بھی دعویٰ کیا گیا کہ درحقیقت یہ خواتین تعلقات کی آڑ میں جاسوسی کرتی ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر آیا کہ مسز کے حسین بھی جنرل یحییٰ خان کی منظور نظر خواتین میں شامل تھی وہ جنرل رانی سے زیادہ حسین تھی۔ دونوں میں رقابت کا جذبہ تھا۔ یحییٰ خان دونوں کی موجودگی میں ان کی نوک جھونک سے خوب لطف اندوز ہوتے تھے۔ یحییٰ خان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے جنرل رانی کو خوش کرنے کے لئے اس کی سفارش پر کئی ٹھیکے دینے کے علاوہ، کئی بڑے افسروں کی تقرریاں اور برطرفیاں کیں اور اسے ایک فلم بنانے کے لئے لاکھوں روپے دیئے۔ یحییٰ خان اب منوں مٹی تلے جا چکے ہیں جبکہ جنرل رانی ٹوٹے پھوٹے مکان میں چارپائی پر لیٹی گئے دنوں کو یاد کرتی رہتی ہے۔

اداکارہ عندلیب جس پر اس کے عاشق حنیف گھمن نے سیالکوٹ میں تیزاب انڈیل دیا تھا کے بارے میں مبینہ طور پر پتہ چلا ہے کہ وہ یحییٰ خان کی ناجائز اولاد ہے۔ عندلیب کی والدہ مسز آغا کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ اس کی دوستی یحیی خان کی محبوبہ جنرل رانی سے تھی۔ جنرل رانی سے دوستی کا دم بھرنے والے جنرل یحییٰ اور دیگر کئی بیوروکریٹس اور سیاست دان بھی مسز آغا اور اس کی رشتہ دار مون کی ''ڈیمانڈ'' کرتے تھے۔ مسز آغا نے بھی لو میرج کی مگر یہ شادی پائیدار نہ رہی۔ شادی سے قبل مسز آغا کا جنرل رانی کے ڈیرے پر آنا جانا تھا۔ یحییٰ خان جب بھی جنرل رانی کے ڈیرے پر جاتے اس کی ملاقات مسز آغا سے ہوتی تھی۔ دونوں میں دوستی بڑھی۔ اکثر دونوں اکٹھے دیکھے جاتے۔ مسز آغا اکثر محفلوں میں یہ کہتی سنی جاتی کہ جنرل رانی میری بہن ہے اور یحییٰ خان میرا سب کچھ اور میں کسی سے



جب پاکستان ٹوٹ رہا تھا —— نورجہاں اور یحییٰ خان ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے ہوئے

نہیں ڈرتی۔ یحییٰ خان کے قریبی حلقے عندلیب کی پیدائش پر استفسار کرتے نظر آئے کہ یہ بیٹی شوہر سے ہے یا یحییٰ خان کا گناہ ہے۔

یحییٰ خان کی رنگ رنگیلی زندگی کا یہ واقعہ تو شہرت دوام حاصل کرچکا ہے کہ مشہور فلمسٹار ترانہ صدر یحییٰ خان سے ملنے گئی۔ تو دربانوں نے روک لیا اور خاصی دیر بحث کرنے کے بعد اندر جانے کی اجازت دی مگر جب وہ باہر آئی تو ڈیوٹی پر موجود لوگوں نے اسے سلیوٹ مارا۔ پوچھا گیا کہ جاتے ہوئے تو یہ کارروائی نہیں کی گئی تو وہ لوگ یک زبان بولے کہ جناب پہلے آپ صرف فلمسٹار ترانہ تھیں۔ مگر اندر ہو آنے کے بعد آپ "قومی ترانہ" بن چکی ہیں۔

یحییٰ خان کی شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے مغربی جرائد نے لکھا تھا:

"ہر شخص مختلف طریقے سے ناشتہ کرتا ہے' انگریز انڈے اور سور پسند کرتا ہے۔ جرمن ساس پسند کرتے ہیں مگر یحییٰ خان زنا پسند فرماتے ہیں۔"

پاکستان کی سیاسی تاریخ کے سب سے بڑے متنازعہ کردار سابق صدر جنرل یحییٰ خان کی وفات کے 19 برس بعد ان کی ذاتی ڈائری "امریکی سی آئی اے" اور محکمہ خارجہ کی دستاویزات کے علاوہ پاکستان کے مختلف اداروں کے پاس محفوظ خفیہ رپورٹس پر مشتمل کتاب "جنرل یحییٰ خان —— شخصیت اور سیاسی کردار" میں اس سازش کو بے نقاب کیا گیا ہے جو ملک توڑنے کے لئے تیار کی گئی تھی اور جس کے کردار پاسند سلاسل ہونے کے

بجائے اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھے بچے کھچے ملک کو تباہ کرنے میں مصروف ہیں۔ کتاب کے مصنف منیر احمد کا تعلق ایک امریکی خبر رساں ادارے سے ہے اور انہوں نے ثابت کیا ہے کہ پاکستان توڑنے کی سازش امریکی سی آئی اے اور اندرا گاندھی نے کی تھی جس پر عمل در آمد کے لئے سیاست دانوں اور جرنیلوں کو استعمال کیا گیا۔ کتاب میں ان کرداروں کی ایک لمبی فہرست موجود ہے۔ یحیٰ خان کی ذاتی ڈائری ان کے صاحبزادے علی یحیی خان کے پاس محفوظ تھی جسے انہوں نے اپنے والد کی وصیت کے مطابق اوپن کر دیا ہے۔

معروف صحافی منیر احمد "جنرل یحیٰ خان' شراب' عورت اور ٹوٹتا بنتا پاکستان" کے عنوان سے لکھتے ہیں:

"جنرل یحیٰ خان شراب پیتے تھے مگر وہ بھٹو اور شیخ مجیب الرحمان دونوں کو کبھی کبھار ساتھ بیٹھا کر بھی پی لیا کرتے تھے چونکہ ذوالفقار علی بھٹو کو معلوم تھا کہ یحیٰ کے شوق کس قسم کے ہیں اس لئے وہ لاڑکانہ میں یحیٰ خان کو شکار کھلوانے کے ساتھ ساتھ دوسرے لوازمات سے بھی ان کی سیوا کیا کرتے تھے۔ یہ ذکر اس دور کا ہے جب شراب کھلے عام فروخت ہوتی تھی' قحبہ خانے کھلے عام چلتے تھے' ہوٹلوں میں گانے بجانے اور جسم فروشی کا کاروبار کھلے عام ہوتا تھا اور یہ درست ہے کہ اسلام ان تمام برائیوں کی ممانعت کرتا ہے مگر شراب فروخت کرنے اور خریدنے الوں کو ممکن ہے رشوت لینے کے لئے تو پکڑ لیا جاتا ہو مگر انہیں اس لئے بہت ہی کم پکڑا جاتا تھا کہ وہ قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اس طرح عیاشی 1960ء کی دہائی میں ہمارے کلچر کا حصہ بن چکی تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حکمران طبقہ غیر محسوس انداز میں پاکستان کو Sex Free Society کی طرف لے کر جا رہا ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے اسلامی قوانین اس لئے نافذ نہیں کئے تھے کہ ان پر راتوں رات اسلام کی رحمتیں نازل ہو گئی تھیں بلکہ ایسا انہوں نے محض اقتدار بچانے اور مولوی حضرات کو خوش کرنے کے لئے کیا تھا۔ بھٹو موحوم نے شراب پر پابندی تو لگا دی لیکن شراب کی خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رہا۔ ذوالفقار علی بھٹو اور ان کی کابینہ کے اکثر ارکان شراب پیتے تھے اور صرف سیاست دانوں پر ہی کیا موقوف' بڑی تعداد میں سول اور ملٹری بیورو کریسی سے تعلق رکھنے والے افراد بھی یہی شغل فرماتے تھے لیکن ان تمام افراد

کی مے نوشی کے قصے اس لئے زبان زدعام نہ ہوئے کہ انہیں پینے کا سلیقہ آتا تھا۔ سوائے چند ایک نوجوان حضرات کے جن میں غلام مصطفیٰ کھر بھی شامل تھے، جب غلام مصطفیٰ کھر گورنر بنے تو وہ شراب پی کر لاہور میں گورنر ہاؤس کے کمروں اور وسیع و عریض سبزہ زار میں غل غپاڑہ مچا دیا کرتے تھے، اور وہ حسین و جمیل خواتین کے ساتھ جس طرح تفریحی لمحات گزارتے تھے وہ اپنی جگہ ایک حقیقت اور تاریخ کا حصہ ہے۔ اسی طرح سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ جام صادق شراب نوشی کے حوالے سے بدنام اس لئے ہو گئے کہ وہ سب کے سامنے پیتے تھے اور کہتے تھے کہ "میں شرابی ہوں منافق نہیں ..... ہاں میں پیتا ہوں اور ڈٹ کر پیتا ہوں۔" یہی کچھ حال جنرل یحییٰ خان کا بھی تھا جو پیتے تھے اور ڈٹ کر پیتے تھے وہ شراب پیتے نہیں تھے بلکہ شراب میں نہاتے تھے۔ اور ان کی یہی حرکت نہ صرف ان کے اپنے لئے بلکہ ان کے خاندان کے لئے بھی رسوائی کا سبب بنی۔ ایک مرتبہ موصوف نے ایک برادر اسلامی ملک ایران کے دورے کے دوران اس قدر شراب پی لی کہ ایوان صدر کے عملے کو جہاز دو گھنٹے تک محض اس لئے فضا میں محو پرواز رکھنا پڑا کہ صدر محترم کا نشہ اتر جائے۔

ایوان صدر میں جنرل یحییٰ خان عموماً رات گئے خصوصی محفل سجایا کرتے تھے اور مے نوشی کے ساتھ ساتھ وہ خوبصورت حسیناؤں سے بھی دل بہلاتے رہتے تھے۔ انہی خواتین میں ایک اداکارہ ترانہ بھی تھی جو بلاشبہ خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھی۔ جنرل یحییٰ خان ایوان صدر میں اداکارہ ترانہ کی فرمائش پر کبھی کبھار مستی میں قومی ترانہ بھی سنا دیا کرتے تھے اور فی الحقیقت اس دوشیزہ کا ایوان صدر میں "ترانہ بجتا تھا" یعنی وہ اس قدر اثر و رسوخ کی مالک تھی کہ اہم عہدوں پر فائز حضرات بھی اس کی خوشامد کرتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں اس کی شان میں ان سے کوئی بے ادبی نہ ہو جائے۔ ترانہ صاحبہ خوبصورتی میں تو اپنی مثال آپ تھی ہی لیکن ان کے گلے کے نزدیک قدرتی طور پر چھوٹا سا گڑھا بنا ہوا تھا اور یحییٰ خان وہاں شراب انڈیل کر پیا کرتے تھے۔ اسی طرح کی ایک اور خاتون مسز کے ایم حسین بھی تھیں جن کا تعلق بنگال سے تھا اور وہ بلیک بیوٹی کے نام سے مشہور تھیں۔ چونکہ مسز کے ایم حسین کو ایوان صدر میں کبھی کبھار آنے کے لئے اپنے شوہر سے "

بہانہ" کرنا پڑتا تھا اس لئے صدر محترم نے ان کے میاں صاحب کو سوئٹزرلینڈ میں سفیر بنا کر بھیج دیا۔ ایک مرتبہ مسز کے ایم حسین کا ایک مالیاتی ادارے PICIC کے سربراہ سعید احمد کے ساتھ جھگڑا ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ بلیک بیوٹی نے کسی کی سفارش کی ہو گی اور سعید احمد نے اس پر غور نہیں کیا ہو گا۔ نتیجتاً" بلیک بیوٹی نے یحییٰ خان سے اس کی شکایت کر دی۔ بس پھر کیا تھا راتوں رات سعید احمد کو پیغام دیا گیا کہ پنڈی پہنچو اور استعفیٰ دے دو۔ آخر کار سعید احمد نے تحریری طور پر معذرت کی اور اس معذرت نامہ پر یحییٰ خان نے اپنے ہاتھ سے لکھا "نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی........"

مسز کے ایم حسین کے بھارتی سفارت کاروں کے ساتھ بھی تعلقات تھے اور انٹیلی جنس کو بہت بعد میں پتہ چلا کہ وہ را کے لئے کام کرنے کے علاوہ سی آئی اے کے لئے بھی خدمات انجام دے رہی تھی۔ جہاں تک اداکارہ ترانہ کا تعلق ہے وہ فوج کی ایک انٹیلی جنس ایجنسی کے لئے کام کرتی تھی۔ یحییٰ خان کا قرب حاصل کرنیوالی خواتین میں سب سے زیادہ بدنام جنرل رانی ہوئیں جو گجرات سے تعلق رکھتی تھی اور ان کا اصل نام اقلیم اختر تھا۔ اقلیم اختر عرف رانی کو جنرل رانی کا خطاب خود یحییٰ خان نے دیا تھا کیونکہ وہ بہت تیز اور ہاتھ چھٹ خاتون تھیں۔ بڑے بڑوں کی بے عزتی کر دینا ان کے لئے معمول کا کام تھا۔

یحییٰ خان کے فرزند علی یحیی خاں نے ماضی کے جھروکوں میں جھانکنا شروع کیا تو تاریخ ایک نئی شکل لے کر میرے سامنے آ گئی۔ علی یحیی خان نے اپنے والد کی زندگی کے اوراق سے پردہ اٹھانے سے قبل پہلے جی بھر کے بھٹو کو گالیاں دیں اور پھر بولے "تمہیں یاد ہے کہ اس شو...... (بھٹو) نے میرے والد کو ساڑھے پانچ سال گھر اور بوسیدہ عمارتوں میں نظر بند رکھا۔ اگر بھٹو نے حمود الرحمان کمیشن رپورٹ شائع نہیں کرنا تھی تو پھر اس نے یہ کمیشن بٹھانے کا ڈرامہ کیوں رچایا تھا؟" یہ د...... کا بچہ میرے والد کو قائد اعظم ثانی کہتا تھا مگر یہ حرامی سب کچھ بھول گیا۔ خود مجھے بھٹو اکثر کہا کرتا تھا کہ علی تم میرے دوست ہو' علی تم میرے بھائی ہو لیکن میں نے اس پر کبھی اعتبار نہ کیا کیونکہ میں اس کے پورے خاندان کو اچھی طرح جانتا تھا۔ شاید آپ کو علم نہ ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ بھٹو کی والدہ کے شاہ نواز سے پہلے نہرو کے والد کے ساتھ خصوصی روابط تھے اور یہ وہ حقائق ہیں جن کو جھٹلایا نہیں

جا سکتا۔ شاہ نواز بھٹو کو بھی نہرو خاندان کے بعض افراد کے ساتھ خصوصی مراسم رکھنے والی خوبصورت لکھن بائی پسند آ گئی اور انہوں نے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ پھر شاہ نواز نے لکھن بائی سے شادی بھی کر لی لیکن کبھی ہو سکے تو دیکھنا کہ بھٹو کا چہرہ کسی طور پر نہرو کے ساتھ ملتا ہے۔ خود بھٹو کا ان کی والدہ نے نام "گھاسی رام" رکھا تھا جبکہ ذوالفقار علی بھٹو کا نام انہیں اس وقت ملا جب ان کی والدہ نے اسلام قبول کر لیا۔ مجھے بھٹو سے کبھی بھی دوستی کا شوق نہ تھا کیونکہ وہ اس قدر جھوٹ بولتا تھا کہ خدا کی پناہ!

بھٹو نے اقتدار حاصل کرتے ہی اپنی اصلیت ظاہر کر دی۔ اس نے ہمارے خاندان کو انتقام کا نشانہ بنایا اور میڈم رانی کو میرے والد کے ساتھ نتھی کر دیا حالانکہ میڈم رانی کا تعارف بھٹو نے خود میرے والد سے یہ کہہ کر کرایا تھا کہ "یہ خاتون میری اچھی والدہ ہیں۔" اکتوبر 1971ء میں میری شادی ہوئی، ہم نے بھٹو کو دعوت نہیں دی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ شادی سے چند دن پہلے گھر آ گیا اور بولا "سر! میرے بھتیجے کی شادی ہے اور مجھے مدعو نہیں کیا گیا۔ یہ بڑی زیادتی ہے۔" جس پر والد صاحب نے کہا کہ ملک کے حالات خراب ہیں اس لئے شادی دھوم دھام سے نہیں منائی جا رہی، بہرحال تم آ جانا۔ لیکن شادی کی تقریب میں بھٹو شراب پی کر غل غپاڑہ کرتے رہے اور ایک جرنیل کو دیکھ کر انہوں نے کہا کہ "اے جنرل! سنو، تم نے مجھے سلام کیوں نہیں کیا۔" وہ جنرل ہکا بکا رہ گیا۔ کیونکہ بھٹو کا انداز شرم ناک تھا اور وہ تقریب کو خراب کر رہے تھے۔ میں نے بھٹو کو کہا کہ زلفی تمہیں سلام کرنا ہر کسی کے اوپر لازم نہیں ہے جس پر وہ بولے "ہر کسی پہ لازم ہو یا نہ ہو لیکن کم از کم اس ..... کو مجھے سلام کرنا چاہئے کیونکہ کل رات اس کی بیوی میرے بستر میں تھی۔"

شادی کی تقریب ختم ہوئی تو اگلے دن والد صاحب نے مجھے بلا کر کہا کہ بھٹو اور جنرل ..... کے درمیان کل رات کس بات پر جھگڑا ہوا تھا۔ میں نے تفصیل بتائی تو والد نے کہا "اس حرامی کے بچے کو آئندہ کبھی اپنے خاندان کے کسی فنکشن میں مدعو نہ کرنا۔" "یہ ..... کا بچہ دوسروں پر گندگی اچھالتا ہے اور اسے یہ خبر نہیں کہ اس کی اپنی بیوی کل کس کے ساتھ تھی۔"

معروف قلمکار جناب سلطان شاہد اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: "یحییٰ خان' اس لحاظ سے عجیب تھا کہ اسے موٹی عورتیں بہت پسند تھیں۔ چنانچہ نور جہاں اور "جنرل" رانی اس کی محفلوں کی جان تھیں اور سب پر چھائی ہوئی تھیں۔ نور جہاں تو خیر اپنے گداز بدن کے ساتھ اپنے گلے کے سوز سے بھی یحییٰ خان کا جی بہلا سکتی تھی اور "سیونی میرا ماہی میرے بھاگ جگاون آگیا' مینوں ہیر بناون آگیا" گا کر اس جرنیلی رانجھے کو بہت اونچی ہواؤں میں اڑا سکتی تھی لیکن "جنرل" رانی اس صفت یا خصوصیت سے محروم تھی البتہ وہ سپلائر اچھی تھی اور اس کے سٹاک سے ہر قسم کی لڑکیاں دستیاب ہو سکتی تھیں۔ وہ خود بھی خاصی موٹی عورت ہونے کے باعث یحییٰ کو مرغوب تھی۔ اس معاملہ میں یحییٰ خاں عمر کی کوئی پرواہ نہیں کرتا تھا اور پاکستان کے بعض دوسرے حکمرانوں کے عین برعکس اس نے حسن و کم سنی پر کبھی زور نہیں دیا۔ اس کا پیمانہ گداز بدن ہی رہا جو عرف عام میں موٹاپا کہلاتا ہے۔"

گداز بدن پسند کرنے کا ذوق بہت سے مردوں میں ہوتا ہے لیکن یحییٰ خاں میں یہ ذوق انتہا پر تھا۔ کسی سکھ سردار سے پوچھا گیا تھا کہ آپ کو کون سا پھول پسند ہے؟ اس نے جواب دیا گوبھی کا پھول کیونکہ اس سے ہنڈیا بھر جاتی ہے۔

ممکن ہے کہ اگر یحییٰ خاں سے پوچھا جاتا کہ آپ کو موٹی عورتیں کیوں پسند ہیں؟ تو وہ جواب دیتا "موٹی عورت سے گود بھر جاتی ہے۔"

مدیر "آتش فشاں" منیر احمد منیر نے راؤ عبدالرشید کے انٹرویو پر مشتمل اپنی کتاب "جو میں نے دیکھا" میں یحییٰ خاں سے متعلق جو گفتگو شائع کی ہے' سوال و جواب کی شکل میں اس کا ایک اکتساب ملاحظہ فرمائیں۔

سوال: جنرل آغا محمد یحییٰ خاں نسیم حجازی کے ناولوں کے بالکل برعکس محمد شاہ رنگیلے کی طرح دشمنوں کی فوجوں کو طبلے کی تان سے اڑانا چاہتے تھے۔ سنا ہے کہ شمشیرو سناں کے اس دور میں بھی وہ "طاؤس و رباب اول' طاؤس و رباب آخر" میں غرق رہے۔ آپ انٹیلی جنس میں تھے آپ کو زیادہ پتہ ہو گا؟

جواب: جب حالات خراب ہو رہے تھے ایسٹ پاکستان میں مکتی باہنی والے روز بروز حالات بگاڑ رہے تھے۔ لوگ سوچ رہے تھے کہ یہ حالات کس طرح سے ٹھیک ہوں گے۔ ان کا

حل کیا ہو گا؟ اس دوران میں یحییٰ خاں کا پشاور میں بنگلہ تیار کیا گیا۔ وہ مکان تو ان کا تھا لیکن اس پر پیسے سارے سٹینڈرڈ بینک کے لگ رہے تھے اور سٹینڈرڈ بینک پشاور کے مینجر صاحب اسے بنوا رہے تھے۔ پروگرام یہ تھا کہ جب بنگلہ تیار ہو جائے تو بینک اس کو کرائے پر لے لے گا۔ اس طرح سے جنرل صاحب کی ہینگ لگی نہ پھٹکری' مکان تیار تھا۔ فرنیچر' ایئرکنڈیشنز' فٹنگز وغیرہ سب کچھ ہو گیا پھر پروگرام بنا کہ اس کا افتتاح کیا جائے۔ یہاں پارٹی ہو۔ میری سرکاری رہائش گاہ بالکل ان کے سامنے تھی۔ جب اس فنکشن کی تیاریاں شروع ہوئیں سب سے پہلے ایسے محسوس ہوا کہ پاکستان کے جتنے کنجر اور دلے ہیں وہ مع اپنے اہل وعیال کے یہاں پہنچ گئے ہیں۔ کسی نے کسی ریسٹ ہاؤس پر قبضہ کر لیا اور کسی نے کسی ریسٹ ہاؤس پر اس کے علاوہ جو جنرل یحییٰ خاں کے مخصوص لوگ تھے وہ سارے آ گئے۔

سوال: بعض فلم ایکٹریسوں کے نام بھی لئے جاتے ہیں مثلاً ترانہ وغیرہ

جواب: بہرحال جو لوگ بھی تھے اس کے بعد جنرل یحییٰ آئے۔ جنرل حمید بھی ان کے ساتھ آئے۔ نہ گرمیاں تھیں نہ سردیاں تھیں۔ سوئمنگ پول کے سامنے رات کے ایک' دو' تین بجے تک شراب وغیرہ چلتی رہی۔ بڑا ہاؤ ہو ہوتا رہا۔ سرچ لائٹیں لگی ہوئی تھیں۔ وہاں پشاور کا ایک جرمن جوڑا تھا وہ آدمی لکڑی کی صنعت کاری کا ایکسپرٹ تھا۔ اسے انہوں نے پاکستان میں لگایا ہوا تھا۔ اس کی بیوی بڑی خوبصورت تھی۔ ان کے متعلق مشہور یہ تھا کہ وہ سی آئی اے کی جاسوس ہے اور اس کا یہی کام ہوتا تھا کہ ہر اس محفل میں' خاص طور پر فوجیوں کی پارٹی میں کسی نہ کسی طرح ضرور پہنچ جاتی تھی۔ چونکہ خوبصورت عورت تھی۔ وہ ہر جگہ ویلکم ہوتی تھی۔ وہ ایک طرح کا پاسپورٹ تھا۔ چنانچہ وہ محترمہ جنرل یحییٰ خاں صاحب کی پارٹی میں نہ صرف موجود تھی بلکہ یحییٰ خاں کی باقی جو دوست احباب تھیں ان سب میں سب سے زیادہ خوبصورت تھی۔ ویسے بھی ویسٹرن تھی۔ ڈکن (Dikknh) پمن کے ان کے ساتھ نہا رہی تھی۔

سوال: یحییٰ خاں کے مکان کی افتتاحی تقریب کی بات ہو رہی تھی۔

جواب: ہاں پھر یہ ہوا کہ یحییٰ خاں صاحب پتہ نہیں رات کو سوئے یا نہیں سوئے لیکن چار بجے صرف انڈر ویئر میں باہر نکل آئے۔ نشے میں بالکل دھت تھے۔ انہوں نے حکم دیا

گاڑی تیار کرو۔ میں اسی وقت راولپنڈی جاؤں گا۔ متعلقہ سٹاف کے لوگ بیچارے بڑے پریشان۔ انہوں نے کہا جی ابھی گاڑی منگواتے ہیں۔ انہوں نے ایس ایس پی کو فون کیا ایس ایس پی نے ڈی آئی جی کو فون کیا کہ پریذیڈنٹ صاحب تو راولپنڈی جانے کے لئے تیار ہیں اور برآمدے میں ننگے کھڑے ہیں یحیٰی خاں کے کمرے میں ایک محترمہ تھیں۔ انہوں نے تھوڑا تھوڑا دروازہ کھول کر انہیں واپس بلانے کی کوشش کی لیکن وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح تھے۔ پتہ نہیں وہ اس محترمہ سے کس بات پر ناراض ہو گئے تھے۔

سوال: وہ محترمہ ان کے خاص مہمانوں میں سے کوئی تھیں؟

جواب: جی ہاں! یحیٰی خاں کے گھر کی کوئی محترمہ ابھی وہاں نہیں آئی تھیں۔ ابھی تو اس گھر میں اوپننگ سریمنی (افتتاحی تقریب) ہو رہی تھی۔ بہرحال اس محترمہ نے کوشش کی لیکن جناب جنرل صاحب بضد تھے کہ میں اسی وقت جاؤں گا۔ پھر یحیٰی خاں صاحب کی ایک اور منظور نظر کو فون کیا گیا۔ اور وہ بڑی منت سماجت کر کے ان کو اندر لے گئیں۔ اس طرح سے کرائسس (بحران) جو تھا وہ ختم ہوا۔ ایسٹ پاکستان کا کرائسس تو کوئی کرائسس نہیں تھا۔ اصل کرائسس جو تھا وہ یہ تھا کہ یحیٰی خاں کو ننگا دھڑنگا کس طرح سے پنڈی لے جایا جائے تو وہ کرائسس بڑی مشکل سے بہرحال ٹل گیا۔

سوال: وہ محترمہ جنہیں رات کے ساڑھے چار بجے فون کر کے بلایا گیا وہ صدر جنرل آغا یحیٰی خاں کو راضی کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ وہ کون تھیں؟

جواب: کوئی سینئر افسر ہی تھا۔ اس کی بیوی تھیں۔

سوال: شاہ ایران نے ایرانی بادشاہت کا جب ڈھائی ہزار سالہ جشن منایا وہاں سنا ہے کہ یحیٰی خاں اتنے وحشت ہوئے کہ ان کا وردی میں ہی پیشاب نکل گیا۔

جواب: جی ہاں! ویسے تو ان کے بے شمار قصے ہیں۔

سوال: مثلاً؟

جواب: مثلاً یہ کہ جب ایک دفعہ ایران کے دورے پر گئے۔ جہاز میں انہوں نے اتنی پی لی کہ چل نہیں سکتے تھے۔ کوئی گھنٹہ پون گھنٹہ جہاز فضا میں گھومتا رہا کہ ان کا نشہ تو اترے تاکہ چلنے کے قابل ہوں پھر جہاز اتارا جائے۔ بہرحال بہت سارے قصے مشہور ہیں۔"

معروف دانشور اور صاحب طرز ادیب جناب مختار مسعود "یحییٰ خان کے اعصاب" کے بارے میں اپنے منفرد اسلوب میں لکھتے ہیں:

"اس دو روزہ زندگی میں ایک سہ روزہ تقریب کے لئے اتنے انتظامات کئے گئے تھے کہ سات سال گزرنے کے بعد بھی دیکھنے والا دنگ رہ گیا۔ جو لوگ شاہی ضیافت میں شرکت کے لئے جمع ہوئے تھے' ان میں دو چار بادشاہ' پانچ دس صدر بیس وزیر اعظم' سو پچاس وی وی آئی پی اور بے شمار وی آئی پی تھے۔ مہمانوں میں شامل ایک صدر کا نام یحییٰ خاں تھا اور ایک شہزادی کا نام گریس تھا۔ استقبالئے میں یہ دونوں ایک ہی صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ شہزادی صاحبہ کا شاہی لباس اوپر سے کھلا تھا۔ شانہ نظر آتا تھا۔ صدر یحییٰ نے کاندھے پر ہاتھ پھیر کر دیکھنا چاہا کہ ہالی وڈ کی سابق فلم اسٹار گریس کیلی کی جلد واقعی اتنی شفاف اور ملائم ہے جتنی نظر آتی ہے یا نشے کی وجہ سے ان کی آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں۔ بھلے وقتوں میں آغا جان نسوانی جلد کی پرکھ کے نامور ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ عمر بڑی ہو گئی' عہدہ بہت بڑا ہو گیا' بری عادات نے پھر بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ انہوں نے ہم نشیں کے جسم کو چھو لیا۔ یہ تجسس ماہرانہ بے اختیاری کا نمونہ تھا مگر گریس صاحبہ کو ہمارے صدر کی یہ معصوم اور بے ضرر حرکت ناگوار گزری۔ وہ فلم ہائی سوسائٹی کی ہیروئن تھی۔ پچھلے پندرہ برسوں سے منا کو کے شہزادہ کی ملکہ کی حیثیت سے ہائی سوسائٹی کے تمام آداب سے واقف تھی۔ اس نے غصہ بھری نگاہ ڈالی۔ پہلو بدلا اور ہم نشین کی طرف پشت کر لی۔ بات یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ اسے طول دیتے ہوئے محترمہ نے اپنی شال منگائی اور کاندھوں پر ڈال لی۔ یہ ظاہر کرنے لگیں کہ وہ اس صوفے پر اٹھ کر کہیں اور جانے کی تیاری کر رہی ہیں۔ میرے احباب میں ایک سفارتی آداب کے ماہر ہیں۔ ان کے مطابق شہزادی گریس کا رویہ انتہائی توہین آمیز تھا۔ فلم ایکٹریس نے پاکستان' صدر پاکستان اور یحییٰ خان تینوں کی توہین کی تھی۔ کہاں وہ چھ مربع میل کی نام نہاد ریاست' کہاں وہ علاقہ زیر حمایت فرانس' اور کہاں مشرقی اور مغربی پاکستان پر مشتمل دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت' پاکستان میں اس واقعے کی اطلاع سے غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ رنج و غم مغربی پاکستان کے حصہ میں آیا اور غصہ و غضب مشرقی پاکستان کے غصے میں لوگ کیا کچھ نہیں کرتے۔ مشرقی پاکستان والے

کہنے لگے کہ جس ملک اور اس کے صدر کا یہ حال ہو کہ منا کو کی ریاست کے آگے ہتھیار ڈال دے' اس میں شامل رہنے سے خود کشی کر لینی بہتر ہے۔ بس یہ کہا اور مشرقی پاکستان کا نام بنگلہ دیش رکھ دیا۔ میں ریشمی خیمہ گاہ کے دروازہ کے نزدیک ایک صوفے پر بیٹھ گیا اور دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ جب یہاں جشن منایا گیا تھا' ان دنوں خزاں کا موسم تھا۔ اس سال پاکستان میں خزاں بڑے زوروں پر تھی۔ آدھا چمن جل کر خاک ہو گیا۔ صدر پاکستان اور چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر جناب یحیٰی خان تھے۔ ان کی پیشانی پر بل تک نہیں پڑا۔ وہ تاریخ کی طرف پشت کئے کھڑے بلکہ لیٹے رہے۔ ان کے یہاں ہر روز' روز عید تھا اور ہر شب' شب برات وہ اس خیمہ بستی میں جو شہرت چھوڑ گئے ہیں' اسے یاد کر کے وحشت ہوتی ہے۔ یہاں کئی ایسے سربراہان ریاست اور حکومت موجود تھے جو مشرقی پاکستان کی تیزی سے بگڑتی ہوئی صورت حال کے بارے میں صدر پاکستان کو مشورہ دینا چاہتے تھے۔ ادھر صدر یحیٰی خان کی حالت بالکل غیر تھی۔ نہ دماغ ساتھ دے رہا تھا اور نہ ان کا مثانہ' میزبان نے بات کرنی چاہی تو اسے جھڑک دیا۔ روس کے صدر پوڈگورنی نے دھمکی دی تو اسے پی گئے۔ یوگو سلاویہ کے صدر اور غیروابستہ اقوام کے رئیس سے ملاقات کے لئے وقت پر لباس پہن کر تیار نہ ہو سکے۔ سچی بات یہ ہے کہ تیار ہو گئے تھے مگر مثانہ کی کمزوری کی وجہ سے عین وقت پر پتلون گیلی ہو گئی۔ جتنی دیر یحیٰی خان نے نہانے اور لباس تبدیل کرنے میں لگائی' اتنی دیر میں مارشل ٹیٹو نے مشرقی پاکستان کے مستقبل کے بارے میں اپنی رائے تبدیل کر لی۔

بحریہ کے ایک افسر جو موقع کے گواہ ہیں' جشن کے قصے سنا رہے تھے۔ کہنے لگے جب بات لوگوں کی زبان پر چڑھ جائے تو سچائی پس منظر میں چلی جاتی ہے اور روایت پر سب ایمان لے آتے ہیں۔ مثلاً یہ مشہور ہو گیا ہے کہ شاہی ضیافت کے دوران صدر پاکستان کا پیشاب خطا ہو گیا تھا۔ یہ بات بالکل غلط ہے لوگ مارشل ٹیٹو سے ملاقات اور ضیافت والے واقعے کا فرق نہیں جانتے۔ میں آپ کو تفصیل سناتا اور جائے واردات کی نشاندہی کرتا ہوں۔ شامیانہ کے صدر دروازہ کے ساتھ جہاں مہمانوں کی موٹریں آ کر رکتی تھیں' وہاں گھاس کا ذرا سا قطعہ ہے جس میں پام کے چھوٹے چھوٹے چند پودے لگے ہوئے ہیں۔

شب بھر کی بلانوشی کے بعد ضیافت ختم ہوئی۔ صدر پاکستان دروازے پر مہمانوں کے ہجوم میں شامل ہو گئے۔ وہ جیب میں ہاتھ ڈالے اپنی موٹر کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے جب انہیں اندازہ ہوا کہ موٹروں کی قطار بہت طویل اور رفتار بہت ست ہے اور انہیں دیر تک انتظار کرنا ہو گا تو وہ پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ادھر روشنی اور ادھر بھی روشنی۔ ادھر کیمرے کی آنکھ' ادھر مہمانوں کی نظریں۔ گھاس کے قطعے میں صرف دو چار پودے اور ہر ایک کے پیچھے حفاظتی عملے کا کارکن چھپا ہوا۔ یحیٰی خاں کو داد دینا چاہئے۔ اس کا مثانہ لاکھ کمزور سہی مگر اس کے اعصاب بڑے مضبوط تھے۔ جونہی بات برداشت کی حد تک پہنچی اور اسے پار کرنا چاہا' وہ بڑے وقار اور سکون کے ساتھ ٹہلتے ہوئے گھاس کے قطعہ میں داخل ہوئے۔ ایک پام کی طرف منہ کر کے پتلون کے بٹن کھولے اور اس کی آبیاری میں مصروف ہو گئے۔ ایسی آبپاشی سے سوائے نہال غم اور کون سا پودا ہے جو سرسبز ہو سکتا ہے۔ ہکا بکا شاہی مہمانوں نے منہ پھیر لیا۔ پاکستانی عملے پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اور یہ پانی ناصاف اور ناپاک تھا۔"

کتنے مغرور شہنشاہوں کی تسکیں کے لئے

جنرل یحیٰی جو سربراہ مملکت رہنے کے ساتھ ساتھ ایک عزت دار خاندان سے تعلق رکھتے تھے گناہوں کی دلدل میں اس قدر دھنس چکے تھے کہ انہیں اپنے گناہوں کے نقصانات کی کوئی ہوش نہیں تھی۔ موجودہ دور کی ایک دلربا اور سینکڑوں تماش بینوں کے دلوں کی دھڑکن اداکارہ عندلیب کے بارے میں بھی انکشاف ہوا ہے کہ وہ جنرل یحیٰی خاں کی عیش پرستی کی ایک منہ بولتی زندہ و جاوید تصویر ہے۔ عندلیب کی والدہ مسز آغا جنرل رانی کے گروپ کی سرکردہ نازنینوں میں سے ایک تھی۔ جو ایک عرصہ تک ارباب بست و کشاد کے دلوں پر اپنے حسن کی بجلیاں گراتی رہی۔ جنرل رانی جسے مسز آغا اپنی بہن کہتی تھی' اس کے توسط سے اس کے تعلقات یحیٰی خان سے استوار ہوئے اور بہت جلد یہ تعلقات خصوصی مراسم میں بدل گئے۔ ان مراسم نے مسز آغا کو اتنا حوصلہ عطا کر دیا کہ وہ برملا کہا کرتی تھی کہ میرا سب کچھ صرف اور صرف یحیٰی خان ہے۔



ذوالفقار علی بھٹو

پاکستان کی سیاسی تاریخ میں سب سے زیادہ کامیاب سیاستدان ذوالفقار علی بھٹو کے کئی رومانوی قصے بھی مشہور ہیں۔ اپنے زمانے کی معروف شخصیت جو بنفس نفیس یحییٰ خان کی ویران راتوں میں رنگ بھرتی رہی جو بہت اچھی سپلائر بھی تھی اور ذوالفقار علی بھٹو کے عشرت کدوں میں بھی رونق افروز ہوتی رہی اور اپنی لڑکیوں کی عشوہ طرازیوں سے محفلوں کو گرماتی رہی۔ بھٹو شروع ہی سے خوبصورت لڑکیوں کے دلدادہ تھے۔

پاکستانی سیاست کا ایک متنازعہ ترین کردار جس نے شہرت کی بلندیوں کو چھوا اور پھر تاریکیوں کے تختہ دار پر چڑھ گیا۔ پاکستانی عوام میں ذوالفقار علی بھٹو قائد عوام بھی ہے اور فاشسٹ بھی۔ پہلا جمہوری وزیراعظم بھی اور کینہ پرور آمر بھی۔ مگر دو رخی رائے رکھنے کے باوجود آج بھی زیادہ تر پاکستانی سیاست دان ذوالفقار علی بھٹو کے انداز سیاست کو کاپی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن میں وہ سیاست دان یا ان کی اولادیں بھی شامل ہیں، جو بھٹو کو اس کی سیاسی حاضر جوابیوں کی بدولت شعبدہ باز اور مداری سیاست دان قرار دیتے تھے۔

سیاست میں ذوالفقار علی بھٹو کا مقام خواہ کتنا ہی اونچا ہو مگر ذاتی طور پر وہ صرف ایک "پلے بوائے" تھے۔ سیاست میں آنے سے قبل، اس کے دوران حتیٰ کہ بطور وزیراعظم

بھی ان کے کئی رومانوی قصے مشہور ہوئے۔ فیلڈ مارشل ایوب خان کے دور اقتدار میں بھٹو کا بمبئی کی ایک رقاصہ سے عشق ہوا۔ جس نے بعد میں نیوی کے ایک افسر سے شادی کر لی۔ جوانی میں جب اقتدار کے مزے ملے تو وجاہت اور ذہانت باہم مل کر بھی دل پر قابو نہ رکھ سکے۔ ایک واقعہ کے مطابق انہوں نے اس وقت کی ایک خوبصورت اداکارہ سے اظہار محبت کیا۔ بدنام زمانہ جنرل رانی بھی بھٹو کے لئے رنگین شاموں کا اہتمام کرنے کا ہمیشہ دعویٰ کرتی رہی۔ مشرقی پاکستان کے ایک اعلیٰ افسر کی مطلقہ حسنہ شیخ سے بھی بھٹو بہت متاثر تھے۔ دونوں کے "کارنامے" بہت مشہور ہوئے اور نوبت شادی تک پہنچ گئی۔ ذوالفقار علی بھٹو عاشقانہ مزاج رکھتے تھے۔ بمبئی میں وہ اداکارہ نرگس کے عشق میں مبتلا رہے۔ وہ گھنٹوں ان سٹوڈیوز کے چکر کاٹتے جہاں نرگس فلم کی شوٹنگ میں حصہ لے رہی ہوتی تھی۔ ان چکروں میں وہ اپنے بڑے بھائی سکندر علی بھٹو کے ہاتھوں کئی دفعہ پٹے۔

"زلفی" کے Nick Name سے مشہور ذوالفقار علی بھٹو کو بچپن میں "بوپا" کہا جاتا تھا وہ ایام طالب علمی سے ہی اپنی "منزل" کی تلاش میں نکل چکے تھے۔ 1934ء میں جب سر شاہنواز بھٹو بمبئی کے گورنر کی کابینہ میں شامل کئے گئے تو ذوالفقار کو بھی اس بڑے شہر کی



بیگم نصرت بھٹو

تعلیم گاہوں میں داخلے کا موقع ملا اور اس وقت ان کے دوستوں میں پیلو مودی' مشتاق علی' عمر قریشی اور جہانگیر شامل ہوئے۔

خوشحال گھرانے کے یہ چشم و چراغ بمبئی میں خوب خرمستیاں کرتے اپنا زیادہ تر وقت کرکٹ کھیلنے اور سینما دیکھنے میں صرف کرتے۔ ان کی زندگی تمام فکر سے آزاد تھی پیلو مودی اپنی یادداشت "زلفی مائی فرینڈ" میں لکھتے ہیں کہ "زلفی کو اچھی غذا' عمدہ شراب' قیمتی پوشاک اور خوبصورت لڑکیاں بہت پسند تھیں۔ انہیں اپنی پڑھائی کی زیادہ فکر نہیں تھی۔ 1945ء میں سینئر کیمرج کے امتحان سے بالکل اچاٹ ہو گئے تھے۔"

خوبصورت لڑکیوں میں ذوالفقار کی دلچسپی بعد ازاں خوب پروان چڑھی اور خوب نکھری۔

تیرہ سال کی عمر میں بھٹو کی پہلی شادی ان کی چچی زاد بہن شیریں سے ہوئی تھی شادی کے بعد شیریں کا نام امیر بیگم رکھا گیا۔ امیر بیگم ذوالفقار علی بھٹو کے چچا خان بہادر احمد خان بھٹو کی صاحبزادی تھیں۔ خان بہادر احمد خان بھٹو کی وفات کے بعد زلفی ان کی ایک تہائی جائیداد کے مالک بنے تھے۔ اپنی پہلی شادی کے بارے میں زلفی نے اپنی دوسری بیوی بیگم نصرت بھٹو سے کہا تھا کہ انہوں نے امیر بیگم سے شادی صرف دولت کی وجہ سے کی تھی۔ امیر بیگم میں انہیں کبھی کشش نظر نہیں آئی اور نہ کبھی ان کا دل امیر بیگم کی طرف راغب ہوا' جبکہ زلفی کی دوسری شادی کے وقت بھی امیر بیگم لاڑکانہ میں بھٹو خاندان کی آبائی حویلی جس کا نام بعد میں المرتضیٰ رکھا گیا' میں موجود تھیں۔ شادی کے وقت امیر بیگم اگرچہ زلفی سے عمر میں بڑی تھیں' مگر زلفی بھٹو امیر بیگم کے ساتھ سیر و تفریح (ہنی مون) کی غرض سے کشمیر گئے تھے۔ وہاں دونوں نے کافی دنوں تک قیام ---- کیا اس "تفریح" کے تمام اخراجات زلفی کے چچا خان بہادر احمد خان کو ہی برداشت کرنے پڑے تھے۔ زلفی کے قریبی دوستوں کا کہنا ہے کہ زلفی کا یہ کہنا کہ امیر بیگم کے ساتھ ان کے کبھی قریبی تعلقات نہیں رہے ہیں غلط ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کا جب بھی لاڑکانہ میں قیام رہا ہے وہ امیر بیگم کے ساتھ ہی رہے ہیں بلکہ اکثر و بیشتر امیر بیگم بھی لاڑکانہ سے کراچی آتی رہی ہیں۔ کچھ لوگوں کا تو یہ بھی کہنا ہے کہ بینظیر بھٹو کی پیدائش کے بعد امیر بیگم کے بطن سے بھی ایک

لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ مگر بھٹو خاندان اس بات کو تسلیم نہیں کرتا۔

جنرل ضیاء الحق کے ہاتھوں معزول ہونے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نواب محمد احمد خان قتل کے مقدمے میں جیل میں بند کر دیئے گئے جہاں شیریں امیر بیگم نے ان سے دو تین بار ملاقات کی اور ایک مشرقی عورت کی حیثیت سے اپنے شوہر کا ساتھ دیا۔ ممتاز بھٹو کے ایک انٹرویو کے مطابق بینظیر بھٹو نے شیریں امیر بیگم کو ان کی جائیداد سے محروم کر دیا ہے اور وہ اب کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہیں۔

5 دسمبر 1947ء کو ذوالفقار علی بھٹو اپنے دوست جہانگیر کے ساتھ یونیورسٹی آف ساورن کیلیفورنیا امریکہ حصول تعلیم کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہاں بھی ان کی رنگین مزاجیوں نے کئی گل کھلائے۔ کیلیفورنیا میں انہوں نے کئی توبہ شکن دوشیزاؤں کے ساتھ حسین شامیں گزاریں اور ان سے عہد و پیمان کئے۔ لاڑکانہ اور بمبئی میں قیام کے دوران ان کی رنگین مزاجی کی راہ میں خاندانی وقار' عزت و ناموس کی جو رکاوٹیں حائل تھیں وہ تمام امریکہ کی حدود میں داخل ہوتے ہی ختم ہو گئیں۔ یہاں ان کے نئے دوستوں کو ان کے شادی شدہ ہونے کا علم بھی نہیں تھا۔ صحت مند جسم پر عمدہ لباس' سر پر گھنگریالے بال اور چہرے پر ہلکی ہلکی مونچھوں نے ان کی شخصیت کو اور پرکشش اور جاذب نظر بنا دیا تھا۔ یہاں زلفی کی ملاقات سب سے پہلے مارگریٹ نام کی ایک خوبصورت دوشیزہ سے ہوئی۔ دونوں عرصہ تک ایک ساتھ لاس اینجلس کی سرمئی شاموں اور توبہ شکن راتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے' بعد میں مارگریٹ نے زلفی کے دوست سیکوالہ سے شادی کر لی اور پھر وہ ہمیشہ کے لئے اپنے شوہر کی وفادار بن گئی۔

سیکوالہ کی وساطت سے ہی زلفی کی ملاقات ایک دوسری دوشیزہ میری ایلن سے ہوئی۔ میری ایلن ایک نوجوان بیوہ تھی۔ زلفی کی اکثر شامیں اس کے فلیٹ میں ہی گزرتی تھیں۔ ایلن کی عمر اس وقت 25 سے 27 سال کے درمیان تھی جبکہ زلفی صرف 20 سال کے تھے مگر وہ اپنی اچھی صحت' پروقار شخصیت اور انگریزی لب و لہجہ کی وجہ سے اپنی عمر سے بڑے نظر آتے تھے۔ اگرچہ ایلن کی بھی کچھ مجبوریاں تھیں مگر وہ زلفی سے پیار کرنے لگی تھی۔

ایلین کے علاوہ زلفی کی خاتون دوستوں میں این' رینالڈ اور لیلی بختیار بھی تھیں۔ زلفی اپنی خاتون دوستوں کے ہمراہ سانتا مونیکا کے ساحل پر سیر کرنا پسند کرتے تھے۔ لیلی بختیار جو کہ بعد میں ڈاکٹر بختیار کے نام سے مشہور ہوئیں' کہتی ہیں کہ وہ (زلفی) مجھ سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ اظہار محبت کے طور پر انہوں نے مجھے ایک خوبصورت ساڑھی اور ایک گھڑی بھی تحفہ میں دی تھی۔ لیلیٰ بختیار کہتی ہیں کہ ہم دونوں اچھے دوست ضرور تھے مگر ایسے بھی نہیں کہ میں ان سے شادی کرتی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد بھٹو نے کراچی میں پریکٹس شروع کر دی اور عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ بر سر اقتدار جنرل سکندر مرزا کو ہر سال وہ لاڑکانہ میں شکار کی دعوت دیا کرتے تھے۔ ان کی تواضع شراب و کباب سے کرتے۔ ایک مرتبہ سکندر مرزا بری فوج کے کمانڈر انچیف ایوب خان کو بھی لاڑکانہ لائے اور شکار کھلانے کے علاوہ ذوالفقار علی بھٹو سے تعارف کرایا۔ دونوں پر بھٹو کی مہمان نوازی اپنا جادو چلا چکی تھی۔ اعلیٰ کھانے اور عمدہ قسم کی شرابیں اپنا اثر دونوں کے دلوں میں پیدا کر چکی تھیں۔ صدر سکندر مرزا نے انہیں کراچی کی میئر شپ پیش کی لیکن بھٹو نے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔

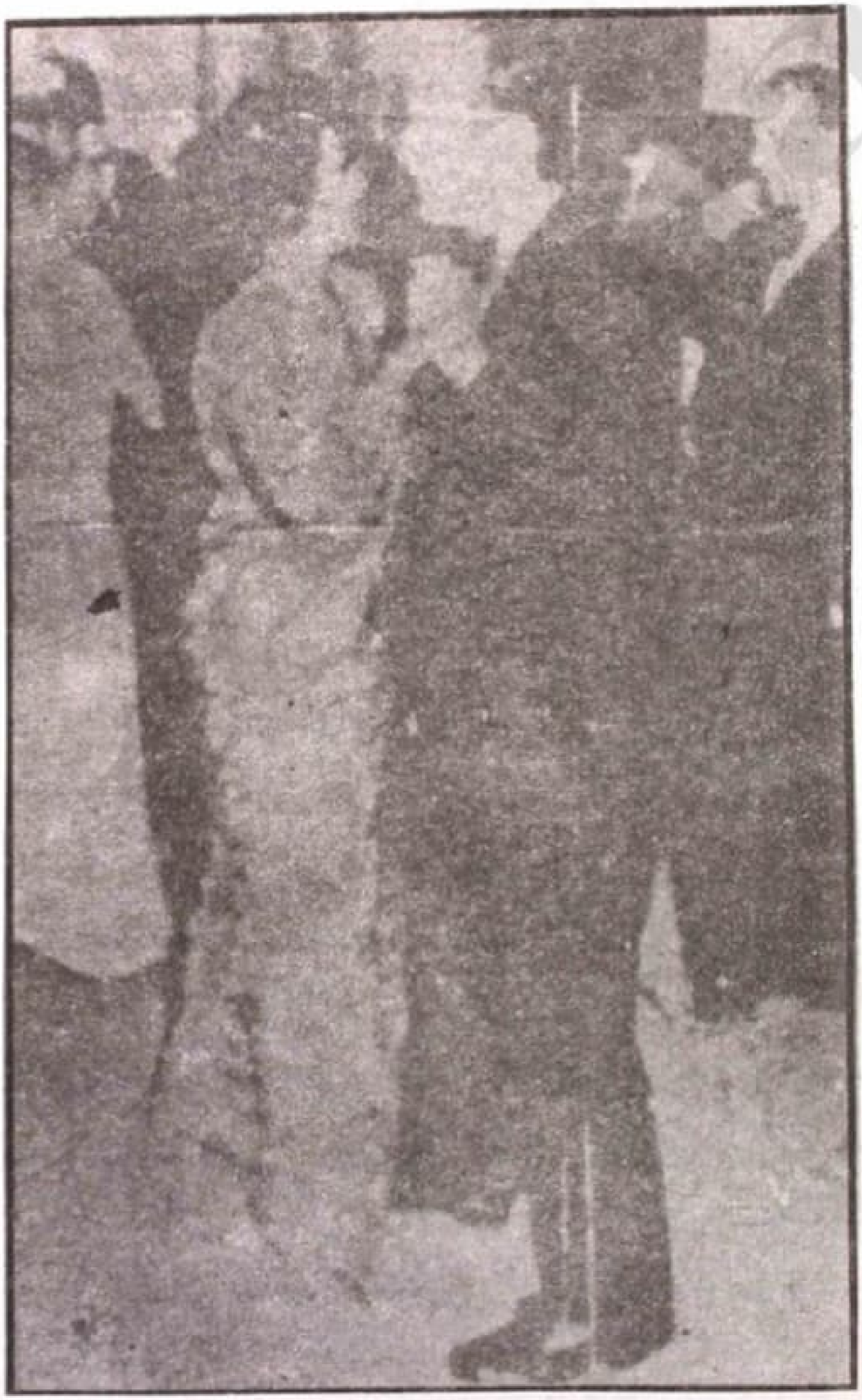
ذوالفقار علی بھٹو کی نصرت بھٹو سے شادی بھی اپنی جگہ ایک "ایڈونچر لو افیئر" ہے۔ بیگم نصرت' بھٹو سے اپنی ملاقات کا حال یوں بیان کرتی ہیں کہ "میں منا کی شادی کے موقع پر پہننے کے لئے اپنے زیورات نکالنے کی غرض سے جب بینک پہنچی تو وہاں میری ملاقات منا کی ماں سے ہوئی جو ایک نوجوان کے ہمراہ تھیں۔ منا کی ماں نے سلام و دعا کے بعد مجھ سے دریافت کیا' نصرت تم کیسی ہو؟ پھر اس نوجوان کی طرف دیکھ کر میرا تعارف کراتے ہوئے کہنے لگیں اس سے ملو' یہ منا کی سہیلی نصرت اصفہانی اور مجھ سے کہا یہ میرا بیٹا زلفی ہے' امریکہ میں زیر تعلیم ہے۔"

منا کی شادی کے دن ماریہ حبیب اللہ نے زلفی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیگم نصرت سے کہا تھا "دیکھو کتنا ہینڈ سم ہے۔" بیگم نصرت کہتی ہیں کہ انہوں نے (زلفی) میری طرف دیکھا اور میں نے ان کی طرف بینک کی ملاقات بھی یاد آ گئی مگر میں ان کی شخصیت سے زیادہ متاثر نہیں ہوئی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ اپنی سہیلی سے کہہ دوں کہ نہیں یہ

ہینڈ سم کہاں ہیں اسے غلط فہمی ہوئی ہے مگر پھر خود ہی کہتی ہیں کہ حقیقت یہ تھی کہ "وہ اس وقت کافی ہینڈ سم نظر آرہے تھے اور میں دل ہی دل میں ان سے پیار بھی کرنے لگی تھی۔" بیگم نصرت مزید یہ کہتی ہیں کہ تقریب کے دوران جب ان سے میری دوبارہ ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے صرف ہیلو کہا اور چلے گئے' ان کے اس طرح چلے جانے کے بعد میں نے سوچا کہ شاید وہ طبیعتاً" شرمیلے ہیں' مگر شادی کے استقبالیہ میں جو کہ سنٹرل ہوٹل میں دیا گیا تھا رقص کے دوران انہوں نے جب مجھے سینے سے لگانے کی کوشش کی تو میں نے ان سے کہا تھا' جناب یہ پاکستان ہے امریکہ نہیں' اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کریں۔ میری باتیں سن کر زلفی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ استقبالیہ کے بعد زلفی نے مجھے گھر تک پہنچانے کی پیش کش کی مگر میرے اس جواب پر کہ میں اپنی گاڑی سے آئی ہوں اور باہر میرا ڈرائیور انتظار کر رہا ہے ایسی حالت میں مناسب نہیں سمجھتی کہ تنہا گھر جاؤں۔ انہوں نے مجھے آئس کریم کھانے کی دعوت دی مگر جب میں نے وہ دعوت بھی ٹھکرا دی تو وہ مشتعل ہو گئے اور پھر جارحانہ انداز میں مجھ سے سوال کیا' کیا تم مجھے نہیں پہچانتیں کہ میں کون ہوں۔ پھر جلد ہی ماحول کی کشیدگی دور ہو گئی اور ہم کافی دیر تک بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔

منا کی شادی کے دو دن بعد زلفی نے اپنے ایک دوست کی اہلیہ کی مدد سے بیگم نصرت کو کراچی کے ایک شاندار ہوٹل میں رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ وقت مقررہ پر جب نصرت ہوٹل پہنچیں تو زلفی کو اس خاتون کے ساتھ اپنا انتظار کرتے ہوئے پایا۔ زلفی کے مطابق ان کے لئے کسی ایسی خاتون کو ڈھونڈ نکالنا بہت مشکل تھا جن کے تعلقات دونوں کے ساتھ دوستانہ ہوں۔ بیگم نصرت بتاتی ہیں کہ "اس دعوت میں زلفی نے میرے سامنے شادی کی تجویز بھی رکھی تھی مگر میں نے اسے سنجیدگی سے نہیں لیا ہاں میں اتنا ضرور جانتی تھی کہ ایک دو ہفتہ میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کی غرض سے وہ برکلے چلے جائیں گے۔"

کراچی سے واپسی کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ برکلے کیمپس کی سیاست میں بھی دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ کونسل کا جب الیکشن ہوا تو بھٹو نے ایشیائی امیدوار کی حیثیت سے الیکشن لڑا اور اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ پیلو مودی کے



نصرت. بھٹو امریکی صدر فورڈ کے ساتھ محو رقص

الفاظ میں ”زلفی بھٹو یونیورسٹی کی تاریخ میں کونسل کے پہلے ایشیائی ممبر تھے۔“ تعلیمی اور سیاسی مشغولیات کے باوجود برکلے میں زلفی کی پرانی سرگرمیاں بھی جاری رہیں۔ ہفتہ کے دن لیلی بختیار جب بھی لاس اینجلس سے برکلے آتی تو دونوں کی ملاقات ضرور ہوتی۔ برکلے کے ساحلی علاقہ میں رہنے والی ایک خوبصورت دوشیزہ کیرولین سے زلفی کی ملاقات تقریباً ہر روز ہوا کرتی۔ وطن واپسی کے بعد زلفی اور کیرولین کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا۔ کیرولین کے علاوہ برکلے میں سوزی نام کی ایک اور پری جمال تھی جس کا ذکر زلفی نے اپنی سوانح میں بھی کیا ہے۔

1951ء کے موسم بہار کے اختتام کے بعد زلفی آکسفورڈ سے کراچی پہنچے۔ کراچی پہنچ کر انہوں نے سب سے پہلے نصرت اصفہانی سے ملاقات کی اور انہیں یہ یقین دلایا کہ دو سال تک میں صرف تمہارے بارے میں ہی سوچتا رہا۔ انہوں نے بیگم نصرت سے یہ شکایت کی کہ ایک سال قبل انہوں نے ذوالفقار کے نام سے اپنے ایک دوست کی معرفت انہیں پیغام بھیجا تھا مگر انہوں نے (نصرت) پیغام کا کوئی جواب نہیں دیا۔ زلفی کا اندھیرے میں چھوڑا گیا تیر اپنے نشانہ پر بیٹھا۔ اس طرح وہ نصرت کے دل میں اپنے لئے مقام بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

بیگم نصرت اس ملاقات کا ذکر یوں کرتی ہیں کہ ”انہیں اچانک دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی مگر میں اپنی خوشی کا اظہار کرنا نہیں چاہتی تھی۔ جب میں نے انہیں بنگلہ کے گیٹ تک چھوڑنے آئی تو انہوں نے ایک بار پھر اپنی شادی کی تجویز دہرائی میرے اس جواب پر کہ میں اب تک یہ سمجھ رہی تھی کہ آپ مذاق کر رہے ہیں زلفی آپے سے باہر ہو گئے اور کہنے لگے احمق، میں بالکل سنجیدہ ہوں۔ مجھے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لئے واپس جانا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ شادی کی رسم جلد از جلد پوری کر لی جائے۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔“

بیگم نصرت کہتی ہیں کہ ”زلفی کے دباؤ کے بعد میں نے اپنے والد اور اپنی بہن سے اپنی شادی کے بارے میں گفتگو کی۔ پہلے تو وہ لوگ تیار نہیں ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ تم ان سے کس طرح شادی کر سکتی ہو۔ ہم ایرانی ہیں اور وہ سندھی، مگر میرے اصرار پر میرے

گھر والے زلفی کے ساتھ شادی کے لئے تیار ہو گئے۔"

1961ء میں بھٹو کی ملاقات ڈھاکہ کے ایک وکیل عبدالاحد کی بیوی حسنہ شیخ سے ہوئی اور اس نے پہلی ملاقات میں ہی بھٹو پر جادو کر دیا۔ نصرت بھٹو کو معلوم ہوا تو اس نے شور مچا دیا۔ بھٹو نے غصے میں آکر انہیں گھر سے نکال دیا۔ وہ اردشیر کاؤس جی کے ہاں پہنچیں جس نے نصرت کی شادی بھٹو سے کرائی تھی۔ کاؤس جی کی بیگم نصرت کو ایوب خان کے پاس لے گئیں۔ ایوب خان نے بھٹو کو طلب کیا اور کہا۔

"اپنی بیوی کو واپس لاؤ یا کابینہ سے چھٹی کرو۔"

بھٹو پہلی بات مان گئے لیکن کینہ دل میں رکھا۔

وزیراعظم بننے کے بعد انہوں نے نصرت بھٹو ہی کو خاتون اول کا اعزاز بخشا اور ساتھ ہی حسنہ شیخ سے نکاح کر لیا جو مولانا کوثر نیازی نے پڑھایا۔ بیگم نصرت بھٹو خاتون اول کے سرکاری اعزاز کے باوجود حسنہ شیخ کے آنے سے خاتون دوم بن کر رہ گئیں اور انہوں نے زندگی بھر مولانا کوثر نیازی کا نکاح پڑھانے کا جرم معاف نہ کیا۔ بظاہر یہ واقعات ایک جاگیردار گھرانے کے کھلنڈرے نوجوان کے کارنامے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر شاید معاملہ بالکل ویسا نہیں جیسا کہ ہم سمجھ رہے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی بینظیر بھٹو اپنی کتاب "دختر مشرق" میں رقمطراز ہیں کہ۔ 1843ء میں انگریزوں نے سندھ فتح کیا تو دو دو خان بھٹو کو علاقے کا سردار مقرر کیا۔

میر غلام مرتضیٰ بھٹو دو دو خان کا پوتا تھا اس زمانے میں لاڑکانہ کے انگریز مجسٹریٹ کرنل ے ہیو نے ایک سندھی لڑکی کو اپنی قید میں داشتہ بنا رکھا تھا۔ میر مرتضیٰ کو اس لڑکی سے محبت ہو گئی' ایک دن وہ اپنی محبوبہ سے ملنے گیا تو کرنل ے ہیو نے موقع پر پکڑ لیا اور اس پر چوب زنی کرنے لگا۔ میر مرتضیٰ نے جوابی حملہ کر کے اس لڑکی کو یرغمال سے نکال لیا اور اس کے ماں باپ کے گھر پہنچا دیا۔ کرنل ے ہیو نے اس واقعے کا بدلہ یوں لیا کہ میر مرتضیٰ بھٹو کو قتل کے الزام میں پھانس لیا۔

کہا جاتا ہے کہ بعد ازاں کرنل ے ہیو نے میر مرتضیٰ بھٹو کو لاڑکانہ میں زہر دے کر قتل کر دیا تھا۔

بینظیر بھٹو کا کہنا ہے کہ ہمیں یہ واقعہ خاندان میں بار بار سننے کو ملتا تھا۔ اندازہ لگائیں جب بزرگوں کے ایسے واقعات کارناموں کے طور پر سنائے جائیں تو اولاد کیسی نیکو کار بنے گی۔

بھارت میں انگریزی زبان میں شائع ہونے والی ایک کتاب ''مدھو بالا'' میں انکشاف کیا گیا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو جوانی میں مدھو بالا کو بہت چاہتے تھے اور اس سے شادی کے خواہش مند تھے۔ کتاب کے مصنف سندھی اخبار نویس موہن دیپ ہیں۔ جو میگنا بکس بمبئی نے پہلی بار 1996ء میں شائع کی۔ کتاب کے صفحہ 180 پر میوزک ڈائریکٹر نوشاد کے حوالے سے لکھا ہے کہ مدھو بالا جس سیٹ پر کام کرتی وہاں ایک نوجوان خاموشی سے آ کر بیٹھ جاتا۔ مدھو بالا اس نوجوان کو اس کی دلکشی کی وجہ سے پسند کرتی تھی اور وہ بھی صرف مدھو بالا کی وجہ سے فلم سٹوڈیو آتا تھا۔ دونوں اکثر دوپہر کا کھانا ایک ساتھ کھاتے۔ مدھو بالا اس نوجوان کے ساتھ کھل کر ہنستی تھی اور وہ اسے لطیفے اور مزاحیہ باتیں سنایا کرتا تھا۔ نوجوان کا فلمی دنیا سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ ایک وکیل تھا اور اس کا نام ذوالفقار علی بھٹو تھا۔ وہ ان دنوں ورلی کے علاقے میں رہتا تھا اور شاید بمبئی ہائیکورٹ میں پریکٹس بھی کرتا تھا۔ فلم سٹوڈیو میں مدھو بالا اسے اپنے مہمان کے طور پر اکثر بلاتی تھی۔ فلم بندی کے دوران وہ مسحور ہو کر خاموشی کے ساتھ مسلسل مدھو بالا کو دیکھتا رہتا۔ ''آگے چل کر موہن دیپ لکھتا ہے کہ بھٹو کی شادی سندھ کے ایک بڑے جاگیردار کی بیٹی شیریں بیگم سے اس وقت ہو چکی تھی جب وہ بیرون ملک اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا تھا' لیکن مغربی طور اطوار کا حامل بھٹو اپنی برقع پوش بیوی کی پروا نہیں کرتا تھا۔ بعد ازاں وہ ایک ایرانی خاتون نصرت کو پسند کرنے لگا اور اس سے شادی کر لی' لیکن وہ بیک وقت کراچی میں بڑے سے بنگلے میں رہنے والی نصرت' لاڑکانہ میں رہائش پذیر پرانے خیال کی شیریں بیگم اور بمبئی کی فلموں میں کام کرنے والی حسین و جمیل مدھو بالا کے درمیان شٹل کاک بنا رہا۔ بمبئی میں بھٹو پریکٹس بھی کرتا تھا اور مدھو بالا کی محبت میں بھی گرفتار تھا۔ بعد ازاں بھٹو نے بھارت چھوڑ دیا اور پاکستان جا کر سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ موہن دیپ نے مدھو بالا سے ذوالفقار علی بھٹو کی محبت پر اپنی تحریر کا اختتام یوں کیا ہے۔ ''یہ ستم ظریفی ہے کہ جس طرح انار کلی

مغلوں کے ہندوستان کی ملکہ نہیں بن سکی تھی اسی طرح مدھو بالا بھی بھٹو کی محبوبہ ہونے کے باوجود پاکستان کی "خاتون اول" بننے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ موہن دیپ کے بقول اس سے زیادہ مدھو بالا کے بھٹو سے عشق کی تفصیلات میسر نہیں کیونکہ صرف مدھو بالا کی ذاتی ڈائری اس موضوع پر روشنی ڈال سکتی تھی' لیکن مدھو بالا جس کا اصلی نام ممتاز جہاں بیگم دہلوی تھا اور جو پٹھان عطاء اللہ خان کی تیسری بیٹی تھی' کی میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کے باپ نے یہ ڈائری اس کے کفن پر رکھ دی اور پھر اس کے اوپر مٹی ڈال دی گئی۔

ذوالفقار علی بھٹو کے سیاسی سوانح نگار سلمان تاثیر جنہیں بینظیر بھٹو کے سفیر کہلانے کا اعزاز حاصل رہا ہے۔ اپنی انگریزی کتاب "بھٹو دی پولٹیکل بائیوگرافی" میں انہیں "پلے بوائے" قرار دیتے ہیں۔ سلمان تاثیر کتاب کے دیباچے میں بھٹو کے ساتھ اپنی ابتدائی ملاقاتوں کا احوال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے بائیں بازو کے ایک اہم طالب علم لیڈر کو اپنی نو تشکیل شدہ پیپلز پارٹی میں شامل ہونے کی دعوت کیوں نہیں دی؟ تو انہوں (بھٹو) نے جواب میں کہا "کیونکہ میں نے اس کی آنٹی کے ساتھ ...... کیا تھا اور (اس بنا پر) میرے خیال میں وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے۔"

آگے جا کر لکھتے ہیں کہ "بھٹو اپنی نو عمری کے دور میں زبردست ٹھاٹھ دار لباس پہنتے۔ اس کی تمام جزئیات پر نظر رکھتے اور بمبئی کے تاج محل میں کھانا کھاتے۔ اسی دوران انہوں نے لڑکیوں میں دلچسپی کا مشغلہ بھی اختیار کر لیا۔ بھارت کی معروف ایکٹریس نرگس کے بقول وہ انہیں ایک دل پھینک نوجوان کی طرح تاڑتے رہتے تھے۔ وہ بہت سحر طراز اور پسندیدہ شخصیت کے حامل تھے لیکن عام طور پر وہ شراب اور عطر کی ناگوار بو میں بسے رہتے تھے۔ بھٹو جیسا کہ میں انہیں جانتی ہوں ایک جاگیردار تھے جن کی عادات شہزادوں جیسی تھیں جن میں شراب نوشی' شکار اور ہر رات ایک نئی لڑکی کے ساتھ ڈانس شامل تھا۔ تب انہوں نے ہلکی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں۔ پہلی مرتبہ وہ ثریا کریم بھائی نام کی ایک بھارتی اتھلیٹ کی محبت میں گرفتار ہوئے جو بعد ازاں بھارت کی ہائی جمپ کی چیمپئن بن گئی۔ اس دور کی تصاویر میں بھٹو ایک ہونق نوجوان نظر آتے ہیں۔ ان کے چہرے پر مونچھیں موجود ہیں اور وہ فیشن ایبل انداز میں کٹے بالوں والی مسکراتی لڑکیوں کے ساتھ

پائے جاتے ہیں۔

امریکہ میں قیام کے دوران بھٹو معمول سے کہیں زیادہ جوش و خروش سے ریل گاڑی میں لڑکیوں کا پیچھا کیا کرتے تھے۔ اس وقت بھٹو اور ان کے دوست عمر قریشی دونوں نسبتاً زیادہ مالدار خواتین کے ساتھ دوستی کے مراحل سے گزر رہے تھے۔ یہ خواتین ہیورلے ہلز میں رہتی تھیں۔ جب وہ دونوں ان خواتین سے ملاقات کے لئے ریل گاڑی میں سوار ہو کر گئے تو ان کے جڑواں رومانس کو شدید جھٹکا لگا۔ جس کے بعد دونوں نے مشترکہ طور پر "تاش" بانڈ کی ایک کار خرید لی۔ سلمان تاثیر آگے جاکر لکھتے ہیں کہ

"بھٹو کی پاکستان واپسی کے بعد ان کے اکثر سیاست دانوں سے قریبی روابط ہو گئے۔ حسین شہید سہروردی نے انہیں عوامی لیگ میں لانے کی بہت کوشش کی مگر بھٹو نہ مانے۔ دونوں کے درمیان پھر بھی تعلقات اس قدر بڑھے کہ وہ دونوں، اکثر اوقات کراچی کی نائٹ کلبوں میں اکٹھے دیکھے جانے لگے۔ شراب پیتے اور مختلف موضوعات پر بے تکان گفتگو کرتے۔ یہ زمانہ وہ تھا جب بھٹو بوریت کا شکار ہو چکے تھے انہوں نے بہت زیادہ شراب پینا شروع کر دی۔ اکثر اوقات وہ بہت زیادہ شراب پی جاتے۔ انہوں نے کراچی کے نائٹ کلبوں' ایکسلسیئر' بیچ لگژری اور تاج میں بار بار جانا شروع کر دیا۔ پیلس ہوٹل کالی گورے ان کا پسندیدہ نائٹ کلب تھا جس سے وہ اکثر لڑکھڑاتے ہوئے صبح کے وقت باہر نکلتے۔ ان کے ساتھی عام طور پر سندھی وڈیرے ہوتے تھے۔ پینے پلانے کا یہ سلسلہ ساری رات جاری رہتا۔ حتیٰ کہ بھٹو کے بڑے بھائی شراب کی زیادتی کے باعث انتقال کر چکے تھے۔ اس لئے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ خود بھی اس طرح نہ گزر جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی محبتوں کا سلسلہ بھی دراز ہوتا چلا گیا۔ جس کی وجہ سے ہر روز نت نئی داستانیں لوگوں کو سننے کو ملتیں۔

جب بھٹو ایوب کابینہ کا نوجوان وزیر بن کر اسلام آباد پہنچا تو کراچی کے نائٹ کلبوں کی عادت' جو ان کے کردار کا حصہ بن چکی تھی۔ وہاں بھی نمایاں رہی۔ انہیں ایک عیاش' تماش بین، شخص کے طور پر شناخت کر لیا گیا۔ اس بنا پر وہ اسلام آباد کے آزاد فیشن گھرانوں میں رونق افروز ہونے لگے۔ اسلام آباد کی کاک ٹیل اور ڈنر پارٹیوں میں وہ سب سے

پسندیدہ مہمان کی حیثیت حاصل کر گئے۔ اسلام آباد میں بہت سے اعلیٰ افسروں کی بیویوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے قصے اور ان کی عشق بازی کی داستانیں زبان زدعام ہو کر رہ گئی تھیں۔ وہ نائٹ کلبوں اور پارٹیوں میں ڈانس کرنے میں زیادہ رغبت کا اظہار کرتے۔ بعض اوقات تو انتہائی جوش کے عالم میں وہ اپنے جوتے اتار دیتے تاکہ ان کے ساتھ ڈانس کرنے والی خاتون کے پاؤں کی نازک انگلیاں نہ کچلی جائیں۔"

یہ ہے ذوالفقار علی بھٹو کی وہ لفظی تصویر جو ان کے ایک قریبی اور معتمد ساتھی سلمان تاثیر نے کھینچی ہے اس ضمن میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ سلمان تاثیر نے اپنی اس کتاب کا اردو ترجمہ "ذوالفقار علی بھٹو بچپن سے تختہ دار تک" بھی شائع کیا ہے مگر اس کے وہ تمام حصے حزف کر دیئے گئے جن کو انگریزی کتاب میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اس تبدیلی کا مقصد پاکستانی عوام کو بھٹو کے متعلق مغالطہ میں مبتلا رکھ کر ان کا استحصال کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ بھٹو کو جاننے والے بہت پہلے سے یہ تمام باتیں جانتے ہیں لیکن انہیں مخالفین کا جھوٹا پروپیگنڈہ کہہ کر مسترد کر دیا جاتا رہا۔ سلمان تاثیر بھٹو کو دی پلے بوائے کا خطاب دینے کے باوجود ان کی شخصیت کے سحر کا شکار ہیں۔ اور سلمان تاثیر ہی کیا بھٹو کی بدکردار اور بدنہاد بیٹی دوبار "بھٹو لورز" کے ووٹوں سے تخت پاکستان تک پہنچ چکی ہے اور اب بھی اسی بنیاد پر پر تولتی نظر آتی ہے۔



محمد خان جونیجو

محمد خان جونیجو نہایت شریف وزیر اعظم کے طور پر مشہور تھے لیکن خان صاحب بھی ایک دور میں مولانا کوثر نیازی' حفیظ پیرزادہ' جام صادق وغیرہ کی صحبت میں گانے بجانے کی محفلوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ خاص طور پر مزار قائد کے قریب بین الاقوامی سمگلر اونٹنی والا کے ڈیرے پر یہ تمام احباب رونق افروز ہوتے جہاں ان کی خدمت کے لئے ایک سے بڑھ کر ایک دوشیزہ موجود ہوا کرتی تھی۔ قانون تو ویسے بھی اندھا ہوتا ہے۔ اس کے رکھوالے اس ڈیرے کی جانب آنکھیں بند ہی رکھا کرتے ایک مرتبہ ایک نوجوان سب انسپکٹر قاضی محمد ارشد نے جوش جذبات میں ڈیرے پر چھاپہ مار دیا جو اس کے لئے نہایت خطرناک ثابت ہوا۔ حتیٰ کہ قانون کے اس رکھوالے کو نوکری سے ہاتھ دھونا پڑے اور اسے اپنے عملے سمیت جیل کی ہوا کھانا پڑی۔



بینظیر بھٹو

رومی دور حکومت میں بعض ایسی عورتیں بھی پیدا ہوئیں جن کی سرگرمیوں اور خصلتوں کو دیکھ کر درندوں کو بھی شرم آ جاتی۔ نسل انسانی کی اس قسم کا سلسلہ آج بھی پوری شدومد کے ساتھ جاری ہے۔ اس نسل سے تعلق رکھنے والی حوا کی بیٹیاں گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں برطانوی' عہد حکمرانی میں پنجاب کی ریاست کپور تھلہ میں گوند کور نام کی ایک خوبرو شہزادی رہا کرتی تھی۔ شہزادی ہونے کے باوجود شہوانی حوالے سے اسے خود پر کنٹرول نہیں تھا۔ اس کی اسی کمزوری کے باعث کپور تھلہ کا شاہی خاندان بدنام ہو گیا اور خود شہزادی کے آخری ایام بھی انتہائی کسمپرسی میں گزرے۔ پاکستانی قوم کو بھی ایک ایسی ہی شہزادی سے واسطہ پڑا۔ یہ شہزادی جو خود کو دختر مشرق کہتی ہیں دوبار وزیراعظم رہ چکی ہیں وطن میں ہوں تو ہاتھ میں تسبیح اور سر پر دوپٹہ ان کے لباس کا لازمی جزو ہے۔ (جس کو سر سے بار بار ڈھلکانے کی انہیں باقاعدہ تربیت دی گئی ہے۔ اور اب تو ان کا یہ انداز پاکستانی عوام میں خاصا مقبول بھی ہو چکا ہے۔) بینظیر بھٹو سے ایک بار پوچھا گیا کہ وہ تسبیح پر کیا پڑھتی ہیں تو انہوں نے جواب دیا آیۃ الکرسی پوچھا گیا پھر آپ اتنی جلدی دانے کیسے آگے کر دیتی ہیں ستم ظریف اخباری نمائندے نے پوچھا کہ آپ آیت الکرسی تو نہیں البتہ لگتا ہے کہ "کرسی' کرسی' کرسی" کا وظیفہ کر رہی ہیں۔ اس پر انہوں نے خاموشی اختیار کئے رکھی۔ کیا بینظیر بھٹو اتنی ہی پاکباز ہیں جتنی وہ خود کو ظاہر کرتی

ہیں۔ ان کے ماضی میں جھانکیں تو اس کا جواب نفی میں ملتا ہے۔

آکسفورڈ یونیورسٹی میں زمانہ طالب علمی کے دوران پنکی (بینظیر بھٹو کا پیار کا گھریلو نام) نے انتہائی سرگرم لائف گزاری۔ ان کی زندگی کے بارے میں ان کے ایک کلاس فیلو کولن موئنہان (جو برطانیہ میں وزیر کھیل بھی رہ چکے ہیں) نے 15 مارچ 1989ء کے "ڈیلی ایکسپریس" میں بتایا۔ کہ پنکی دور طالب علمی میں پوری یونیورسٹی میں "Oral Sex" کی ماہر سمجھی جاتی تھی۔ جسے یورپ اور امریکہ میں آج کی نوجوان نسل " سکس نائن " کے نام سے جانتی ہے۔ قصہ یوں ہے کہ بینظیر بھٹو جب پہلی بار 88ء میں وزیر اعظم بنی اور برطانیہ کا دورہ کیا تو وہاں ایک انٹرویو میں اپنا "حلقہ احباب" وسیع تر بنانے کے خیال سے کہا کہ آپ کے فلاں پارلیمانی رکن میرے کلاس فیلو رہ چکے ہیں۔ بینظیر بھٹو انٹرویو دے کر واپس لوٹ آئی اور بات آئی گئی ہو گئی۔ خاصا عرصہ گزرنے کے بعد اس پارلیمانی رکن کولن موئنہان جو وزیر کھیل بن چکے تھے کا انٹرویو شائع ہوا جس میں ان سے انٹرویو نگار نے پوچھا کہ بینظیر بھٹو کا کہنا ہے کہ آپ ان کے کلاس فیلو تھے۔ یہ بتائیں آپ نے انہیں کیسا پایا۔ وزیر موصوف نے اپنی فطری آزادی کے ساتھ جواب دیا۔ کہ پنکی جیسی لڑکی پوری یونیورسٹی میں نہ تھی اور اسے "Oral Sex" کا ایکسپرٹ کہا جاتا ہے۔ اور مجھے خود بھی اس کا تجربہ ہے۔ یورپی فضا میں یہ عام سی بات تھی کیونکہ وہاں یہ چیز انتہائی عام تھی۔ آج بھی آپ کو اگر آپ مرد ہیں تو کوئی بھی لڑکی آپ سے عام سے انداز میں پوچھے گی "You Like Six Nine Do" آپ کا جواب Yes میں ہونے پر وہ آپ کو اپنا پتہ بتا دے گی۔ اور خاتون ہے تو کوئی مرد پوچھ سکتا ہے۔ یوں قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ مگر جب یہ انٹرویو ڈیلی ایکسپریس کی 15 مارچ کی اشاعت میں چھپا تو ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ کیونکہ بینظیر بھٹو اب وزیر اعظم پاکستان بن چکی تھیں۔ حکومت نے فوری طور پر اس اخبار کے پاکستان میں داخلے پر پابندی لگا دی۔

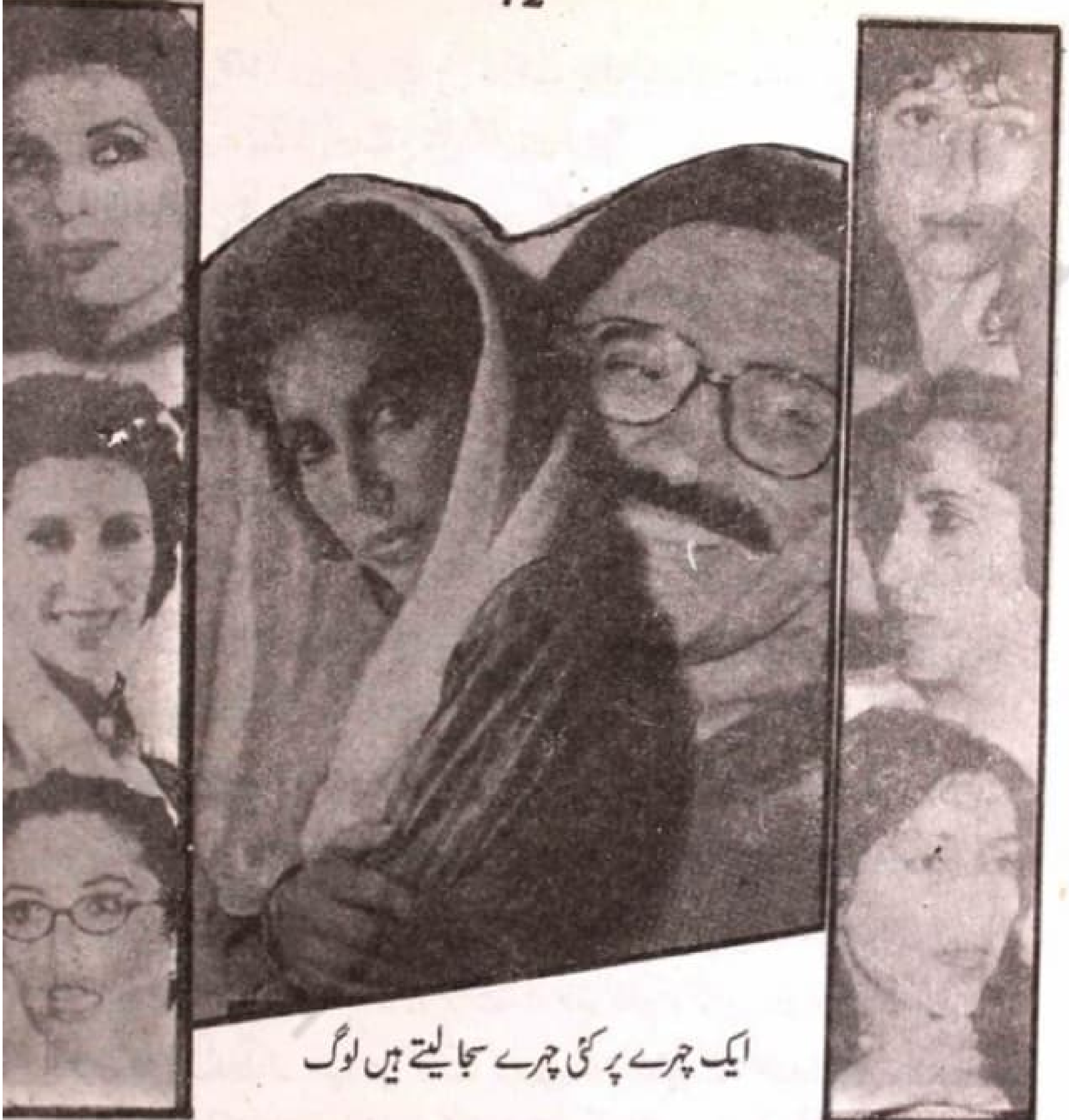
ڈیلی ایکسپریس کے کالم نگار راس بینن نے بینظیر بھٹو کی زمانہ طالب علمی کی ایک فحش تصویر شائع کرتے ہوئے لکھا کہ بینظیر بھٹو نے اپنے والد کی پھانسی کے بعد سے "اسلام کی چادر" اوڑھ لی ہے۔ زمانہ آکسفورڈ میں موصوفہ منی سکرٹ اور جین زیب تن کیا کرتی تھیں۔ چند اور خرافات لکھنے کے بعد راس بینن کا کہنا ہے کہ اب بہت کچھ بدل چکا ہے۔

جوانی کے "غیر محتاط" دن بدل چکے ہیں اور اب بینظیر ایک پسماندہ ملک کی سربراہ ہیں۔

ذاتی قابلیت کے بل بوتے پر اپنی شخصیت کو اجاگر کرنے والے بھٹو کی صاحبزادی بینظیر بھٹو ذہنی طور پر مادر پدر آزاد معاشرے اور کھلے ڈھلے جنسی تعلقات کی حامی اور داعی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ سوسائٹی میں انسان کو کسی قسم کی پابندی قبول نہیں کرنی چاہئے۔ اسے اپنے سفلی جذبات کی تسکین اور جسمانی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ہر وقت ہر حربہ استعمال کرنے کا حق ہے۔ مس بینظیر بھٹو نے ان خیالات اور نظریات کا اظہار آکسفورڈ کی ایک محفل مباحثہ میں کیا تھا۔ اس مباحثہ کا عنوان تھا "اس ایوان کی رائے میں آزاد معاشرہ اور جنسی تعلقات جائز ہیں۔" مس بینظیر نے موضوع کی حمایت میں نہایت گرم جوشی اور بے باکی سے دلائل دیئے تھے۔ یاد رہے کہ بینظیر آکسفورڈ میں مباحثہ کی سوسائٹی کی صدر رہ چکی ہیں۔

عمران خان جو پلے بوائے کی شہرت رکھتے ہیں اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے ہی تعلیم یافتہ ہیں۔ عام طور پر بینظیر کے زمانہ طالب علمی کے حوالے سے پوچھے گئے سوالات پر کنی کترا جاتے ہیں مگر یہ قصہ وہ کبھی کبھار اپنی نجی محفلوں میں سناتے پائے گئے ہیں۔ اور بینظیر بھٹو نے خود بھی اعتراف کیا ہے کہ وہ کرکٹ سٹار ماجد خان کو بچپن سے بہت پسند کرتی ہیں۔ عمران خان نے بتایا کہ جب میں کرکٹ ٹیم میں تھا تو بینظیر کے اکثر ماجد خان کے لئے فون آتے۔ مگر ماجد خان اسے اتنی لفٹ نہ کرواتے۔ اس سلسلے میں بینظیر مجھے رابطے کے طور پر استعمال کرتی یعنی مجھ سے ان کے بارے میں پوچھتی۔ ایک بار یوں ہوا کہ ہم برطانیہ میں کھیل رہے تھے ماجد خان بھی ٹیم میں تھے۔ شیڈول یہ تھا کہ ہم نے برطانیہ سے واپس پاکستان اور پھر ایک نمائشی میچ کھیلنے کے لئے ہالینڈ جانا تھا۔ برطانیہ میں بینظیر بھٹو بدستور ماجد خان کے پیچھے پڑی رہی۔ اور ٹیم کے پیچھے ہی پاکستان آئی اور اس کے پیچھے پیچھے ہالینڈ بھی پہنچ گئی۔ وہاں جا کر اسے پتہ چلا کہ ماجد خان تو ٹیم کے ساتھ آئے ہی نہیں' وہ تو پاکستان میں رک گئے ہیں۔ یہاں پہنچ کر عمران خان کہتے ہیں کہ "میں بتا نہیں سکتا کہ یہ صورت حال جاننے پر "پنکی" کی کیا حالت ہوئی تھی۔"

1988ء کے انتخابات میں جب نواز شریف پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے اور حسین حقانی



ایک چہرے پر کئی چہرے سجا لیتے ہیں لوگ

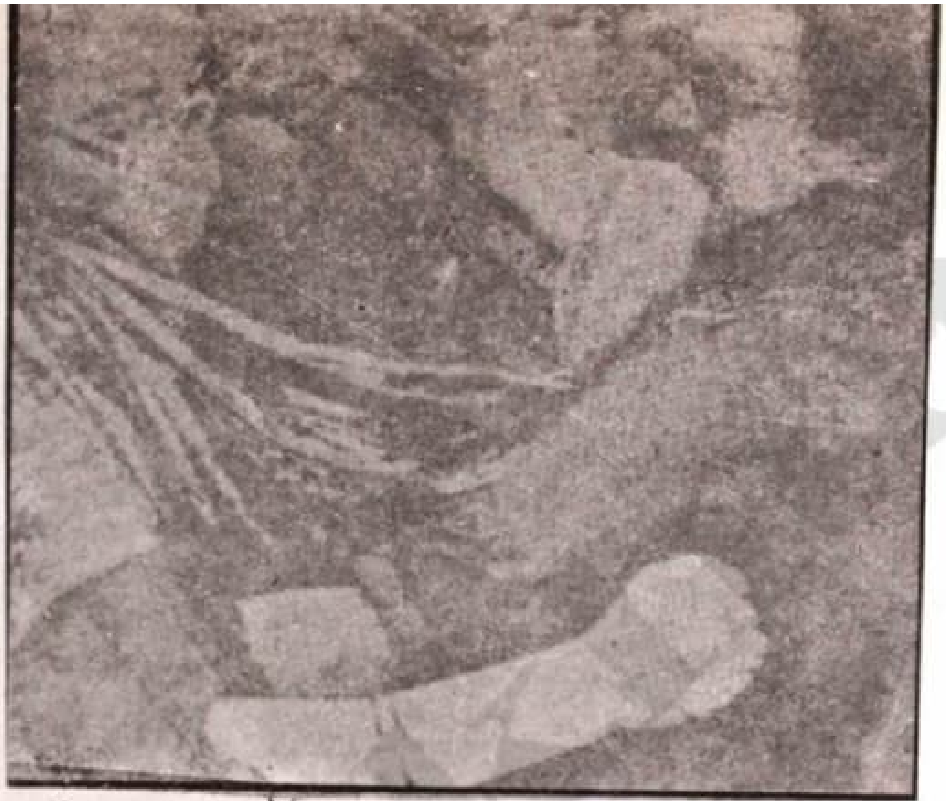
ان کے مشیر برائے میڈیا تھے۔ اس وقت حسین حقانی نے انتخابات کے دوران بینظیر بھٹو اور ان کی والدہ نصرت بھٹو کی نیم عریاں تصاویر پر مبنی اشتہارات شائع کئے تھے۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اس "منظم و مذموم" پراپیگنڈہ مہم میں جماعت اسلامی کے میڈیا سیل کا ہاتھ تھا جو ان دنوں اسلامی جمہوری اتحاد کی اہم جماعت تصور ہوتی تھی بہرحال جب میاں صاحب وزیراعظم بنے تو حقانی صاحب ان کے خصوصی معاون تھے۔ وہ خاص طور پر ہندوستان اور انگلستان گئے اور بینظیر بھٹو کے بارے میں قابل اعتراض مواد جمع کرتے رہے۔ اس دور میں اخبارات میں یہ خبر چھپی تھی کہ حقانی صاحب نے ہندوستان میں بینظیر کے پرانے کلاس فیلوؤں سے ملاقاتیں کیں اور محترمہ کے بارے میں کوائف اکٹھے کئے۔ مصدقہ اطلاع کے مطابق حقانی صاحب نے اپنی کتاب کا مسودہ بھی تیار کر لیا

تھا۔ اتنے میں وہ ناہید خان کی بہن کے عشق میں مبتلا ہو گئے۔ معاشقہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگا اور دوسری طرف شاید میاں صاحب نے ہاتھ کھینچ لیا اور حقانی صاحب کا دل ان سے کھٹا ہو گیا۔ اور یوں حقائق عوام کے سامنے آنے سے رہ گئے۔

البتہ یہ بات اب چھپی نہیں رہی کہ بے نظیر بھٹو نے اپنے چہرے کی پلاسٹک سرجری کروائی ہے تاکہ خوبرو نظر آ سکیں۔ معروف جریدے ایشیا ویک کی ایک رپورٹ کے مطابق آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتے وقت اس کی عجیب ہیئت ہوتی تھی۔ اس کے گال اندر کو دھنسے ہوئے اور ناک بھی بھدی سی ہوتی تھی۔ رپورٹ میں بتایا گیا کہ پلاسٹک سرجری بے نظیر بھٹو نے اپنے عرصہ جلاوطنی کے دوران کروائی۔ اور پھر سب نے دیکھا کہ جب وہ پاکستان لوٹی تو ممی ڈیڈی کی پنکی کی بجائے خوبرو بینظیر بھٹو بن چکی تھی۔ جس کا ایک عالم مداح تھا۔

شیخ رشید جو خود بھی خیر سے پوری پنڈی کو خانہ ولدیت ہی لکھوانے کے شوقین ہیں اپوزیشن کے دنوں میں تواتر کے ساتھ اپنے جلسوں میں یہ الزام لگاتے رہے ہیں کہ بلاول کی شکل فیصل صالح حیات جبکہ بختاور کی شکل جہانگیر بدر سے ملتی ہے۔ اس انتہائی اشتعال انگیز بیان پر پی پی پی کے جیالوں نے مری روڈ راولپنڈی میں جلوس نکالا اور لیاقت باغ چوک میں شیخ رشید کے خلاف گندی گالیوں پر مشتمل نعرے بازی کی۔ انہی دنوں پارلیمنٹ کے اجلاس میں اعتزاز احسن اور شیخ رشید کے درمیان جملے بازی اور تکرار بھی ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے پر الزامات لگائے اور دھمکیاں بھی دیں۔

"جب کبھی ہوئی بینظیر بھٹو اور حیات محمد شیرپاؤ کی پہلی ملاقات ہوئی تو اس پہلی ملاقات ہی میں بینظیر بھٹو نے اپنا دل ہار دیا۔ مبینہ طور پر گو حیات محمد شیرپاؤ بھی بینظیر کو پسند کرنے لگا تھا وہ لیکن یہ سوچ کر بینظیر بھٹو کی حوصلہ افزائی کرنے سے قاصر رہا تھا کہ وہ اس کی پارٹی کے چیئرمین کی بیٹی ہے' بینظیر نے شیرپاؤ کی طرف سے سردمہری کے باوجود اپنی چاہت کی گرمی میں کوئی کمی واقع نہ ہونے دی اور ایسا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا' جس کے تحت وہ شیرپاؤ سے گفتگو بھی کر سکتی تھی اور اس کی مہمان نوازی کے مزے بھی لوٹ سکتی تھی۔



1986ء میں مس بے نظیر بھٹو لاہور میں جلسہ کے دوران سٹیج پر جاتے ہوئے ایک جیالے کی کسی "حرکت" پر برہم ہو کر اسے بالوں سے پکڑے ہوئے

حیات محمد شیرپاؤ' ایک قبول صورت صحت مند نوجوان تھا۔ بینظیر بھٹو نے اس پر ڈورے ڈالنے کی بے حد کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکی' اس کی بڑی وجہ شیرپاؤ کی طرف سے ان روایات کا پاس بھی تھا جو صدیوں سے پٹھانوں میں رائج ہیں اور جن کے تحت ایک سچا پٹھان اپنے دوست کی بیٹی کو کبھی بھی بری نظر سے نہیں دیکھتا۔ شیرپاؤ کی بے توجہی نے جلتی کا کام کیا اور بینظیر کے دل میں بھڑکی ہوئی نفسانی خواہشات کی آگ کسی طرح بھی سرد نہ ہو سکی۔

بینظیر بھٹو کو' جب حیات محمد شیرپاؤ کو اپنا بوائے فرینڈ بنانے میں ناکامی ہوئی تو اس نے خیال کیا کہ شیرپاؤ اخلاقی حدود میں مقید ہے۔ اس لئے غیر اخلاقی حرکات کا مرتکب نہیں ہو سکتا' اسے رام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اخلاقیات کا سہارا لیا جائے۔ اس خیال کے تحت آنسہ بینظیر بھٹو نے شیرپاؤ کے سامنے نکاح کی تجویز رکھی اور کہا کہ وہ اسے خلوص دل سے چاہتی ہیں' اس لئے اس کے نکاح میں آنے پر تیار ہے۔

یہ ان ایام کا ذکر ہے جب حیات محمد شیرپاؤ سرحد کے گورنر بن چکے تھے' انہوں نے سوچا' وزیراعظم کی بیٹی سے نکاح کر کے وہ وزیراعظم کے داماد کی حیثیت سے مزید سیاسی

قوت تو حاصل کر سکتے ہیں' لیکن سرحد کے عوام کے دلوں میں پیدا ہونے والے ان شکوک و شبہات کو دور نہیں کر سکتے جو اس نکاح کے بعد ان کے دلوں میں پیدا ہوں گے اور وہ سوچیں گے کہ ان کے گورنر نے' سرحد کے غیور پٹھانوں کی روایات کو پامال کرتے ہوئے ایک دوست کی لڑکی پر بری نظر ڈالی تھی اور اب اسے پھانس کر اس سے شادی کر رہا ہے۔

اس اندیشے کے علاوہ شیرپاؤ کو بینظیر سے نکاح کرنے سے جو چیز باز رکھ رہی تھی' وہ بینظیر بھٹو کی رنگین مزاجی اور ضرورت سے زیادہ آزاد خیالی تھی' پھر شیرپاؤ پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ وہ بینظیر بھٹو کو اپنے رسم و رواج کی پابندی پر مجبور نہ کر سکے گا۔ بینظیر بھٹو ایک آزاد پنچھی ہے جسے ڈال ڈال پر بیٹھنے کی عادت ہے۔ وہ لاکھ چاہے' بینظیر کو اپنی عادت ترک کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ ان وجوہات کے تحت جب حیات محمد شیرپاؤ نے بینظیر بھٹو سے شادی کرنے سے بھی صاف طور پر انکار کر دیا تو بینظیر نے اپنی چاہت کا حال اپنی ماں نصرت بھٹو سے بیان کیا۔ نصرت بھٹو نے اپنی بیٹی کو یقین دلایا کہ وہ اس کے والد کی وساطت سے شیرپاؤ کو اس سے شادی پر مجبور کر دے گی۔ اس بات چیت کو چند روز گزرے تو نصرت بھٹو نے ایک مناسب موقع پر اپنے شوہر ذوالفقار علی بھٹو کو بتایا کہ بینظیر' حیات محمد شیرپاؤ کو پسند کرتی ہے اور اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے' یہ سن کر بھٹو نے اپنی بیوی کو اجازت دے دی کہ وہ اس سلسلہ میں گفت و شنید کرے اور یہ شادی طے کرے۔ وہ بخوشی شیرپاؤ کو بحیثیت داماد قبول کرے گا۔ بھٹو نے اس روز کے بعد شیرپاؤ کو اپنا بیٹا کہنا شروع کر دیا تھا۔

ذوالفقار علی بھٹو کی اجازت کے بعد نصرت بھٹو نے شیرپاؤ کے بزرگوں سے ربط و ضبط بڑھانا شروع کر دیا اور آخر کار ایک مرحلہ پر حرف مدعا زبان پر لے آئی۔ نصرت بھٹو نے کہا کہ وہ حیات محمد شیرپاؤ کو اپنا "منہ بولا" بیٹا سمجھتی ہے اور چاہتی ہے کہ اس منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا بنا لے جو اسی طرح ممکن ہے کہ بینظیر بھٹو اور حیات محمد شیرپاؤ کی شادی ہو جائے اور حیات محمد شیرپاؤ اس کا داماد بن کر اس کے بیٹے کی حیثیت حاصل کرے۔

حیات محمد شیرپاؤ کے بزرگوں نے یہ تجویز سن کر فوری طور پر نہ تو اس تجویز کو منظور کیا اور نہ نامنظور بلکہ اس سلسلے میں غور و فکر کا وعدہ کیا اور یہ بھی کہا کہ شادی چونکہ '

شیرپاؤ کی ہو رہی ہے۔ اس لئے اس کی رضامندی بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔ شیرپاؤ کے بزرگوں کا موقف درست تھا۔ اس لئے نصرت بھٹو خاموش ہو گئی۔

ایک ہفتہ بعد نصرت بھٹو ایک بار پھر شیرپاؤ کے بزرگوں سے ملاقات کے لئے پشاور گئی۔ اس ملاقات میں شیرپاؤ کے بزرگوں نے نصرت بھٹو کو بتایا کہ بعض وجوہات کے تحت شیرپاؤ اور بینظیر کی شادی نہیں ہو سکتی۔ کافی سوچ وبچار کے بعد ہم خود بھی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بینظیر اور حیات محمد شیرپاؤ کی بہتری اسی میں ہے کہ ان کی شادی نہ ہو' کیونکہ دونوں کے خاندانی رسم ورواج اور تہذیب و تمدن میں واضح فرق ہے۔

یہ سن کر نصرت بھٹو مارے غصے کے آپے سے باہر ہو گئی اور شیرپاؤ کے بزرگوں کو برا بھلا کہنے لگی۔ نصرت بھٹو کا کہنا تھا کہ بھٹو صاحب چونکہ حیات محمد شیرپاؤ سے پیار کرتے ہیں' اسے اپنا "بیٹا" کہتے ہیں' اس لئے چاہتے ہیں کہ اس سے رشتہ داری قائم کر کے اسے نہ صرف اثر و رسوخ اور سیاسی طاقت کے لحاظ سے پاکستان کی شخصیت نمبردو (وزیراعظم بھٹو کے بعد) بنا دیں بلکہ عوامی مقبولیت کے لحاظ سے بھی اس کا نہ صرف پاکستان بھر میں کوئی ثانی نہ ہو' بلکہ بیرون پاکستان بھی شیرپاؤ کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا جائے۔ نصرت بھٹو کا کہنا تھا کہ اس کی بیٹی بینظیر بھٹو پاکستان کی ذہین ترین دوشیزہ ہے' حسن و جمال' فہم و فراست اور پختہ سیاسی شعور کی مالک ہے۔ پاکستان کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں بھی لوگ اس سے آشنا ہیں اور بعض حلقوں میں اس کے مداحوں کی ایک بڑی تعداد بھی موجود ہے۔ نصرت بھٹو نے اپنی بیٹی بینظیر بھٹو کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے۔ لیکن شیرپاؤ کے بزرگوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا' ہوتا بھی کیسے؟ یہ حقیقت ان پر روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ بینظیر بھٹو ایک آزاد خیال لڑکی ہے جو سرتاپا مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے' رقص و سرود کی محفلوں میں شرکت کرنے والی' بوائے فرینڈز بنانے کی شوقین' بینظیر بھٹو گھونٹ گھونٹ شیمپین پی کر دل بہلانے کی عادت میں بھی مبتلا تھی اور شیرپاؤ کے بزرگوں کو اس کے ان سارے مشاغل سے آگاہی حاصل تھی۔

نصرت بھٹو کی طرف سے بینظیر اور شیرپاؤ کی شادی کی تحریک سے قبل بینظیر بھٹو جب کبھی پشاور آتی تھی' اس کا قیام صدر پیپلز پارٹی اور گورنر سرحد حیات محمد شیرپاؤ کے

ساتھ ہوتا تھا۔ اس طرح شیرپاؤ کے بزرگوں کو اسے قریب سے دیکھنے کے مواقع مل گئے تھے اور یہ ناممکن تھا کہ وہ آنکھوں دیکھ کر مکھی نگل لیں' پھر جہاں تک حیات محمد شیرپاؤ کا تعلق تھا اور اس تعلق کو اس شادی میں بنیادی اہمیت حاصل تھی' اسے بینظیر بھٹو سے اپنی شادی ناپسند تھی' دراصل وہ بینظیر بھٹو کی عادات و خصائل سے بخوبی واقف تھا اور ان کی روشنی میں اس حتمی نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ وہ اور بینظیر بھٹو شادی کر کے پر مسرت زندگی بسر نہیں کر سکتے۔

حیات شیرپاؤ کے بزرگوں کی طرف سے صاف انکار کے بعد نصرت بھٹو پشاور سے اسلام آباد پہنچی تو مارے غصے اور شرمندگی کے اس کی حالت دگرگوں تھی۔ نصرت بھٹو نے اپنے شوہر ذوالفقار علی بھٹو کو شیرپاؤ کے بزرگوں کے صاف انکار سے مطلع کیا اور ساتھ ہی بینظیر بھٹو کی اس سلسلہ میں بے تابی کا حال بیان کیا تو مسٹر بھٹو کو انتہائی صدمہ ہوا' اور وہ گہرے غور و فکر میں کھو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ بھٹو نے شیرپاؤ کے بینظیر بھٹو سے شادی کے انکار کو اپنی بے عزتی پر محمول کیا۔ وہ جوں جوں اس مسئلہ پر غور کرتا تھا۔ اس کے غصے کی آگ بھڑکتی جاتی تھی' حتیٰ کہ ایک مرحلہ پر اس کا غصہ شباب پر پہنچ گیا۔ اسے اپنی بیٹی بینظیر بھٹو عزیز تھی اور اس سے زیادہ اپنی عزت کا پاس تھا۔ وہ ذہنی طور پر ایک آمر تھا اور دوسرے آمروں کی طرح چاہتا تھا کہ اس کی ہر بات کو "حکم شاہی" سمجھا جائے اور اس کی بے چون و چرا تعمیل کی جائے' شیرپاؤ کے انکار نے اسے انگاروں پر لوٹا رکھا تھا اور وہ مسلسل کئی روز سے اس مسئلہ کو حل کرنے میں کوشاں تھا' لیکن بینظیر بھٹو اور شیرپاؤ کی شادی کا مسئلہ تھا کہ کسی طرح حل ہی نہ ہو پاتا تھا۔ بھٹو اس مسئلے کو حل کرنے میں کوشاں تھا کہ اس کے شیطانی دماغ میں ایک اسکیم ابھری پھر وہ جوں جوں اس سکیم پر غور کرتا' اس پر اس کے مختلف پہلو بے نقاب ہو جاتے اور وہ اسے اپنے لئے زیادہ سے زیادہ سود مند اور مفید مطلب پاتا۔ بمصداق ایک تیر دو نشانے' وہ اپنی اس سکیم سے ایک طرف تو حیات محمد شیرپاؤ سے اپنی بے عزتی کا انتقام لینا چاہتا تھا اور اسے حکم عدولی کی سزا دینا چاہتا تھا اور دوسری طرف اپنے سب سے بڑے دشمن اور اس کی پارٹی کو اپنی راہ سے ہٹانے کا خواہش مند تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کے شیطانی دماغ نے جو سکیم ترتیب دی تھی' اس کے مختلف پہلوؤں پر گہرے غور و فکر کے بعد اسے عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ ہوا' اس سوچے سمجھے منصوبے کے تحت سب سے پہلے تو یہ پروپیگنڈہ شروع ہوا کہ نیشنل عوامی پارٹی کا غیر ملکی طاقتوں سے رابطہ قائم ہے اور اس کے صدر مسٹر ولی خاں پاکستان کے دشمن نمبر اول ہیں اور پاکستان کی تباہی کے درپے ہیں۔

ابھی بھٹو اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مناسب موقع کی تلاش میں تھا کہ ایک روز بیٹھے بیٹھے اس کے جی میں آئی کہ حیات محمد شیرپاؤ کو ایک آخری موقعہ دیں' دراصل اس سے اپنی بیٹی بینظیر بھٹو کی بری حالت دیکھی نہ جاتی تھی' جس نے حیات محمد شیرپاؤ کی محبت سے محرومی کے بعد رو رو کر اپنا برا حال کر لیا تھا۔

بھٹو نے حیات محمد شیرپاؤ کو طلب کیا اور جب شیرپاؤ اس کی خدمت میں حاضر ہوا تو بھٹو نے اسے تحکمانہ لہجہ میں مخاطب کر کے کہا "مسٹر! تم شاید اپنی اصل بھول چکے ہو' تم ایک معمولی پٹھان ہو جسے میں نے زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھا دیا ہے۔ لیکن اب مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ میں تمہیں پہچاننے میں سخت غلطی کا مرتکب ہوا ہوں' تم ایک خاک نشین ہو' اس لے کبھی عرش نشیں نہیں ہو سکتے۔"

"میری غلطی! میرا قصور؟" شیرپاؤ نے نظریں جھکائے ہوئے نہایت دھیمی آواز میں کہا۔

"تم نے میری بیٹی بینظیر کا دل توڑ دیا ہے۔ تم نے میری بے عزتی کی ہے۔ میں تمہیں "بیٹا" کہہ کر پکارتا تھا اور اپنا بیٹا ہی سمجھتا تھا' لیکن تم نے میری شفقت اور میری مہربانیوں کا یہ صلہ دیا ہے کہ میری بیٹی ہی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور میری بے عزتی کے مرتکب ہوئے ہو۔"

سر! بات یہ ہے کہ مس بینظیر ایک مغرب زدہ ماڈرن گرل ہے' جب کہ میرا گھرانہ ابھی دقیانوسی خیالات کا مالک ہے اور میں خود بھی ـــــ"

(سابق بیورو کریٹ اور سیاست دان سردار آصف وردگ نے ایک بار مجھے بتایا کہ دوران طالب علمی اسلامیہ کالج پشاور میں شیرپاؤ کے والد واحد طالب علم تھے جو کالج میں

شرابی اور لواطتی مشہور تھے۔ میرے ایک دوست نے یہی عادت بتا کر ان کا مجھ سے تعارف کروایا تھا۔) بھٹو نے حیات محمد شیرپاؤ کو فقرہ پورا نہ کرنے دیا اور چلا کر بولا!

"کیا کہا میری بیٹی مغرب زدہ ہے اور تم دقیانوسی خیالات کے مالک ہو۔ تمہیں غلط بیانی کرتے ہوئے شرم نہیں آتی' میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں' یہ تم ہی تھے نا' جو شملہ میں میری بیٹی کو ورغلاتے رہے ہو اور اب وہ پوری طرح تمہارے چنگل میں پھنس گئی ہے' تو اس سے آنکھیں چرا رہے ہو' مسٹر' میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں' تم ایک محسن کش انسان ہو' تم نے میری قربانیوں کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اور میری بیٹی پر ڈورے ڈالنے کے بعد اسے دھتکار رہے ہو۔"

بھٹو غصہ میں پیچ و تاب کھا رہا تھا اور شیرپاؤ کی نظروں کے سامنے وہ سارے مناظر گھوم رہے تھے' جن میں بینظیر بھٹو اس کے ساتھ شملہ کے مختلف مقامات پر سیرو تفریح میں مصروف نظر آتی تھی' دراصل ہوا یہ تھا کہ جن ایام میں ذوالفقار علی بھٹو' مسز اندرا گاندھی ،سے مذاکرات کے لئے شملہ گیا تھا' اس کے ہمراہ جو پارٹی تھی' اس میں اس کی بیٹی بینظیر بھٹو اور حیات محمد شیرپاؤ بھی شامل تھے۔ اور پاکستان' بھارت کی سطح کے مذاکرات کے علاوہ "دوسری نوعیت" کے مذاکرات میں مصروف رہا کرتے تھے۔

حیات محمد شیرپاؤ مجبوراً سیرو تفریح کے پروگراموں میں بینظیر بھٹو کے ساتھ شریک تو ضرور ہوتا تھا لیکن اس سیرو تفریح سے لطف اندوز ہونا اس کے بس کی بات نہ تھی' اسے ہر لمحہ یہ فکر ستاتی رہتی تھی کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جو بینظیر بھٹو کو ناگوار گزرے' علاوہ ازیں اسے یہ فکر بھی کھائے جا رہی تھی کہ کسی نے بینظیر بھٹو اور اسے سیروتفریح میں مصروف دیکھ لیا اور بینظیر بھٹو کے والد ذوالفقار علی بھٹو کے کان بھرے تو اس کی پوزیشن مشکوک ہو جائے گی' پھر پتہ نہیں چیئرمین بھٹو پر اس کا کیا ردعمل ہو۔ وہ اپنی بیٹی کا اس کی معیت میں گھومنا پھرنا پسند کرے یا نہ کرے۔

اور آخر کار ایک مرحلہ پر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ کسی نے چیئرمین بھٹو سے لگائی بجھائی کی اور اسے ذہن نشین کرا دیا کہ حیات محمد شیرپاؤ اس کی بیٹی پر ڈورے ڈال رہا ہے اور بینظیر اس کی باتوں پر یقین کر کے اپنا سب کچھ اس پر نچھاور کر چکی ہے' وہ دل و جان

سے شیرپاؤ کو چاہتی ہے اور اب یہ معاملہ اس مرحلہ پر پہنچ گیا ہے کہ اگر چیئرمین بھٹو نے اپنی بیٹی اور شیرپاؤ کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کی تو اس کی بیٹی اپنے باپ کے مقابلہ میں اپنے محبوب کا ساتھ دے گی۔

ذوالفقار علی بھٹو جو اپنے طبقے کی تہذیب کے مطابق نت نئے ارمانوں کا قائل تھا اور اپنی پسندیدہ عورتوں کے ساتھ ناجائز طور پر رنگ رلیاں منانا جائز خیال کرتا تھا' عشق و محبت کے جذبات اور باقاعدہ شادی وغیرہ کو جھنجھٹ قرار دے کر اس سے دور بھاگتا تھا' اسے جوں ہی اپنی بیٹی کے حیات محمد شیرپاؤ سے رومان کی خبر ہوئی' وہ آپے سے باہر ہو گیا' اس نے بینظیر کو سخت سست کہا تو بینظیر نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ وہ حیات محمد شیرپاؤ سے محبت کر کے کوئی گناہ نہیں کر رہی' وہ اسے دل و جان سے چاہتی ہے اور اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے۔

ظاہر ہے بھٹو کو اپنی بیٹی کا یہ جواب کسی صورت پسند نہ آ سکتا تھا۔ لیکن صورت احوال کا تقاضا یہ تھا کہ وہ خاموش رہے۔ لیکن اس کی یہ خاموشی وقتی تھی وہ اپنے ملک سے دور شملہ میں مسز اندرا گاندھی سے مذاکرات کے لئے آیا تھا۔ اس کی ساری توجہ اندرا گاندھی سے معاملات طے کرنے پر مرکوز ہونی چاہئے تھی لیکن وہ اس قماش کا انسان تھا کہ بیک وقت چار چار اور آٹھ آٹھ معاملات میں دخل اندازی ضروری سمجھتا تھا۔ شملہ کانفرنس میں مذاکرات کے ساتھ ساتھ وہ اپنی دیگر پسندیدہ دلچسپیوں میں بھی بھرپور حصہ لیا کرتا تھا۔ شراب وکباب سے جی بہلانے والے بھٹو کو اپنی بیٹی اور حیات محمد شیرپاؤ کے مراسم ایک آنکھ نہ بھائے تھے' لیکن مصلحت کے تحت اس نے اپنی بیٹی کو ڈانٹنے ڈپٹنے پر اکتفا کی تھی البتہ وہ حیات محمد شیرپاؤ سے ناراض ناراض رہنے لگا تھا۔"

میری بہو' گشتی' کنجری اور بدمعاش عورت ہے" اس عنوان سے معروف صحافی جناب مقبول احمد خان لودھی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں۔

"جس روز پانچ جج حضرات نے سپریم کورٹ آف پاکستان کے ججوں کی حیثیت سے حلف اٹھایا' اس تقریب کے خاتمہ پر باہر آتے ہوئے بینظیر کے سسر حاکم علی زرداری سپریم کورٹ میں داخل ہوئے اور سپریم کورٹ کے استقبالیہ کے قریب میرے واقف سے پرانی

واقفیت کی بنا پر ملاقات کی اور بار بار میرے واقف سے کہا کہ "میرے بیٹے کو بچاؤ۔" دوران گفتگو حاکم علی زرداری نے صاف صاف الفاظ میں کہا کہ "میری بہو گشتی، کنجری اور بدمعاش عورت ہے۔ یہ کرپٹ ہے، میرا بیٹا کرپٹ نہیں ہے۔ میرے بیٹے کو بچاؤ۔" ہمارے معاشروں میں سسر اپنی بہو کی عزت کرتا ہے اور آئندہ نسل اسی سے جاری رہتی ہے۔ حاکم علی زرداری کے ان الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ بینظیر بھٹو اپنے سسر کو کس حد تک ناراض کر چکی ہیں۔" آج بینظیر پنکی سے شوہر پرست بن چکی ہے تو ہم یہی کہیں گے کہ صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے یا پھر ناقدین کی نظر سے دیکھیں تو یہی محاورہ ذہن میں آتا ہے کہ "نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی" لیکن اس جنسی بلی نے جو سرکاری خرچ پر اپنے دوسرے دورے اقتدار میں ایک حج کیا بھی تھا وہ بھی بعض علمائے کرائم کے بقول ایک متنازعہ حج تھا کہ موصوفہ سرکاری مصروفیات کا بہانہ کر کے 4/3 روز میں ہی حج سے فارغ ہو آئی تھیں اور فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے ضروری رسوم عبادات بھی پوری نہ کی تھیں۔



آصف علی زرداری

برصغیر پاک و ہند میں مغل حکمرانوں نے اپنے صدیوں پر محیط دور اقتدار میں جس طرح عورتوں کی عصمتوں کو پامال کیا شاید ہی کسی اور ملک کے حکمرانوں نے اس طرح کیا ہو۔ اب جبکہ برصغیر پاک و ہند میں بادشاہت کا سلسلہ ختم ہوئے کافی مدت ہو چکی ہے لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی "شہزادہ" شاہی عہد کی یاد تازہ کرنے اس خطے کے باسیوں پر سوار رہا خصوصاً پاکستان میں تو یہ سلسلہ تواتر سے جاری رہا۔ ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے بعد جب بینظیر بھٹو اپنے مرحوم باپ کے نام پر سیاست کرنے کے لئے ملک میں وارد ہوئیں تو انہیں اس مشرقی معاشرے میں ایک کامیاب سیاستدان بننے کے لئے ایک مرد کے سہارے کی ضرورت تھی۔ سو خاصے غور و خوض کے بعد انہوں نے نے بلوچ خاندان کے ایک جوان کو سر کا تاج بنالیا۔ اس بلوچ مرد کا نام آصف علی زرداری تھا۔ جو مالی اور سیاسی حیثیت سے کسی بھی طرح بھٹو خاندان کے برابر نہ تھا۔ لیکن بھٹو خاندان کا داماد بننے کے بعد اس جوان نے وہ کارنامے دکھائے کہ ان کے سامنے مغلیہ سلطنت کے عیاش شہزادوں کے قصے بھی ماند پڑ گئے۔ جب بینظیر بھٹو وزیر اعظم تھیں تو ان کے شوہر آصف علی زرداری جہاں مالی بدعنوانیوں اور مسٹر تھرٹین پرسنٹ جیسے الزامات لگتے رہے وہاں حوا کی بیٹیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے میں بھی انہوں نے خوب نام کمایا۔ وہ شادی سے پہلے کراچی میں

پلے بوائے مشہور تھے اور اب بینظیر بھٹو کی وزارت عظمیٰ کے باعث انہوں نے اپنی اس شہرت کو ان مقامات پر بھی کیش کرایا جہاں اس سے پہلے ان کے چیک "باؤنس" ہوتے رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مرد اول کی بداعمالیوں کے باعث وزیر اعظم ہاؤس کے اندرونی حصے میں متعدد بار پانی پت کی جنگیں بھی ہوئیں، جن میں بینظیر پر سختی بھی کی گئی، تاہم کئی بار مرد اول کو اسلام آباد سے نکلنا پڑا اور وہ لاہور میں جا کر پنجاب کے ایک چیف سیکرٹری کی بیٹی اور کراچی جا کر وینا حیات اور دیگر دوستوں کے ساتھ غم غلط کرتے رہے۔ اپنے پہلے ایام اسیری میں ان پر سابق وزیر اعظم سندھ جام صادق علی نے خصوصی مہربانیاں کیں جس کے باعث انہیں جیل میں بینظیر بھٹو سے ملاقات کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے زرداری کی ان ملاقاتوں کو ویڈیو میں محفوظ کر لیا جس کے عوض متعدد بار مراعات حاصل کرتے رہے۔ بینظیر کے دوسرے دور میں فوزی علی کاظمی، ذوالفقار مرزا اور دیگر افراد زرداری کے دوست رہے۔

سابق مرد اول آصف علی زرداری نے جہاں کرپشن اور بدعنوانیوں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی وہاں انہوں نے ہوس پرستی میں بھی سابقہ تمام سیاستدانوں اور حکمرانوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ لالی وڈ کی ایک درجن سے زائد معروف اداکارائیں جن میں ریما، نیلی، ریشم، میرا، مدیحہ شاہ، عندلیب، لیلیٰ، صائمہ، نرما اور لاشانہ کے علاوہ دیگر فنکارائیں اور ماڈل گرلز شامل ہیں، جن کے بارے میں یہ شواہد بھی ملے ہیں کہ وہ شون گروپ کے سربراہ ناصر حسین کے بلاوے پر اسلام آباد پہنچائی جاتیں تھیں جہاں نہ صرف ناصر حسین بلکہ آصف علی زرداری اور سابق دور حکومت کی دیگر اعلیٰ شخصیات ان کو داد عیش دیتی رہی ہیں۔ اداکاراؤں کے عزیز و اقارب نے ان تمام سرگرمیوں کو بھونڈا الزام قرار دیا جبکہ سیاسی حلقے اس بات کا بے چینی سے انتظار کرتے رہے کہ پٹاری میں سے کب سابق حکومت کے کرتا دھرتاؤں کی عیاشیوں کے ثبوت سامنے لائے جاتے ہیں۔ آصف زرداری اور اس کے ساتھیوں کو عیاشیوں کے لئے لڑکیاں سپلائی کرنے والے گروہ کے سرغنہ ڈاکٹر اعظم بیگ کا تعلق کراچی سے ہے جس کے پاس ایک چھوٹے سے افریقی ملک سیرالیون کا ڈپلومیٹک پاسپورٹ ہے جبکہ معروف گلوکارہ نازیہ حسن مرحومہ کے شوہر اشتیاق بیگ جو اعظم بیگ کا بھائی ہے، کے

پاس مراکش کا پاسپورٹ ہے۔ مئی 97ء کو اعظم بیگ کو کراچی سے گرفتار کیا گیا جس نے دس صفحات پر مشتمل اپنا ایک تحریری بیان دیا جس میں آصف زرداری' شون گروپ کے مالک ناصر حسین شون اور ان کے دیگر ساتھیوں کی عیاشیوں کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اعظم بیگ نے بتایا کہ یہ لوگ جن اداکاراؤں کے ساتھ عیاشیاں کرتے رہے' ان میں ریما' مدیحہ شاہ' ریشم' میرا' نیلی' عندلیب' صائمہ' حنا' لیلیٰ' ماروی' نتاشا' زما اور لاشانہ شامل ہیں۔ ترجمان نے بتایا کہ اعظم بیگ لاہور' اسلام آباد اور کراچی سے تعلق رکھنے والی معروف نائیکاؤں کے ذریعے گروہ کو خوبصورت لڑکیاں سپلائی کرتا تھا۔ جو نائیکائیں لڑکیاں سپلائی کرتی تھیں' ان میں لاہور کی مسز شمیم مرزا' بشیراں' مسز سیما' اسلام آباد کی ثریا خانم' کراچی کی مسز اقبال یوسف عرف پارو جبکہ لاہور اور اسلام آباد کے دو نوجوان عدنان اور کاشف راجہ سے بھی یہی کام لیا جاتا رہا۔ سابقہ وزیر اعظم بینظیر بھٹو اور آصف زرداری کے بیرونی ممالک میں دوروں سے چند روز قبل یہ معروف اداکارائیں اور خوبرو لڑکیاں ان ممالک میں پہنچ جاتی تھیں۔ استنبول' لندن اور امریکہ میں سابقہ وزیر اعظم کے دوروں کے دوران ان اداکاراؤں کے وہاں جانے اور قیام سے متعلق تمام دستاویزی ثبوت قبضے میں لئے گئے۔ ذرائع کے مطابق آصف زرداری اس وقت کی وزیر اعظم بینظیر بھٹو کے وفد سے اچانک علیحدہ ہو کر ان خواتین کے پاس پہنچ جاتے تھے اور ناصر حسین شون بھی وہیں موجود ہوتے تھے۔ واضح رہے اداکارہ ریما اور دیگر اداکاراؤں کے پاسپورٹوں پر امریکہ' ترکی اور برطانیہ کے لگے ہوئے ویزوں کے دستاویزی ثبوت ہیں۔ اسلام آباد کے میریٹ ہوٹل کے ایگزیکٹو فلور پر 6 کمرے بک کرائے جاتے تھے' جن کا آپس میں درمیانی دروازے کے ذریعے رابطہ ہوتا تھا اور ان کمروں میں 6 خوبرو لڑکیاں ہر رات بٹھا دی جاتیں تھیں۔ آصف علی زرداری میریٹ کے چائنیز ریسٹورنٹ میں آ کر بیٹھ جاتے تھے اور وہاں پر سوپ پینے کے بعد سوئمنگ پول دیکھنے کے بہانے لفٹ کے پاس آ کر لفٹ کے ذریعے اس ایگزیکٹو فلور پر پہنچ جاتے تھے جہاں کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی اور وہ باری باری ان تمام کمروں میں جاتے تھے۔ اعظم بیگ اور اس کا گروپ' فیشن شو کے نام پر معصوم لڑکیوں کو لا کر انہیں اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرتا تھا۔ اعظم بیگ نے

اپنے بیان میں یہ بھی انکشاف کیا کہ شون گروپ کے مالک ناصر حسین کے 5 سے زائد لڑکیوں کے ساتھ تعلقات تھے۔ اداکارہ ریما کے پاسپورٹ پر سابق وزیر اعظم بینظیر بھٹو کے ترکی' برطانیہ اور امریکہ کے دوروں کے دوران ان ممالک کے ویزے لگے ہوئے ہیں اور پاسپورٹ پر ان کے والد کا نام ڈاکٹر اکمل خان لکھا ہوا ہے اور اس کی تاریخ پیدائش 1971ء بتائی گئی ہے۔ تاہم بینظیر بھٹو کو آصف زرداری کی عیاشیوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ نامور فلمی اداکاراؤں کا رسیا ارب پتی بزنس مین شون گروپ کے سربراہ ناصر حسین کی ہوس پرستی نے اس کی نیک' پرہیز گار سلیقہ شعار بیوی فرح ناصر' دو بیٹوں اور دو بیٹیوں کو دربدر کر کے ان کی زندگی جہنم بنا دی اور ریما کے عشق اور اصرار نے ناصر حسین کو اتنا دیوانہ بنا دیا کہ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دینے پر بھی رضامند ہو گیا تھا۔ پیسے کی ہوس کا شکار ان نام نہاد شریف زادی فلمی اداکاراؤں کو مفت کی لاکھوں آمدنی اور نئی نئی کوٹھیوں' کاروں اور بیرونی ممالک کے مفت دوروں کے لالچ نے ریما' نیلی' میرا' لیلیٰ' صائمہ اور ریشم کو ایک دوسرے کا جانی دشمن بنا دیا اور مذکورہ اداکارائیں ناصر حسین کی ایک منٹ کی قربت حاصل کرنے اور اسے صرف اپنا بنانے کے لئے ناصر حسین کو ایزی



ناصر شون

کسٹمر (EASY CUSTOMER) سمجھتی تھیں اور ناصر حسین کا دل جیتنے کے لئے اسے ہر طرح سے خوش کرنے کی کوشش کرتیں۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جام صادق کے دور حکومت میں جب جام معشوق کا بھی ریما سے یارانہ چل رہا تھا' اسی دوران ناصر حسین نے کراچی کے کھلے سمندر میں ایک بحری جہاز کرائے پر لے کر اس کی خوب سجاوٹ کروائی' جہاں اس نے اپنے ایک حامی سیاسی و بزنس مین دوست کے لئے نیلی' ریما اور اس کی پارٹنرز کے مجرے کا اہتمام کیا' جس کے بعد جام معشوق اور ناصر حسین کے درمیان تصادم ہوا' جیسا کہ ماحول پیدا ہو گیا تھا' اور اس کے بعد ریما کو جام معشوق کے ڈیرے پر ایک اذیب ناک صورت حال سے بھی گزرنا پڑا جس کے بعد ریما تین ہفتے ہسپتال میں زیر علاج رہی۔ علاوہ ازیں جب ناصر حسین چوبیس گھنٹے ریما کے ساتھ گزارنے لگا اور اس کے عشق میں اپنے بیوی بچوں سے لاتعلق ہو گیا تو ناصر حسین کی بیوی نے ایک بزرگ سے رابطہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ ریما نے ملتان کے ایک عامل کے ذریعے ناصر حسین پر کالا جادو کیا ہوا ہے۔ تاہم بعد میں جب اس کی بیوی نے ناصر حسین کو حقیقت سے آگاہ کیا تو ناصر حسین نے ریما کے عشق میں اپنی بیوی کو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ اسے تو چھوڑ سکتا ہے ریما کو نہیں' جس پر ناصر کی بیوی نے اس کو بچوں کا واسطہ دے کر کہا کہ تم ریما کو چھوڑ دو' وہ پیسے کے لالچ میں اندھی ہو کر ہماری جانوں کی دشمن بن گئی ہے۔ تم کسی اور سے دوستی کر لو مجھے قبول ہے لیکن ریما کو چھوڑ دو۔ ریما' نیلی' صائمہ' میرا' لیلیٰ اور ریشم کی کسی وجہ سے عدم موجودگی یا عدم دستیابی پر ناصر' نرما' لاشانہ' عندلیب' ماروی اور نتاشا سمیت بیک وقت دو دو تین تین اداکاراؤں کو صرف ایک ٹیلی فون کال پر طلب کر لیتا۔ جبکہ وہ ان اداکاراؤں کو اپنے خاص دوستوں کو خوش کرنے کے لئے بھی انہیں تحفہ کے طور پر بھیج دیا کرتا تھا۔ اکثر اوقات وہ گاہے بگاہے اپنی پسند کی ہیروئنوں کو چائنیز پر ڈنر کے لئے بھیج دیا کرتا تھا اور ناصر حسین کی اس فراخ دلی کو دیکھتے ہوئے مذکورہ اداکارائیں ناصر کی ایک فون کال پر ضروری سے ضروری شوٹنگ ادھوری چھوڑ کر چلی جاتی تھیں جبکہ بعض اوقات اگر ناصر بیرون ملک سے انہیں کال کرتا تو وہ تتلیاں بارہ گھنٹوں کے دوران ہی اپنے سب سے قیمتی سپانسر کے پاس اڑ کر پہنچ جایا کرتی تھیں جبکہ فلم سازوں اور گھر والوں کو کانوں کان خبر بھی



اداکارہ لیلیٰ

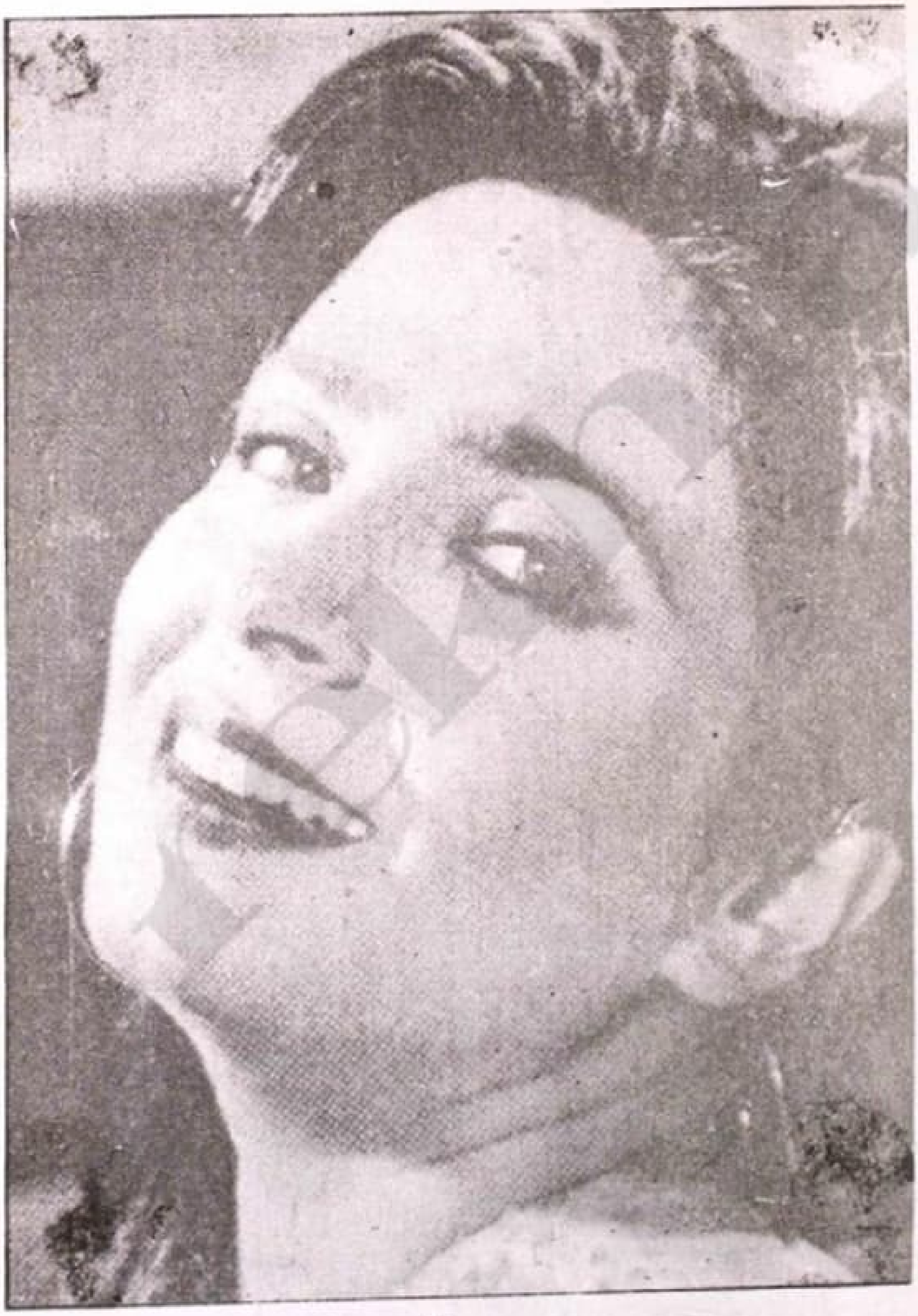
نہیں ہوتی تھی۔' ریما' میرا' لیلیٰ' صائمہ اور ریشم اکثر اوقات ناصر حسین کو ٹیلیفون کر کے اور جھوٹا رونا رو کر اپنی سچی محبت کا یقین دلاتیں اور ناصر سے گلہ کرتیں کہ وہ دوسری اداکاراؤں میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہے۔ کیا میں تمہاری ہر خواہش کو پورا نہیں کرتی یا مجھ میں دیگر کے مقابلے میں کوئی کمی ہے!

بلیو ایریا اسلام آباد میں ٹیکس فری پلازہ پر پولیس نے چھاپہ مار کر آصف علی زرداری کے قریبی ساتھی فوزی علی کاظمی اور مشہور اداکارہ زارا اکبر کو شراب کے نشہ میں دھت رنگ رلیاں مناتے ہوئے گرفتار کر لیا۔ گرفتاری کے وقت ایک ٹرالی پر قیمتی شراب کی متعدد بوتلیں' بیئر کے ڈبے پڑے ہوئے تھے۔ جبکہ دونوں گلاسوں میں شراب بھری ہوئی

تھی اور کمرے میں ٹی وی' وی سی آر پر بلیو فلم چل رہی تھی۔ ایس ایس پی راجہ الطاف حسین کی ہدایت پر ایس ایچ او گلفام ناصر وڑائچ اور سب انسپکٹر غلام مصطفیٰ نے مشترکہ چھاپہ مارا۔ دونوں ملزمان لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ فوزی کاظمی نے فوری طور پر موبائل پر کسی سے فون کرنے کی کوشش کی مگر ایس ایچ او نے منع کر دیا۔ چھاپے میں چند ایسے شواہد بھی پائے گئے جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ پولیس کے آنے سے قبل چند اور لوگ بھی موجود تھے جو موج میلہ منا رہے تھے۔ پولیس نے ان دونوں کے خلاف امتناع منشیات آرڈیننس کے تحت مقدمہ درج کر لیا۔ بعد ازاں دونوں کا پولی کلینک اسلام آباد سے طبی معائنہ کروایا گیا۔ میڈیکل افسر نے فوزی کاظمی کو شراب کے نشہ میں اور زارا اکبر کو ہوش و حواس کی حالت میں قرار دیا۔ بعض اطلاعات کے مطابق زارا کو مے نوشی کے الزام سے بچانے کے لئے اثر و رسوخ استعمال کیا گیا۔ فوزی کاظمی کو 14 دن کے عدالتی ریمانڈ پر جیل بھجوا دیا گیا۔ جبکہ سٹی مجسٹریٹ اسلام آباد ملک ظفر اقبال اعوان نے فوری طور پر اداکارہ زارا اکبر کو پچاس ہزار روپے کے مچلکے داخل کرنے پر ضمانت پر رہا کر دیا۔ جبکہ انسپکٹر سہگل نے عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر نے اپنی رپورٹ میں زارا اکبر کو حاملہ قرار دیا ہے۔

زارا اکبر کے والد میاں اکبر نے کہا کہ پارٹیوں میں سب شراب پیتے ہیں۔ زارا نے پی لی تو کون سا جرم کیا۔ زارا اکبر کے گھر واقع بیدیاں روڈ کینٹ جب رابطہ کیا گیا تو ان کی والدہ نے جو سیاہ دھوتی کرتہ پہنے ہوئے تھیں کہا مجھے نہیں معلوم کہ میری بیٹی گرفتار ہو گئی ہے۔ انہوں نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا کہ "کڑی تے کم تے گئی سی' کیہڑے نامراداں پھڑ لیا۔"

اداکارہ زارا اکبر نے کہا کہ میرے خلاف اس لئے کارروائی ہوئی کہ میں نے چھاپہ ڈلوانے والوں کی "بات" نہیں مانی۔ اگر کوئی میرے عشق میں خود بخود مبتلا ہو جائے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ زارا نے کہا کہ میں نے شراب نہیں پی ہوئی تھی لیکن پھر بھی کہتی ہوں کہ ایسا کون ہے جو شراب نہیں پیتا۔ مجھے بتائیں کتنے وزیر' کتنے ایم این اے اور کتنے ایم پی اے ہیں جو شراب سے شغل نہیں کرتے۔ پولیس نے جن لوگوں کے کہنے پر میرے



اداکارہ نیلی

گھر پر چھاپہ مارا ہے انہی میں سے ایک نے لاہور میں 17 دسمبر 1996ء کو میری سالگرہ کی پارٹی پر آنے میں یہ شرط عائد کی تھی کہ میں انہیں سوڈے کی بوتل میں شراب ملا کر پلاؤں۔ میں نے انکار کیا مگر وہ نہ مانے۔ زارا اکبر نے کہا کہ شراب تو آج کل سب ہی تھوڑی بہت پیتے ہیں اور اسلام آباد میں اکثر مقامات پر شراب چلتی ہے۔ ضمانت پر رہا

ہونے کے بعد اخبار نویسوں سے باتیں کرتے ہوئے اداکارہ نے کہا کہ وہ ایک روشن خیال اور حقیقت پسند لڑکی ہے۔ جو اس سماج میں رائج تمام روایات سے نبٹنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ اداکارہ نے کہا کہ اسے اس واقعہ سے قطعاً کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ ضمانت پر رہا ہونے کے بعد زارا اکبر فوری طور پر لاہور آگئی اور پھر اگلے دن بدھ کو صبح ہی پرواز سے واپس اسلام آباد چلی گئی۔ اس دن اسلام آباد میں ایک وفاقی وزیر کے ساتھ زارا اکبر نے ان کے دفتر میں صبح 9 بج کر 10 منٹ پر ملاقات کی اور کہا کہ آپ جج کو فون کریں کہ جمعرات کو ہر حال میں فوزی کاظمی کو رہا کر دیں ورنہ بہت برا ہو گا۔ اس کے بعد زارا اکبر تھانہ کوہسار اسلام آباد گئی اور جمعرات کو ہونے والی سماعت کے بارے میں پولیس آفیسر سے کہا کہ وہ صبح سویرے ریکارڈ لے آئیں تاکہ فوزی کی ضمانت ہو جائے۔ جیل میں اگر فوزی کاظمی کو کچھ ہوا یا کسی نے اس کے ساتھ زیادتی کی تو میں اوپر تک جاؤں گی۔

ضمانت کی منظوری کے بعد تفتیشی افسر نے دونوں کو مجسٹریٹ کے ریٹائرنگ روم میں بلایا اور وہاں سے ان کو گھر بھجوا دیا۔ زارا اکبر کو فوزی علی کاظمی کے دوست اپنی کار میں



اداکارہ زارا اکبر

لے گئے جبکہ ایک اور نئے ماڈل کی کار میں فوزی کاظمی کو جیل پہنچا دیا گیا۔ زارا اکبر کو رات کے وقت ویمن تھانہ میں ایک تفتیشی افسر کے کمرے مین رکھا گیا۔ جہاں پر اس کے

پاس موبائل فون اور دیگر پر تکلف خوردونوش کی اشیاء موجود تھیں۔ رات وہ ایک ''مہمان خانے'' میں رہیں ان کے لئے ناشتہ ایک فائیو سٹار ہوٹل سے منگوایا گیا۔

اس واقعہ پر اپنا رد عمل ظاہر کرتے ہوئے اس وقت کے وزیر داخلہ چودھری شجاعت حسین نے کہا کہ ''جس کام پر پولیس نے زارا اکبر اور فوزی کاظمی کو گرفتار کیا ہے۔ یہ کام کہاں نہیں ہو رہا اور کون نہیں کر رہا۔ انہوں نے کہا کہ یہ بڑی زیادتی ہے' یہ نہیں ہونا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اس آپریشن کے لئے نہیں کہا تھا۔ خدا جانے یہ کس کے کہنے پر کیا گیا' انہوں نے کہا کہ یہ جوڑا نہ تو کسی کو تنگ کر رہا تھا اور نہ ہی وہ کوئی جرم کر رہے تھے نہ ہی انہوں نے غل غپاڑہ کیا ہے اور نہ ہی امن و امان کا کوئی مسئلہ پیدا کیا ہے۔ اس لئے ان کی پرائیویٹ جگہ پر چھاپہ مارنا درست نہیں بلکہ پولیس نے انہیں خوف زدہ کر کے خود جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ ان سے زیادتی ہوئی ہے۔ میں کراچی سے واپسی پر اس سلسلہ میں وزیر اعظم میاں نواز شریف سے بات کروں گا۔''

زارا اکبر نے کہا کہ چودھری شجاعت نے میرے جذبات کی ترجمانی کی ہے مجھے ان کے بیان سے خوشی ہوئی ہے کیونکہ شراب کون نہیں پیتا۔ پکڑنے والے اپنے گریبان میں جھانکیں انہوں نے کہا کہ ایس ایچ او نے مجھ سے معذرت کی ہے۔ دریں اثنا حکومت نے ایس ایچ او کو جنوبی افریقہ ڈیپوٹیشن پر بھجوا دیا۔ جہاں وہ سرکاری فرائض سرانجام دیں گے۔

اس طرح برطانیہ میں پاکستان کے ہائی کمشنر میاں ریاض سمیع نے کہا تھا کہ قرآن پاک میں کس جگہ لکھا ہے کہ ''شراب حرام ہے۔'' ریاض سمیع کے بیان پر رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے کہا اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم ﷺ نے شراب کو حرام قرار دیا ہے اور تین مقامات پر اس کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ انہوں نے کہا حکومت ہائی کمشنر کے خلاف تادیبی کارروائی کرے۔ معروف عالم دین حافظ عبدالرحمن مدنی نے کہا ریاض سمیع کا بیان ان کے اسلام سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے۔ حکومت کو چاہئے ایسے شخص کو فوری طور پر برطرف کر کے کارروائی کی جائے۔ جے یو آئی کے رہنماؤں مولانا



اداکارہ ریما

امجد خان' رشید لدھیانوی اور مولانا جمیل الرحمان درخواستی نے اپنے مشترکہ بیان میں کہا ہائی کمشنر کو فوری طور پر واپس بلا کر ان پر مقدمہ چلایا جائے۔ کیونکہ ایسے سفارتکار ملک اور اسلام کے لئے بدنامی کا باعث بنتے ہیں اور یہ سب کچھ سازش کے تحت کیا جا رہا ہے۔ اگر حکومت نے فوری طور پر ایکشن نہ لیا تو ہم سمجھیں گے یہ بیان دلوانے میں حکومت کی مرضی شامل ہے۔ مرکز الدعوۃ و الارشاد کے مرکزی رہنما حافظ عبدالسلام نے کہا دین اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے بعض شرپسند عناصر نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ حکومت کو اپنے بیانات پر فوری ایکشن لینا چاہئے۔ شباب ملی پاکستان کے صدر' جماعت اسلامی صوبہ سرحد کے نائب امیر شبیر احمد خان' سیکرٹری جنرل شباب ملی اور جماعت اسلامی پاکستان کے مرکزی رہنما حافظ سلمان بٹ نے مشترکہ بیان میں ہائی کمشنر میاں ریاض سمیع کی فوری برطرفی کا مطالبہ کیا۔ قائدین شباب ملی نے کہا سپیکر قومی اسمبلی کی غیر اسلامی حرکات اور فوٹو اخبارات میں آچکے ہیں اور منصوبہ بندی کی وفاقی وزیر سیدہ عابدہ حسین نے غیر اسلامی اور غیر شرعی باتیں کرنے کو معمول بنالیا ہے' اس لئے ہم وزیر اعظم نواز شریف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے وزراء مشیروں اور سفیروں کو قرآن و سنت کی تعلیم سے روشناس کرائیں اور غیر اسلامی اور غیر شرعی کام کرنے اور یہودی لابی کے ایجنٹوں کو فوری برطرف کریں ورنہ قوم ان کا خود احتساب کرے گی۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ قرآن میں شراب پر ممانعت کے واضح احکامات کے باوجود ہمارے مغرب زدہ سفارت کار لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کر کے اسلام سے دوری کا ذریعہ بن رہے ہیں جو انتہائی افسوس ناک ہے۔ لہٰذا حکومت ان حرکتوں کا سختی سے نوٹس لے جو پاکستان اور اسلام کی بدنامی کا باعث بن رہی ہیں۔ پیر سید محمد کبیر علی شاہ سجادہ نشین چورہ شریف نے کہا کہ پاکستانی ہائی کمشنر ریاض سمیع کا بیان انتہائی قابل اعتراض اور ان کی یہ حرکت ناقابل معافی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس قسم کے لوگ ایک اسلامی مملکت کے لئے بدنامی کا باعث ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ یورپی ممالک میں خاص طور پر اسلام دوست لوگوں کو سفیر بنا کر بھیجا جائے تاکہ وہ پاکستان کی صحیح نمائندگی کر سکیں۔



اداکارہ نرما -

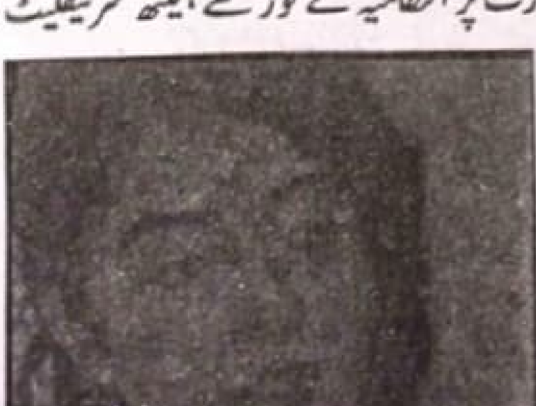
زارا اکبر اور فوزی کاظمی کی شراب نوشی کی حالت میں گرفتاری کو شوبز سے تعلق رکھنے والے افراد نے سیاسی انتقام قرار دیا۔ ان حلقوں کے مطابق اسلام آباد میں شراب نوشی کثرت سے کی جاتی ہے اور اس سے قبل بے شمار فنکار بھی نشہ کی حالت میں گرفتار ہو کر رہا ہو چکے ہیں لیکن کبھی کسی فنکار کی اتنی کردار کشی نہیں کی گئی۔

ضمانت کے بعد زارا اکبر دبئی چلی گئی۔ جہاں بطور کلب ڈانسر ملازمت اختیار کر لی۔ کچھ عرصہ قبل وہ واپس لوٹ آئی اور آج کل دوبارہ ٹی وی ڈراموں میں نظر آ رہی ہے۔

12 ستمبر 1999ء کو شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق آصف علی زرداری کے دست راست اور شون گروپ کے چیف ایگزیکٹو ناصر شون نے اداکارہ ریما کو ساڑھے 12 لاکھ کا ہیروں کا ہار خرید کر دیا۔ بتایا گیا کہ اداکارہ ریما کالی لینڈ کروز میں ناصر شون کے ہمراہ ایمپائر سنٹر میں واقع کیرٹ جیولرز میں گئی اور اس نے وہاں سے ساڑھے 12 لاکھ کا ہیروں کا ہار لیا۔ اس ہار کے لئے 5 لاکھ روپے ایڈوانس دیئے گئے تھے۔

جیولر کو ساڑھے چھ لاکھ روپے کے 25 ہزار روپے کے پرائز بانڈ اور ایک لاکھ روپے نقد دیئے گئے۔ ریما نے ہیروں کے ایک اور ہار کا آرڈر دیا۔ جس کی قیمت 21 لاکھ روپے ہے۔ دوسرے ہار کے لئے آٹھ لاکھ روپے کے 25 ہزار روپے کے پرائز بانڈ ایڈوانس کے طور پر دیئے گئے۔ یاد رہے کہ ناصر شون کو ملکی خزانہ لوٹنے کے الزام میں عدالتوں کی طرف سے اشتہاری قرار دیا جا چکا ہے۔ قارئین کرام اندازہ لگائیں کہ ملکی دولت لوٹ کر لٹیروں نے کن کاموں پر صرف کی۔

فلم ''جان جان پاکستان'' سے فلمی کیریئر کا آغاز کرنے والی اداکارہ نور کینیا میں ناصر شون سے ملاقات کرنے کے بعد جولائی 1999ء میں جب وطن واپس کراچی ایئرپورٹ پر پہنچی تو ذرائع کے مطابق نور کے پاؤں سوجے ہوئے تھے اور اسے چلنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ انتظامیہ نے اسے فوراً آغا خاں ہسپتال پہنچا دیا' جہاں اس کے ایڈز سمیت تمام ٹیسٹ کئے گئے۔ ایئرپورٹ پر انتظامیہ نے نور سے ہیلتھ سرٹیفکیٹ مانگا تو اداکارہ سرٹیفکیٹ



شرمیلا فاروقی

نہ دکھا سکی جس پر ایئرپورٹ انتظامیہ نے اسے فوری طور پر ہسپتال پہنچا دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نور نے کینیا میں ناصر شون سے ملاقات کرنے کے پانچ لاکھ روپے وصول کئے۔ واضح رہے کراچی ایئرپورٹ پر افریقہ سے آنے والے ہر شخص کا طبی معائنہ ضرور کیا جاتا ہے۔

حروں کے روحانی پیشوا پیر پگاڑا کے بیٹے سید گوہر علی راشدی نے کہا کہ میرے اور میری بیوی آنسہ قمر کے درمیان اختلافات آصف زرداری نے پیدا کئے۔ اس سلسلے میں آصف زرداری کی غیر مصدقہ دوسری بیوی سابق چیف سیکرٹری پنجاب اسلم حیات قریشی کی بیٹی ثانیہ قریشی سے میری بیوی کی دوستی نے اہم کردار ادا کیا۔ وہ گزشتہ روز گارڈین جج چودھری محمد دین بسرا کی عدالت میں اپنے دونوں بچوں سے دو سال کی لاتعلقی کے بعد پہلی بار ملاقات کے موقع پر اخبار نویسوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ آنسہ قمر سے صلح کے سوال پر انہوں نے کہا کہ جس کے تعلقات آصف زرداری کے قریبی دوستوں سے ہو جائیں اس سے صلح کرنے سے بہتر ہے کہ خودکشی کر لوں۔ آصف زرداری نے ملک کی طرح ہماری گھریلو زندگی بھی برباد کر دی اور اب میرا مسئلہ گھریلو نہیں رہا بلکہ سیاسی بن چکا ہے لہٰذا ہمارا ملنا ممکن نہیں ہے۔

اسلام آباد پولیس کی جانب سے جعلی کرنسی سکینڈل میں گرفتار کئے جانے والے بدنام زمانہ ٹھگ رانا بنارس کے فلم انڈسٹری کی چند خوبصورت ترین اداکاروں کے پس پردہ بھیانک روپ کے بارے میں حیرت انگیز انکشافات ہوئے ہیں جس سے نگار خانوں میں ہلچل مچ گئی اور متعلقہ اداکاراؤں کی رات کی نیندیں حرام ہو گئیں۔

"الاخبار" کے مطابق رانا بنارس نے انکشاف کیا ہے کہ سابق حکومت کے دور میں حکومتی جماعت کے اہم ترین عہدیدار آصف علی زرداری کی وجہ سے اس کے تعلقات فلمسٹار ریما سے کشیدہ ہو گئے تھے۔ ایک موقع پر جب مذکورہ شخص نے ڈیڑھ لاکھ کے ریٹ کے برعکس ریما کو ساڑھے 3 لاکھ روپے میں بک کیا تو میرے لئے یہ غیرت کا مسئلہ بن گیا اور میں نے ساڑھے 4 لاکھ روپے ادا کر کے ریما کو اسلام آباد جانے سے روک دیا۔ رانا بنارس نے بتایا کہ اس واقعہ کا علم جب زرداری کو ہوا تو وہ میری جان کا دشمن بن گیا



اداکارہ ماروی

اور مجھ پر کئی قاتلانہ حملے کرائے۔ رانا بنارس نے انکشاف کیا کہ اس کی بربادی میں چنچل ریما، کمسن صاحبہ، دلکش مدیحہ اور پری چہرہ صائمہ کا بڑا ہاتھ ہے۔ رانا بنارس نے بتایا کہ

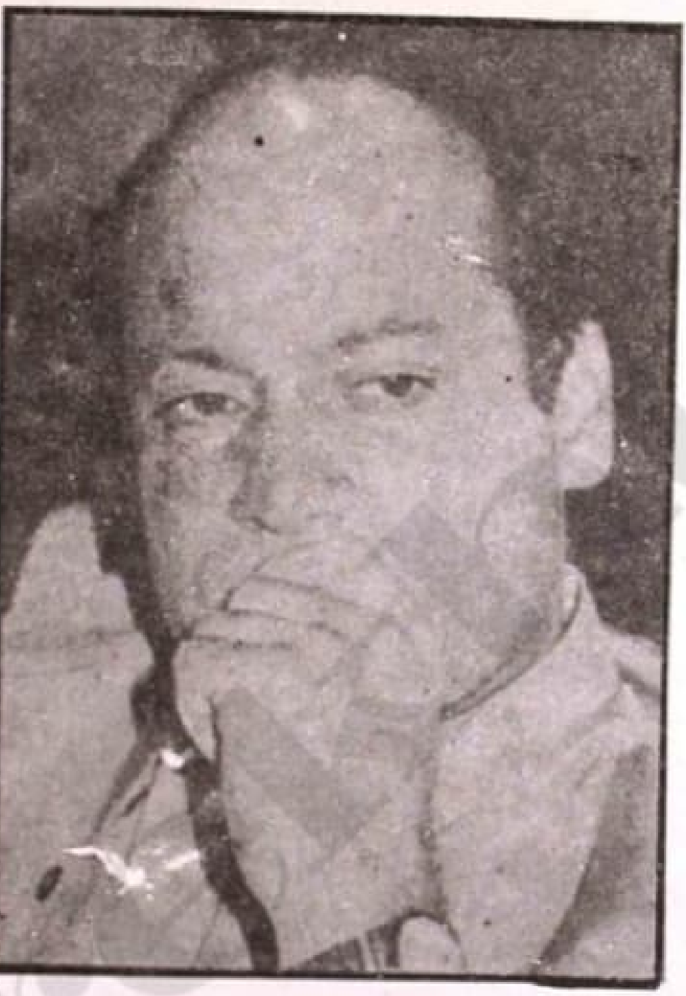


اداکارہ صائمہ

میرے پاس پیسے آنے کی دیر تھی کہ لاہور کے چند بڑے فلمساز دوستوں کی معرفت یہ تمام ہیروئنیں پکے ہوئے پھل کی طرح میری جھولی میں آگریں۔ یہ اداکارائیں مجھ سے سچی محبت کی قسمیں کھاتی تھیں۔ صاحبہ کی ماں نے مجھے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا اور مجھے اپنی بیٹی کے مستقبل کا سہارا قرار دیتی تھی۔ میں نے متعدد مرتبہ ایک رات کی محبت کے لئے

صاحبہ' ریما' صائمہ اور مدیحہ کو ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ دیا۔ ریما سے تو میری شادی کی بات بھی چل رہی تھی اور میں نے اسے شادی کے وعدے پر ہی حال میں 45 لاکھ روپے کی مالیت کی ہیروں کی انگوٹھی لے کر دی تھی' اس کے علاوہ میں نے ریما کے بینک اکاؤنٹ میں 25 لاکھ روپے جمع کرائے تھے۔ ایک برانڈ نیو پجارو' ٹویوٹا کار بھی خرید کر دی تھی۔ بنارس کے مطابق بھارت کی مشہور ہیروئن ریکھا سے بھی اس کی دوستی تھی اور گزشتہ سال دبئی کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں ریکھا کے ساتھ کئی شامیں گزاریں جن کے لئے تمام اخراجات کے علاوہ نقد 5 لاکھ روپے بھی دیئے۔ رانا بنارس نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا کہ میں نے اپنی تمام جمع پونجی فلم انڈسٹری کے ان خوبصورت چہروں پر نچھاور کر دی لیکن آج سب مجھ سے دور ہیں۔

اس نے کہا کہ گزشتہ 15 سال کے دوران میں نے 80 کروڑ روپے سے زائد کا فراڈ کیا ہے جس سے میں نے صرف مظفر آباد میں اپنے لئے دو کنال کی کوٹھی بنائی ہے اور باقی رقم اپنی حسرتیں پوری کرنے پر اڑا دی۔ رانا بنارس نے کہا کہ اس ملک میں ہر مال بکاؤ ہے' بڑے بڑے سیاسی رہنما اور شرافت کے لبادوں میں ملبوس شخصیات کے اندرون خانہ کیا گھناؤنے کھیل ہیں اگر ان سے پردہ اٹھا دوں تو آدھے سے زیادہ سیاست دان عوام کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔



میاں نواز شریف

پاکستان کے سب سے معصوم اور شریف وزیرِاعظم جن کو بعض مسلم لیگی کارکنوں نے قائداعظم ثانی قرار دیا نے قومی خزانے کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا اور اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے سلسلے میں جس بے دریغ طریقے سے لٹایا اس کی تفصیلات سے اب عوام بخوبی واقف ہو چکے ہیں۔ معزول وزیرِاعظم میاں محمد نواز شریف ہماری قومی سیاست پر چمکنے والا ایسا ستارہ ہے جو نہایت مختصر عرصہ میں فوج کے ذریعے بام عروج تک پہنچا۔ دو مرتبہ وزیرِاعظم کے عہدے پر فائز رہنے کے بعد میاں صاحب 12 اکتوبر 1999ء کو فوج کے ہاتھوں ہی زیر ہونے کے بعد آج کل پس دیوار زنداں تقدیر کے فیصلوں کے منتظر ہیں۔ یار لوگوں کا کہنا ہے کہ میاں صاحب نے فوج کے ہاتھوں سیاسی میدان میں پرورش پائی اور جب انہوں نے اپنے پالنے والوں کو ہی آنکھیں دکھائیں تو انہوں نے ان کے "عروج" کو

زوال" میں بدل دیا۔ میاں نواز شریف کے بطور وزیر اعظم دونوں ادوار اور وزارت اعلیٰ پنجاب کا عہد نہایت متنازعہ فیصلوں کے باعث مدتوں یاد رکھا جائے گا۔ کیونکہ وزارت اعلیٰ اور وزارت عظمیٰ کے ادوار میں میاں صاحب پر اپنوں کو نوازنے، پلاٹوں کی تقسیم، اقربا پروری، حکومتی سودوں میں کک بیکس اور کمیشن، رائیونڈ محل کی سرکاری خرچ سے تعمیر، قرضے ہڑپ کرنے اور دیگر کئی مالی اور انتظامی بے ضابطگیوں کے الزامات لگے۔ میاں نواز شریف کی سب سے بڑی کامیابی میڈیا کا استعمال تھا۔ میڈیا ہی ایسا ذریعہ ہوتا ہے جو رہنما کی اصل شکل کو عوام کے سامنے پیش کرتا ہے۔ لہٰذا میاں صاحب نے میڈیا مینجرز کی ایسی ٹیم تیار کی جنہوں نے انہیں "میڈ ان پاکستان" اور "اسلام کا سپوت" مشہور کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ ان کی میڈیا ٹیم میں ایسے افراد شامل تھے جن کی ملک بھر کے ذرائع ابلاغ پر مکمل نہیں تو بہت بڑی حد تک گرفت تھی۔ لہٰذا انہوں نے میاں محمد نواز شریف کی زندگی کا صرف ایک ہی رخ عوام کے سامنے پیش کیا اور وہ ایک نیک، پاکباز، صالح اور درد دل رکھنے والے حکمران کا رخ تھا۔ ہزار احتیاط کے باوجود کبھی کبھار کوئی نہ کوئی خبر میاں صاحب کے اصل کردار کے بارے میں نکل بھی آتی تو ان کی میڈیا ٹیم اس "سرعت" کے ساتھ اس کا جواب پیش کرتی کہ اس کی صداقت مشکوک ہو جاتی۔ گوبلز نے کہا تھا " جھوٹ بار بار اور تواتر سے بولو تاکہ لوگ اس کو سچ سمجھنا شروع کر دیں۔" میاں صاحب کی ٹیم نے اس فارمولے پر مکمل طور پر عمل کیا۔ عام زندگی میں نواز شریف کو معصوم اور سیدھا سادھا انسان گردانا جاتا ہے اور لوگ انہیں انتہائی شریف سمجھتے ہیں مگر حقیقت میں ان کی زندگی بھی دیگر شہرت پسند سیاستدانوں سے مختلف نہیں تھی۔ صنف نازک کی کافرانہ اداؤں کی وہ بھی کھل کر داد دیا کرتے تھے۔ حسن و عشق ان کی گھٹی میں رچا بسا ہوا تھا۔ 12 اکتوبر کو جب فوج نے ٹیک اوور کیا اور پرائم منسٹر ہاؤس کی تلاشی لی گئی تو برآمد ہونے والی دیگر اشیاء کے ساتھ عیاشی کے سامان کی طویل فہرست بھی شامل تھی۔ جس میں راتوں کو رنگین بنانے کے لئے خصوصی بستر، فحش فلمیں، "مخصوص لحات" کو طویل تر کرنے والی مشہور و معروف گولیوں "ویاگرا" کی بڑی تعداد شامل تھی۔ میاں صاحب نے پرائم منسٹر

ہاؤس کو باقاعدہ ایک شاہی دربار کی شکل دے رکھی تھی۔ جہاں "حضور عالم پناہ" کی طبیعت خوش کرنے کے لئے بھانڈ، موسیقی سے لطف اندوز ہونے کے لئے گلوکاروں کی محفلیں سجا کرتی تھیں۔ نواز شریف اپنے ان مصاحبین کی دل کھول کر امداد کیا کرتے تھے۔ نواز شریف کی اسی فیاضی کا تذکرہ معروف دانشور و صحافی نجم سیٹھی نے اپنے ایک انٹرویو میں کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ "معروف گلوکارہ طاہرہ سید کو نواز شریف کے قریبی ساتھی سینیٹر سیف الرحمان کی کمپنی "ریڈکو" کی جانب سے ہر ماہ 5 لاکھ روپے ملتے تھے۔"

پرکشش کتابی چہرہ، جھیل سی گہری آنکھیں اور صراحی دار دراز گردن کی مالک طاہرہ سید ایک طویل عرصہ تک نواز شریف کے دل کی راجدھانی پر حکمرانی کرتی رہی۔ خاص طور پر نواز شریف کے پہلے دور حکومت میں طاہرہ سید کو پرائم منسٹر ہاؤس میں "خاتون اول" کا درجہ حاصل تھا۔ دونوں کے "پیار" کے قصے ایک عرصہ زبان زد عام رہے۔ طاہرہ سید معروف قانون دان اور کمپیئر نعیم بخاری کے عقد میں ہونے کے باوجود نواز شریف کی راتیں رنگین بناتی رہی۔ بہت کوشش کے باوجود بھی جب نعیم بخاری طاہرہ سید کو راہ راست پر نہ لا سکے تو بات طلاق کی صورت اختیار کر گئی اور یوں میاں نواز شریف کی عیش پرست طبیعت نے ایک ہنستا کھیلتا گھرانہ برباد کر دیا گو کہ اس کے بدلے طاہرہ سید کو بہت سے مالی فوائد حاصل ہوئے۔ میاں صاحب نے مری میں پنجاب ٹورازم ڈویلپمنٹ کارپوریشن کی چیئر لفٹ طاہرہ سید کو دے دی جس سے انہیں روزانہ ہزاروں روپے آمدن ہوتی تھی۔ لیکن جب 1993ء میں بینظیر کی حکومت اقتدار میں آئی تو انہوں نے طاہرہ سید کو اس سہولت سے محروم کر دیا۔ طاہرہ اور نواز کے عشق نے نعیم بخاری کے گھر کو تو جلا کر راکھ کر دیا لیکن جب اس عشق کی تپش خود میاں صاحب کے گھر میں محسوس کی جانے لگی تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ تاہم شریف فیملی کے اندرونی واقعات سے باخبر احباب کا کہنا ہے کہ کلثوم نواز نے اس مرحلے پر نہایت صبر و تحمل اور دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے معاملے کو سنبھالا اور اپنے شوہر کو طاہرہ سید کے سحر سے آزاد کروانے میں بتدریج کامیاب ہو گئیں۔ کلثوم نواز خالصتاً مشرقی ماحول میں پلنے بڑھنے والی گھریلو خاتون ہیں ایسی خواتین کو اپنے خاوندوں پر اندھا اعتبار ہوتا ہے اور خاوند کی چھوٹی موٹی لغزشوں کو برداشت کر جاتی

ہیں۔ لہٰذا انہوں نے طاہرہ سید کے معاملے کو دل پر نہ لیا لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ میاں صاحب نے دل کے بت کدے میں کئی صنم آباد کر رکھے ہیں۔ 1997ء میں الیکشن کی تیاریاں جاری تھیں۔ بھارتی اخبار "ہند سماچار" کے انکشاف نے پاکستانی سیاسی میدان میں تہلکہ سا مچا دیا۔ اخبار نے 12 جنوری 1997ء کو معروف بھارتی اداکار فیروز خان اور سنجے خان کی بہن دلشاد بیگم کا انٹرویو شائع کیا جس میں دلشاد نے نواز شریف کی شرافت کا پردہ چاک کرتے ہوئے کہا کہ نواز شریف دل پھینک' عاشق مزاج اور صرف نام کے ہی شریف ہیں۔ اس نے بتایا کہ 1991ء میں میرے کہنے پر نواز شریف نے کشمیر میں فوجی کارروائیاں بند کرادیں۔ اور اپنے ملک کی سب سے بڑی مذہبی جماعت (جماعت اسلامی) سے ٹکر لی۔

دلشاد بیگم کے انکشافات کو نواز شریف کے دور حکومت میں روزنامہ مساوات لاہور نے بھی شائع کیا۔ مگر نواز شریف نے اس کی اس وقت تردید نہیں کی۔ مگر جب انتخابات کے دوران یہی واقعات مزید تفصیلات کے ساتھ لاہور ہی کے ایک ہفت روزہ "سیاسی لوگ" نے شائع کئے۔ تو اس کے ایڈیٹر غلام حسین پر قاتلانہ حملہ کروایا گیا ذرائع کے مطابق اس حملے میں آئی بی کے اہلکار ملوث تھے۔

دلشاد بیگم نے لندن سے شائع ہونے والے جریدے "لباس انٹرنیشنل" کو ایک انٹرویو میں بتایا کہ اس کے شوہر میاں جاوید لکڑی کا کاروبار کرتے تھے۔ ان سے تین بیٹیاں پیدا ہوئیں بعد ازاں وہ انتقال کر گئے۔ جس کے بعد اس نے آزاد زندگی گزارنا شروع کی۔ اس کی خوبصورتی' ساڑھی باندھنے کے دلکش انداز اور دلفریب اداؤں سے ایک حلقہ اس کا اسیر تھا۔ پاکستان میں اس کی آمد سہگل فیملی کے ایک صنعت کار کی بیگم کے ذریعے ہوئی اور اس نے ہی بھوربن میں منعقدہ ایک تقریب میں اس کی ملاقات میاں نواز شریف سے کروائی۔

میاں نواز شریف دلشاد بیگم کی اداؤں پر ایسے مر مٹے کہ اُسے پاکستان میں سرکاری مہمان کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ حتیٰ کہ قومی اسمبلی میں اس معاملے پر باقاعدہ سوال اٹھایا گیا۔ کہ ایک غیر ملکی خاتون کس طرح پاکستان میں سرکاری پروٹوکول کی مستحق قرار دی جا رہی تھی جبکہ اس کا تعلق دشمن ملک سے ہے۔ مگر "عشق نہ پچھے ذاتاں" کے مصداق ہیر

رانجھا کا سفر جاری رہا۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ دونوں کی پہلی ملاقات بھوربن میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد ہجر کے لمحات نے کئی واقعات کو بھی جنم دیا۔ ایک دن جب نواز شریف لاہور میں تھے۔ بھوربن کے خوشگوار موسم کو دیکھتے ہوئے دلشاد بیگم نے انہیں فون کر کے اصرار کیا۔ کہ وہ فوری طور پر بھوربن پہنچیں۔ تاہم میاں نواز شریف نے سرکاری کاموں کی وجہ سے معذرت کرتے ہوئے اسے فون پر ایک گانا سنایا۔ جسے اس وقت انٹیلی جنس بیورو نے ٹیپ



دلشاد بیگم

کر لیا تھا یہ طلعت محمود کا گانا تھا جس کے بول تھے۔

شام غم کی قسم آج غمگین ہیں ہم
آ بھی جا آ بھی جا آج میرے صنم
رات حسیں ہے تو کیا چاندنی ہے تو کیا
زندگی دور ہے اور جدائی ستم

ہجر و وصال کے اس دور میں عشق کے راستے پر دونوں اس قدر دور چلے گئے کہ طاہرہ سید کے معاملے کی طرح خاندان کے بزرگوں کو اس بار بھی مداخلت کرنا پڑی۔

ایک دفعہ نواز شریف اسلام آباد سے لاہور آ رہے تھے کہ انہیں جہاز میں دلشاد بیگم کا خصوصی پیغام ملا اور انہوں نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر فوری طور پر جہاز واپس اسلام آباد لے جانے کا حکم دیا۔ جہاں سے وہ سیدھے وصال یار کے لئے بھوربن چلے گئے۔

یہ سلسلہ ان کی وزارت عظمیٰ تک چلا اور ٹیلی فون پر رومانی گیت گانے، خصوصی ملاقاتوں اور ہیلی کاپٹر پر خصوصی سیر و تفریح کے واقعات سامنے آئے اور خصوصی طور پر دلشاد بیگم سے ٹیلی فون پر گانوں کی فرمائش "آج کوئی ایسا گیت گاؤ کہ ہمارے جذبات جاگ اٹھیں" ہے، جو ریکارڈ کی صورت میں ایک خفیہ ادارے کے پاس موجود ہے۔ لاہور سے تعلق رکھنے والے لکشمی چوک کی رہائشی (ط) نے ایک تحقیقاتی ادارے کے اعلیٰ حکام کے سامنے رضاکارانہ طور پر سنسنی خیز انکشافات کئے اور اپنے باقی ساتھیوں کے نام بتاتے ہوئے کہا کہ "مجھے ہر ہفتے خصوصی طور پر اسلام آباد بذریعہ جہاز لایا جاتا اور یہاں وزیر اعظم ہاؤس میں "خصوصی خدمات" سر انجام دینے کے بعد واپس لاہور کے لئے روانہ کر دیا جاتا۔ (ط) نے بتایا کہ ان دوشیزاؤں اور مردوں نے 3 سے 6 ماہ کا عرصہ سرکاری خرچ پر بیرون ملک گزارا۔ نواز شریف کے شاہانہ انداز میں بنے ہوئے ان باتھ رومز میں خواتین کے مساج کے لئے بیڈن روڈ لاہور سے تعلق رکھنے والے 2 افراد کو خصوصی تربیت بھی دلوائی گئی۔" ذرائع نے بتایا کہ تحقیقاتی ادارے نے فرانس میں مساج کی تربیت کے لئے بھجوائی جانے والی 4 حسین و جمیل دوشیزاؤں کے بارے میں بھی تفصیلات جمع کی ہیں، جس سے ہوشربا داستانیں سامنے آئی ہیں۔ نواز شریف نے اس خصوصی باتھ روم کا نقشہ انروڈ موبائل

پرائیویٹ لمیٹڈ گلبرگ لاہور سے خصوصی ہدایات کے ساتھ بنوایا تھا' جس میں 19 ملی میٹر کے شیشے اور 10 فٹ کے آئینے نصب کروائے گئے تھے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ نواز شریف نے 14x28 فٹ باتھ روم کے لئے قومی خزانہ سے لاکھوں ڈالرز کا سامان درآمد کیا' جس پر انہوں نے کوئی ڈیوٹی ادا نہ کی۔

افسوسناک امر یہ ہے کہ باتھ روم کے نلکوں پر سونے کا پانی چڑھوایا جبکہ اتنی مالیت سے کسی غریب گھرانے کی بیٹی کی رخصتی کی جا سکتی تھی۔ اس باتھ روم میں گھومنے والا خصوصی رنگین ٹیلی ویژن اور گندی فلموں کے لئے وی سی آر بھی موجود ہے۔ موسم کے مطابق ٹھنڈا اور گرم رکھنے والے اس باتھ روم میں 2 آرام دہ کرسیاں' ایک کونے میں چکوری بکس' مساج کرانے کے لئے گول ایرانی رگ قالین' نہانے کے ٹب میں داخلے کے لئے صندل کی خوشبودار لکڑی کی سیڑھیاں' ایک باتھ روم میں 2 واش بیسن بلجیئم سے درآمد کردہ شیشے کے شلف اور ورزش کرنے کا قیمتی سامان نصب کیا گیا۔ پاکستان کے عوام کے لئے اس سے بڑا المیہ اور کیا ہو گا کہ غریب غربت کے باعث ملک میں خودکشیاں اور خودسوزیاں کر رہے تھے اور وقت کا وزیراعظم عظیم الشان باتھ روم میں گھنٹوں مساج اور ٹی وی دیکھنے میں مصروف رہتا۔ احتساب بیورو کے ذرائع نے مزید بتایا کہ (ط) نے یہ بھی انکشاف کیا کہ ایک سائل (چمن زیب) جس وقت ماڈل ٹاؤن کی کھلی کچہری میں انصاف نہ ملنے پر خودسازی کر رہا تھا تو معزول وزیراعظم نواز شریف اس وقت باتھ روم میں (ط) سے مساج کروا رہے تھے۔"

مزید برآں معزول نواز حکومت کے دور میں عرب شہزادوں کی "خدمت" کے لئے سرکاری سطح پر شراب و شباب فراہم کرنے کا انکشاف ہوا ہے۔ "مقبول اداکارہ جاناں ملک نے عرب شہزادوں کی تواضع کی۔ ذرائع کے مطابق سابقہ دور حکومت میں ایک عرب ریاست کے ولی عہد کے دورہ پاکستان کے ہمراہ جو وفد آیا تھا' اس کی رہائش کے لئے مقامی فائیو سٹار ہوٹل کے چالیس کمرے اور فلم انڈسٹری کی خوبصورت ترین "کلیوں" کو خصوصی طور پر حکومتی سطح پر بک کیا گیا تھا۔ ذرائع کے مطابق ماضی کی معروف اداکارہ سویٹی کی بیٹی اداکارہ جاناں ملک کو ان مہمانوں کا دل بہلانے کے لئے بک کیا گیا تھا اور اس دوران جاناں

ملک نے ایک رات میں مہمانوں کا دل بہلانے کے لئے 8 لاکھ روپے کی رقم وصول کی تھی۔ ذرائع نے یہ بھی بتایا ہے کہ جاناں ملک مذکورہ رات کو مقامی فائیو سٹار ہوٹل کے تقریباً 5 کمروں میں مہمان نوازی کے فرائض انجام دیتی رہی۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جاناں ملک کے ہمراہ فلم انڈسٹری کی دیگر اداکاراؤں اور ماڈلز کو مہمانوں کی مہمان نوازی کے لئے بک کیا گیا تھا لیکن اداکارہ جاناں ملک کو پڑھی لکھی ہونے اور روانی سے انگریزی بولنے کی وجہ سے زیادہ رقم سے نوازا گیا تھا۔

دلشاد بیگم اور نواز شریف کے سکینڈل پر ملکی میڈیا نے بہت کچھ چھاپا۔ جبکہ مسلم لیگ والے اسے سوچی سمجھی سازش قرار دیتے رہے۔ اسی دوران یہ باتیں بھی منظرعام پر آئیں جن میں دعویٰ کیا گیا لاہور' اسلام آباد' مری اور بھوربن میاں نواز شریف کی "رنگین وارداتوں" کے گواہ ہیں۔ جبکہ ایک اخبار میں یہ اعلان بھی آیا کہ ہم ملک کے سینئر صحافیوں کی موجودگی اور بند کمرے میں نواز لیگ کے معززین کے اعزاز میں ایسی نمائش کر سکتے ہیں کہ ان کے چاروں طبق روشن ہو جائیں۔

طاہرہ سید اور دلشاد بیگم صرف دو خواتین ہی میاں نواز شریف کی منظور نظر نہیں رہیں بلکہ ان میں کئی اور پردہ نشینوں کے نام بھی آتے ہیں۔ ایک دور میں یہ بات بہت مشہور ہوئی کہ فلم انڈسٹری میں کسی بھی ہیروئن کی کامیابی کا راستہ ماڈل ٹاؤن سے ہو کر جاتا ہے۔ نواز شریف کے معروف اداکارہ ثمینہ پیرزادہ سے بھی مبینہ طور پر تعلقات تھے اور وہ اپنے دور حکومت میں مذکورہ اداکارہ پر نوازشات کرتے رہے۔ اداکارہ ثمینہ پیرزادہ ایک ماہ میں دو مرتبہ وزیراعظم ہاؤس آیا کرتی اور کئی کئی گھنٹے وزیراعظم کے ساتھ رہتی۔ یہ بھی انکشاف ہوا کہ اس اداکارہ کو کالے رنگ کی سرکاری ہنڈا پر وزیراعظم ہاؤس لایا جاتا تھا۔ جس کے جھنڈا تو نہیں مگر جھنڈے کا ڈنڈا ضرور لگا ہوتا تھا۔ ذرائع کے مطابق سابق وزیراعظم نے اپنی دوست اداکارہ کو ایک غیر ملکی قیمتی ہیروں کا سیٹ منگوا کر گفٹ بھی کیا تھا اور پی ٹی وی کے چیئرمین پرویز رشید کو خصوصی ہدایت کی تھی کہ وہ ثمینہ کو خصوصی کوریج دیا کریں۔ اسی ہدایت کے پیش نظر چیئرمین پی ٹی وی نے ثمینہ پیرزادہ کی فلم "انتہا" کی زبردست پبلسٹی کی اور اداکارہ کے کئی انٹرویو ٹیلی کاسٹ کیے۔ علاوہ ازیں پاکستان فلم

انڈسٹری کی معروف ہیروئنوں کی ایک طویل فہرست بھی اس میں شامل ہے۔ نواز حکومت کی برطرفی پر ریما' میرا اور دیگر اداکاراؤں کا احتجاج اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کیا نواز شریف عوام کے کٹہرے میں از خود ان سوالوں کے جواب دینے کی جرات رکھتے ہیں؟

حرام کی کمائی ہو یا گناہ کا بیج اپنا اثر دکھا کر چھوڑتا ہے۔ سو نواز شریف کی سیاہ کاریاں ان سے اگلی نسل میں بھی منتقل ہو چکی ہیں۔ 1997ء کے انتخابات کے دوران شریف برادران کے دونوں "ہونہار" فرزند حسین نواز اور حمزہ شہباز لاہور کے انٹرنیشنل ہوٹل کے کمرہ نمبر103 میں رنگ رلیاں منایا کرتے تھے۔ حسین نواز جہاں انتخابی مہم چلا رہے تھے وہاں ان کے ساتھی حسیناؤں کی تلاش میں بھی رہتے تھے۔ ایسی حسیناؤں میں کئی تو ضرورت مند دوشیزائیں تھیں۔ جو مالی مفادات کی خاطر ہوٹل انٹرنیشنل میں حمزہ شہباز اور حسین نواز کے ساتھ ملاقاتوں، پر مجبور تھیں۔ لیکن دو لڑکیاں ان دونوں نوجوان "بچوں" کے دل میں راہ کرتی تھیں۔ جن میں ایک شوبز کی معروف کردار میڈم صدیقی کی صاحبزادی عارفہ صدیقی ہیں۔ جبکہ دوسری ارم حسن اس وقت ٹی وی ڈراموں میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ ان دنوں یہ ہوٹل نواز شریف کے ایک ساتھی کی ملکیت تھا۔ جسے بعد میں کوآپریٹو سکینڈل میں دھر لیا گیا۔ وہ مدد کے لئے نواز شریف کے پاس گیا تو بڑے میاں حاجی محمد شریف نے اسے کہا "اعوان صاحب اسیں تہاڈی کوئی مدد نئیں کراں گے تسی تے ساڈے منڈے وی ہوٹل وچ خراب کر دتے نیں" (اعوان صاحب ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کریں گے آپ نے تو ہمارے بچے بھی ہوٹل میں خراب کر دیئے ہیں۔)

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئی کھیت

معرو صحافی جناب منیر احمد اپنے مضمون "شریف برادران کی رنگ رلیاں" میں لکھتے ہیں۔

"میاں نواز شریف جب وزیر اعلی پنجاب تھے تو ان کا معمول تھا کہ جب بھی انہیں مری جانا ہوتا وہ اپنے سپیشل سیلون میں لاہور کے ریلوے اسٹیشن سے راولپنڈی روانہ ہوتے۔ لاہور سے راولپنڈی تک ٹرین کا سفر پانچ گھنٹے پر محیط ہے جبکہ یہی فاصلہ بذریعہ جہاز 35 منٹ میں طے کیا جا سکتا ہے۔ اسلام آباد یا مری میں سرکاری حکام نواز شریف کا ان کی



طاہرہ سید



ثمینہ پیرزادہ

آمد سے گھنٹوں قبل ہی انتظار شروع کر دیتے تھے' اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ نواز شریف کے پروگرام اچانک "بدل" جاتے تھے۔ عین اس وقت جب لاہور ریلوے اسٹیشن پر نواز شریف کی راولپنڈی روانگی کے انتظامات مکمل ہوتے' اچانک انتظامیہ کو اطلاع ملتی کہ میاں صاحب بذریعہ سڑک یا جہاز کے ذریعے راولپنڈی چلے گئے ہیں۔ نواز شریف اس طرح کی حرکتیں اکثر کیا کرتے تھے اور اس کی وجہ سوائے اس کے کوئی اور نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنی ذاتی زندگی کے معاملے میں بہت خوف زدہ تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی کوئی ذاتی بات ان کے والد صاحب تک پہنچے جبکہ شہباز شریف اس معاملے میں خاصے غیر محتاط تھے۔
نواز شریف کی بعض "مہمان" خواتین لاہور سے راولپنڈی کے درمیان کسی بھی اسٹیشن پر ان کے سیلون میں سوار ہوتیں اور راولپنڈی پہنچنے سے پہلے دو تین گھنٹے میاں صاحب کے ساتھ گزارنے کے بعد وہ ٹرین سے اتر جایا کرتی تھیں۔ نواز شریف کے موڈ کا اندازہ لگانا

بہت آسان تھا' وہ اگر راولپنڈی میں ٹرین سے اترتے وقت ہشاش بشاش ہوتے تو سرکاری حکام اندازہ لگالیا کرتے تھے کہ میاں صاحب کا سفر "خوشگوار" گزرا ہے اور کئی دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ نواز شریف کے "مہمان" کسی وجہ سے ٹرین میں سوار نہ ہو پاتے اور پنڈی پہنچنے پر ہر شخص ان سے ڈر رہا ہوتا تھا' ایسے میں مری میں میاں صاحب کو "خوش" کرنے کے لئے "خصوصی انتظامات" کئے جاتے تھے۔ میاں نواز شریف سمجھتے تھے کہ وہ زمانے کی انجانی نظروں سے محفوظ ہیں۔ بلاشبہ نواز شریف کے مخالفین تک کو ان کی رنگین راتوں کے قصوں کا بہت ہی کم علم تھا لیکن فوجی اور سول انٹیلی جنس ایجنسیوں کے وہ حکام جو نواز شریف کی حفاظت پر مامور تھے' ان تمام باتوں سے باخبر تھے جن پر آج بھی مصلحتوں کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ لوگوں کو نواز شریف کے حوالے سے زیادہ سے زیادہ اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے کبھی بھارتی اداکارہ دلشاد بیگم کو فون پر گانے سنائے تھے یا بھوربن میں انہوں نے کینڈل لائٹ میں دلشاد بیگم کے ساتھ زندگی سے لطف حاصل کیا تھا' لیکن معاملہ صرف یہاں تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کہانیوں میں کئی اور خواتین کے بھی نام آتے ہیں۔ نواز شریف بطور وزیر اعلیٰ پنجاب عورتوں کے ساتھ تعلقات رکھنے کے معاملے میں کافی غیر محتاط تھے' جب بھی فلم یا ٹی وی کی کسی اداکارہ یا مشہور ماڈل گرم کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی تو وہ اپنے ذاتی دوستوں کو افسانوی انداز میں خوشگوار لمحوں کی داستان سنایا کرتے تھے۔ نواز شریف کے ساتھ سب سے پہلے طاہرہ سید اور پھر عارفہ صدیقی کا قصہ مشہور ہوا اور پھر کئی خوبصورت چہرے ان کی زندگی میں آتے چلے گئے۔ اداکارہ ریما اگر نواز شریف کی حمایت میں بیان جاری کرتی ہیں تو اس کی کوئی وجہ تو ضرور ہو گی' لیکن معاملہ اس وقت خراب ہوا جب ان اداکاراؤں اور ماڈل گرلز نے "اخلاقیات" کا لحاظ نہ کرتے ہوئے دونوں بھائیوں کو وقت دینا شروع کر دیا۔ اگر کوئی ایک مخصوص اداکارہ اس ہفتے بڑے میاں صاحب سے ملاقات کرتی تو اگلے ہفتے وہ میاں شہباز شریف کے ساتھ ہوتی۔ میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف دونوں کو علم تھا کہ وہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کی نظروں میں ہیں لیکن اس کے باوجود دونوں بے احتیاطی کرتے رہے' خصوصاً شہباز شریف رات کو خاموشی کے ساتھ اپنی پجارو نکال کر تنہا ہی نکل جایا کرتے تھے۔ کبھی ان کی منزل زیبا بختیار کا گھر ہوتا اور کبھی



ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

ڈیفنس میں وہ کسی مخصوص گھر میں موجود ہوتے۔ نواز شریف اور شہباز شریف کے صاحبزادے بھی بد قسمتی سے ان خواتین تک پہنچ گئے تھے جو کبھی دونوں بھائیوں کی محفلوں میں بزم آرا رہتی تھیں۔ حمزہ شہباز اپنے دوستوں کو اکثر بتایا کرتا تھا کہ اس نے آج کس کے ساتھ کتنا وقت گزارا ہے۔ میاں نواز شریف کو بچپن سے ہی گانے کا شوق تھا اور وہ کالج کے زمانے میں جب مری جاتے تو وہاں سڑک کے کنارے بیٹھ کر گلوکار رفیع اور طلعت محمود کے گائے ہوئے گیت گنگنایا کرتے تھے۔ طاہرہ سید سے نواز شریف کی دوستی کی وجہ بھی یہ تھی کہ انہیں طاہرہ سید کی آواز بہت پسند تھی۔ نواز شریف اور طاہرہ سید کو ایک دفعہ ٹریفک پولیس کے ایک انسپکٹر نے رات کو ٹریفک سگنل کی خلاف ورزی کرتے ہوئے روک لیا تھا۔ یہ ٹریفک انسپکٹر طاہرہ سید کو نواز شریف کے ساتھ دیکھ کر پہلے تو حیران ہوا اور پھر انسپکٹر نے انہیں اور دونوں نے اس انسپکٹر کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح ایک رات جب میاں شہباز شریف نے زیبا بختیار کو ان کے گھر سے پک کیا اور موٹر وے کی جانب چل پڑے تو ان کی حفاظت کے لئے مامور ملٹری انٹیلی جنس کے ایک میجر نے انہیں راستے میں روکا اور سمجھایا کہ "سر! آپ دہشت گردوں کی ہٹ لسٹ پر ہیں اس لئے سکیورٹی کے بغیر سڑکوں پر گھومنے کا خطرہ مول نہ لیں۔ بعد ازاں میاں شہباز شریف کے کئی اداکاراؤں کے ساتھ ناگفتہ بہ حالت میں ویڈیو کیسٹ تیار ہوئے جبکہ اداکاراؤں کے ساتھ ان کی گفتگو کے کیسٹوں کی تعداد بے شمار ہے۔" حال ہی میں اداکارہ ریما نے نواز شریف کی حمایت میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ فوج نے نواز شریف کی حکومت کو برطرف کر کے اچھا اقدام نہیں کیا۔ فلم "قسمت" کے سیٹ پر صحافیوں سے باتیں کرتے ہوئے ریما نے کہا کہ ملک میں جمہوری نظام چلنا ضروری ہے اور نواز حکومت نے جو بھی اقدام کئے وہ سب ملک وقوم کی بھلائی کے لئے ہی کئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ شہباز شریف اور نواز شریف نے پاکستان کو ترقی کی راہ پر لگا دیا تھا۔ لیکن جب پاکستان 21 ویں صدی میں شان و شوکت سے داخل ہونے والا ہی تھا اسی وقت فوج نے مداخلت کر دی ریما نے مزید کہا کہ میں یہ سب کچھ ڈنکے کی چوٹ پر کہہ رہی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ نواز شریف اور شہباز شریف کو لوگ یاد

کریں گے کیونکہ انہوں نے ہمیشہ ملک کی بھلائی کے لئے ہی سوچا اور اس کا صلہ انہیں یہ ملا کہ انہیں ناکردہ گناہوں کی سزا دی جا رہی ہے۔ بلاشبہ ریما زبان حال سے اب بھی یہی کہہ رہی ہے کہ۔

"رقم بڑھاؤ نواز شریف ہم تمہارے ساتھ ہیں"

جناب! یہ ہیں میاں نواز شریف جنہیں خاص حلقوں میں جی ون اور بی ٹی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جبکہ نواز شریف کے نتی بٹ سے "تعلقات" بھی اب پوشیدہ نہیں رہے۔ ایک اخبار نے ان "تعلقات" پر خصوصی اشاعت کا بھی اہتمام کیا۔ جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ جناب نواز شریف "موٹروے" کے ساتھ ساتھ "جی ٹی روڈ" پر سفر کرنے کے بھی عادی ہیں۔



میاں شہباز شریف

"میں ڈیفنس میں تھا جب مجھے ڈی آئی جی کا فون آیا کہ فلاں نمبر کوٹھی پہنچ جاؤں۔ وہاں ڈکیتی کی واردات ہوئی ہے۔ میں وہاں چلا گیا۔ علاقہ کا ایس ایچ او پہلے سے وہاں موجود تھا۔ اندر گیا تو ایک خوبصورت خاتون موجود تھی جس کا نام عالیہ تھا۔ میں نے ان سے واردات کے متعلق پوچھا' وقوعہ دیکھا اور واپس دفتر آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے ڈی آئی جی صاحب کا پھر فون آیا کہ برآمدگی ہو گئی؟ میں نے حیرانگی سے کہا۔ سر برآمدگی کیسی؟ ابھی تو صرف وقوعہ دیکھا ہے۔ انہوں نے مجھے سخت سست کہا۔ میں نے اپنے ذرائع سے پتہ کیا۔ کہ اصل معاملہ کیا ہے تو معلوم ہوا کہ محترمہ میاں شہباز شریف کی دوسری بیوی ہیں۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں بے موت مارا گیا اور پھر وہی ہوا میرا تبادلہ ڈیرہ غازی خان کر دیا گیا۔"

ان دنوں بلدیاتی انتخابات کا سلسلہ چل رہا تھا۔ انتخابات کے بعد ضلع کونسل کے

چیئرمین کے لئے مجھے لاہور سے حکم ملا کہ رفیق میراثی کو چیئرمین بنانا ہے۔ میں نے پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ رفیق میراثی کے پاس صرف ایک ووٹ ہے اور وہ بھی اس کا اپنا جبکہ مخدوم خاندان جس کا تعلق مسلم لیگ سے ہی تھا کے پاس (40) ووٹ ہیں۔ میں پریشان ہو گیا کہ ایک کو چالیس اور چالیس کو ایک کیسے بناؤں۔ اسی دوران مجھے یہ خوفناک اطلاع ملی کہ دراصل رفیق میراثی کی ایک بہن جو بہت خوبصورت ہے۔ میاں شہباز شریف کے عقد میں ہے۔ یہ سننا تھا کہ مجھے اپنی منزل سامنے نظر آنے لگی۔ میں نے اپنے اسسٹنٹ کو ساتھ لیا اور مخدوم صاحب کے پاس چلا گیا اور ماجرا انہیں کہہ سنایا۔ وہ غصہ سے آگ بگولہ ہو گئے۔ اور فوری طور پر میاں نواز شریف جو اس وقت وزیراعظم تھے انہیں فون کیا اور کہا کہ چھوٹے میاں کو کنٹرول کریں۔ وہ میراثیوں کو ہمارے اوپر لانا چاہتا ہے۔ پھر مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں واپس آ جاؤں۔ یہ انکشاف میاں شہباز شریف' جنہیں خاص حلقوں میں جی ٹو اور سی ٹی کے نام سے پکارا جاتا ہے کی مہربانیوں کا شکار پولیس آفیسر نے ایک نجی محفل میں کئے انہوں نے کہا کہ میں مخدوم صاحب سے ملاقات کے بعد فارغ ہو کر دفتر پہنچا تو تبادلے کے احکامات میرے منتظر تھے۔" میاں شہباز شریف ایک سخت گیر ایڈمنسٹریٹر کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ نواز شریف کی مالی بدعنوانیوں میں شہباز شریف کے مشوروں کا بڑا عمل دخل حاصل رہا۔ بعض حوالوں سے اب ان کی چار شادیوں کی تصدیق ہو چکی ہے لیکن شریف خاندان میں جو اہمیت بیگم نصرت کو حاصل ہے وہ کسی کو بھی نہیں۔ البتہ عالیہ ہنی اپنی معاملہ فہمی کی بناء پر خاندان میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے میں کامیاب ہو چکی ہیں۔ معزول وزیر اعلیٰ شہباز شریف کی دوسری بیوی عالیہ احمد عرف ہنی کے قریبی خاندانی ذرائع کے مطابق عالیہ شہباز شریف کی قانونی بیوی ہے اور ان کا نکاح نامہ موجود ہے۔ خاندانی ذرائع نے دعویٰ کیا کہ وہ خفیہ نکاح لندن میں ہوا اور عالیہ ہنی کی خواہش پر تقریباً تین سال کے بعد بیٹی خدیجہ شہباز پیدا ہوئی۔ جس کی شکل ہو بہو اپنے والد عالیہ شہباز سے ملتی ہے۔ آج کل ڈیفنس کے ڈبلیو بلاک میں رہائش پذیر ہے۔ یہ گھر شادی کے بعد شہباز شریف نے لے کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ کیولری گراؤنڈ پر نو تعمیر شدہ پل اور سڑک کی تعمیر شہباز شریف کی دوسری بیگم عالیہ ہنی کی خواہش کی مرہون منت ہے کیونکہ شہباز

شریف کو اکثر یہاں رکنا پڑتا تھا اور ہنی سے "ملاقات" میں دیر ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے مذکورہ پل کا نام "ہنی پل" رکھ دیا ہے۔

عالیہ ہنی کا شہباز شریف کے تعلقات کے حوالے سے موقف ہے کہ یہ تاثر غلط ہے کہ میں مسلم لیگ کے جلسے میں شہباز شریف سے ملی تھی۔ ان کا کہنا ہے کہ میں شہباز سے کسی کے گھر ایک ڈنر پر ملی تھی اور وہیں پہلی ملاقات میں ہم نے ایک دوسرے کو پسند کر لیا۔ اور اس کے کچھ عرصہ بعد 1992ء میں ہماری شادی ہو گئی لیکن ہم نے بچے پیدا نہ کئے اور شادی کو شہباز کی خواہش پر خفیہ رکھا تاہم جب شہباز شریف وزیر اعلیٰ بنے تو اس کے بعد ایک میٹنگ میں انہوں نے غیر رسمی گفتگو میں اپنی دوسری شادی کے بارے میں بتایا۔

عالیہ ہنی کا کہنا ہے کہ شہباز شریف نے شرعی طریقے سے صرف دو شادیاں کی ہیں کسی اور سے شادی تو دور کی بات، کسی اور عورت سے تعلق بھی نہیں، میرے ساتھ شادی اس چیز کا بہت بڑا ثبوت ہے کہ ان کے دل میں خدا کا خوف اور انسانی ہمدردی کس حد تک ہے۔ اگر خدا خوفی نہ ہوتی تو وہ مجھ سے شادی نہ کرتے بلکہ ویسے بھی تعلق بنا سکتے تھے۔

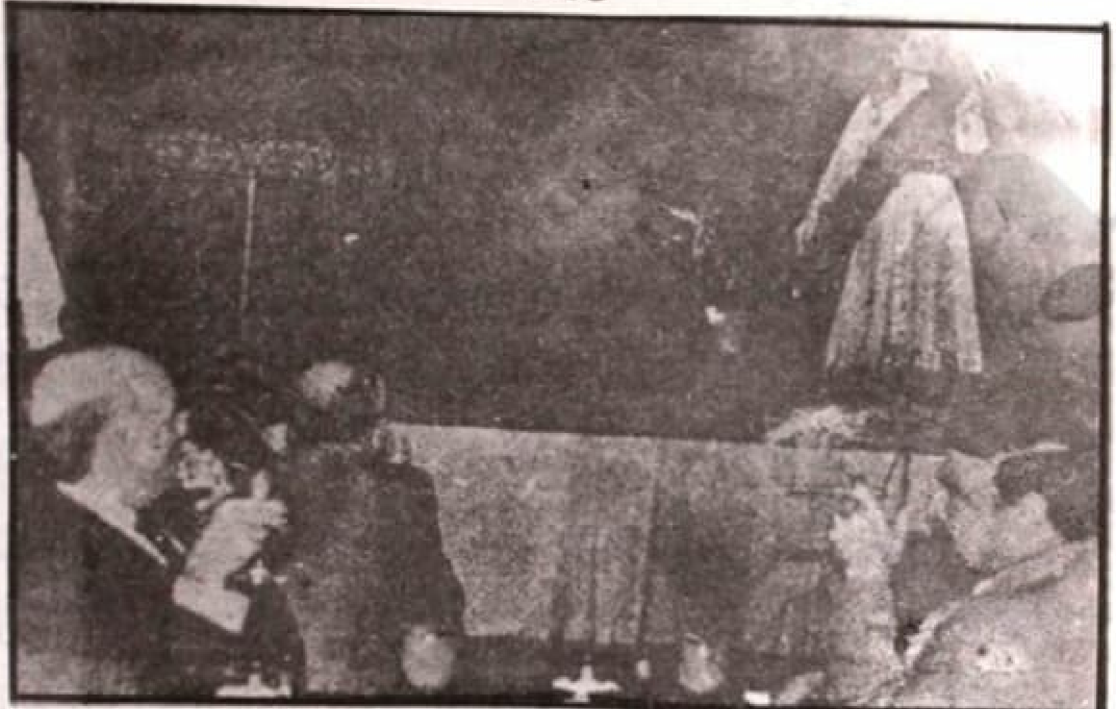


لاہور چیمبر کے استقبالیہ میں اداکارہ شاہدہ منی، شہباز شریف کو خود انحصاری فنڈ کے لئے 10 ہزار کا چیک دیتے ہوئے

میاں صاحب دن میں دو، تین مرتبہ گھر فون کرتے تھے۔ ان کے لئے ڈنر اور کبھی لنچ کی تیاری کرنا اچھا لگتا۔ میاں صاحب دال چاول بہت شوق سے کھاتے۔

سابق وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے اپنی دوسری بیوی عالیہ ہنی کو خوش کرنے کے لئے اس کے باپ منظور چھرا کو تین کروڑ روپے کا کام سات کروڑ روپے میں بخش دیا۔ یہ کام لاہور سے اسلام آباد موٹر وے پر سڑک کو تقسیم کرنے کے لئے لاشنگ پینٹ پر مشتمل تھا۔ ذرائع کے مطابق سابق حکومت کے دور میں لاہور سے اسلام آباد موٹر وے پر لاشنگ پینٹ کا ٹھیکہ دینے سے قبل انتہائی راز داری سے عالیہ عرف ہنی کے والد کو اطلاع کر دی گئی جنہوں نے بیرون ملک سے پینٹ اور مشینری در آمد کر لی اور اس کے بعد حکومت نے اخبارات میں اشتہار دیا اور نو روز کے اندر ٹینڈر طلب کر لئے جس میں شرط عائد کی گئی تھی کہ ایسی کمپنیاں جن کے پاس حاضر سٹاک میں در آمد شدہ مشینری اور پینٹ موجود ہو وہ ٹینڈر بھیج سکتی ہیں۔ لہٰذا منصوبے کے مطابق ہنی کے باپ کی کمپنی کے علاوہ کوئی کمپنی ٹینڈر نہ بھر سکی۔ مختلف کمپنیوں نے اعتراض داخل کیا تھا کہ نو روز کے اندر باہر سے مشینری اور پینٹ منگوانا ناممکن ہے۔ جس پر یہ ٹھیکہ منظور چھرا کو دے دیا گیا۔

یہ 1998ء کا واقعہ ہے جب بازار حسن سے مہمان اداکاروں کا قافلہ شہباز شریف کی لال سہانرا آمد پر مخدوم عالی کی نئی ایمبولینس گاڑیوں پر مجرے کے لئے گیا۔ ڈاکٹر فضل کریم نے طوائفوں کو سات سات ہزار جبکہ اداکاروں کو چھ چھ ہزار کے کھسے، سپیشل چادروں کے سیٹ اور سونے کے چار، چار تولے کے تاج دیئے۔ ریما کو مجرے کے بعد کالے ہرنوں کا جوڑا مشتاق وڑ نے تحفہ میں دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ بازار حسن کی بعض طوائفوں نے حاجی فضل کریم کی کہروڑ پکا اور جلہ جیسم میں بطور انچارج ہسپتالوں اور ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسرز تعیناتی کے دوران اس کی حیرت انگیز عیش پرستیوں کا انکشاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ سابقہ دور حکومت میں شہباز شریف کی بطور وزیر اعلیٰ پنجاب لال سہانرا آمد کے وقت ایک مرتبہ مہمان اداکاروں کی شرکت کے لئے جب فوری طور پر گاڑیاں دستیاب نہ ہو سکیں تو مشتاق وڑ نے حاجی فضل کریم سے رابطہ کیا اور فوری طور پر بازار حسن کی مہمان طوائفوں کو نئی ایمبولینس گاڑیوں کے ذریعے نیشنل پارک کے ریسٹ



وزارت سیاحت کی جانب سے ایک عشائیہ کے موقع پر ناہید صدیقی رقص پیش کر رہی ہیں۔ سٹیج کے سامنے میاں شہباز شریف اور شیخ رشید بڑے انہماک سے دیکھ رہے ہیں

ہاؤس میں پہنچانے کا پیغام دے کر خود مہمان اداکارہ ریما اور مدیحہ شاہ کو لے کر دیکھ کال کے چتن سے لال سہانرا روانہ ہو گئے جب میاں شہباز شریف انتظار کر رہے تھے۔ صرف ایک گھنٹے کے مجرے کے بعد وی آئی پی شخصیات جب آرام کے لئے روانہ ہو گئیں تو فضل کریم اینڈ کمپنی دوسری جگہ محفل جما کر رات بھر رقص و سرود کی محفل کے مزے لوٹتے رہے۔ صبح ہوتے ہی فضل کریم نے کھروڑ پکا کی طوائفوں کو سات ہزار فی کس جبکہ اداکاروں کو چھ چھ ہزار مالیت کے کھسے، چار تولے پر مشتمل سونے کے تاج موقع پر انعام کے طور پر دیئے جبکہ ریما کو مجرے کے بعد کالے ہرنوں کا جوڑا مشتاق وڈ نے پیش کیا۔ بعد ازاں مشتاق وڈ کے اصرار پر ریما اور مدیحہ شاہ کو مشتاق وڈ، فضل کریم اور ان کے پانچ دیگر ساتھیوں نے معروف اداکاراؤں کو تین دن کیلئے مہمان بنا لیا اور صحرائی علاقے کی سیر کرواتے رہے۔

شہباز شریف نے نہایت مختصر مدت میں کامیاب سیاسی زندگی کا طویل سفر طے کیا۔ شریف خاندان کے قریبی ذرائع کا تو یہ بھی کہنا ہے کہ جناب نواز شریف کی کامیابیوں کے پیچھے بھی درحقیقت شہباز شریف کا کلیاں ذہن اور بروقت فیصلہ کرنے کی صلاحیت کارفرما



عالیہ شہباز





لندن میں ماڈلنگ کے دوران
عالیہ ہنی کے انداز

ہے۔ نواز شریف کی وزارت عظمیٰ کے دونوں ادوار میں پنجاب کی ذمہ داری شہباز شریف نے ہی اٹھائے رکھی۔ جن دنوں غلام حیدر وائیں وزیر اعلیٰ پنجاب تھے تب بھی یہی کہا جاتا تھا کہ اصل قوت شہباز شریف ہی کے ہاتھ میں ہے۔ دوسرے دور میں تو وزارت اعلیٰ براہ راست ان کے ہاتھ میں تھی۔ میاں شہباز شریف انتظامی حوالے سے نہایت سخت گیر رویہ رکھتے تھے۔ وہ پاکستان کے ایسے وزیر اعلیٰ تھے جن کے ماتحت' اکثر ان کے غیر ملکی دوروں پر جانے کی دعائیں مانگا کرتے۔ کیونکہ جن دنوں وہ ملک میں ہوتے' افسروں کو ہمہ وقت کام میں مصروف رکھتے۔ دن رات محنت کرنے والا یہ مردِ آہن جب تھک کر چور ہو جاتا تو اس کا پگلا دل ریشمی زلفوں کی چھاؤں میں کسی گداز بدن کے لمس کے لئے ترسنا شروع کر دیتا اور پھر "شہباز کی پرواز" کسی نہ کسی پری پیکر کے "نشیمن" پر آرکتی اور پھر یہ بلند پرواز شہباز کبھی سازو آواز یا پھر کسی کے طلسمی حسن کا قیدی بن کر رہ جاتا۔

ان کی تین شادیاں تو منظرعام پر آ چکی ہیں۔ ان کے حرم میں مزید کتنے چہرے ہیں اس کا اندازہ ان کی خفیہ سرگرمیوں سے کیا جا سکتا ہے۔ شہباز شریف بھی بازار حسن اور فلمی دنیا کے توبہ شکن چہروں سے جی بہلاتے۔ ریما نے جب پہلی مرتبہ چھوٹے میاں صاحب کی "توبہ توڑی" تو اس کے عوض اسے 70 زینت بلاک اقبال ٹاؤن کی کوٹھی سے نوازا گیا۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ شہباز شریف کی ریما سے ملاقات ایک فلمساز نے کرائی تھی جو اب تک دو فلمیں بنا چکا ہے۔ اس بات کا گواہ ایک اور فلمساز بھی ہے جس کی ایک فلم زیر تکمیل ہے۔ اداکارہ ریما نے پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ سے "پہلی ملاقات" کے بعد تحفے میں 70 زینت بلاک والی کوٹھی لی تھی۔ تاہم ریما اپنی فیملی کے ہمراہ ان دنوں ماڈل ٹاؤن این بلاک کے ایک عالی شان بنگلے میں رہ رہی ہے۔ بعض اہم ذرائع تو یہ بھی کہتے پائے گئے ہیں کہ انہوں نے ایک اور خوبرو حسینہ کو عقد میں لے رکھا ہے۔ چھوٹے میاں صاحب کی یہ چوتھی بیوی سردار فیض محمد خان کھوسہ کی صاحبزادی نیلوفر کھوسہ ہیں۔

نیلو کی پہلی شادی معروف بیوروکریٹ شاہد رفیع سے ہوئی۔ جن سے ایک بیٹی اور دو بیٹے ہوئے لیکن وقت کی ستم ظریفی کہئے کہ شاہد رفیع کے ہنستے بستے خاندان سے میاں شہباز شریف کا گزر ہو گیا اور چھوٹے میاں صاحب کو نیلو کی نجانے کون سی ادا بھا گئی کہ اسی کے

ہو رہے۔ تعلقات آپ سے تم اور تم سے تو کا عنوان ہوئے تو راز' راز نہ رہا۔ شاہد رفیع خود بھی ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ لہٰذا بیوی کی بے وفائی برداشت نہ کر سکے اور طلاق دے دی۔ جبکہ نیلو کا اس سلسلے میں کہنا ہے کہ وہ ایک باعزت گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے بھائی طارق کھوسہ' آصف کھوسہ اور ناصر کھوسہ اہم سرکاری عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ وہ اپنے خاندان کی بدنامی کا سبب نہیں بن سکتیں۔ اس طلاق کی وجہ شہباز شریف نہیں تھے بلکہ شاہد کا اپنا عیش پرستانہ رویہ تھا۔ میری بیٹی بڑی ہو رہی تھی میں نے شاہد کو گھر میں رنگین محفلیں سجانے سے منع کیا تو تنازعہ بڑھ گیا جو بالآخر طلاق پر منتج ہوا۔ بہرحال نیلو کی تمام تر وضاحتوں کے باوجود ان کے خاندان سے وابستہ قریبی افرا کا کہنا ہے کہ جب خاندان والوں نے ان سے شہباز سے نکاح کے متعلق پوچھا تو انہوں نے نکاح کی تردید کی لیکن ان کے ساتھ انٹرنیشنل فلائیٹ پر جانے کی تصدیق کی۔ ذرائع کہتے ہیں کہ یہ انٹرنیشنل فلائیٹ دراصل ان عاشقوں کا ہنی مون ہی تھا۔ شہباز شریف کے انہی معاشقوں اور پے در پے شادیوں نے نصرت شہباز کا سکون چھین رکھا ہے۔ اکثر گھر میں دونوں کے درمیان متعدد مرتبہ دنگا فساد بھی ہو چکا ہے۔ بات شاید علیحدگی تک چلی جاتی لیکن بڑوں کی موجودگی اور بچوں کے بڑا ہونے کے باعث ایسا نہ ہو سکا۔ نصرت اکثر شہباز کی دیگر شادیوں کی تردید کرتی رہتی ہیں جبکہ شہباز شریف کی دوسری بیوی عالیہ عرف ہنی نے برسرعام ان کو چیلنج کیا ہے کہ اگر نصرت کو یقین نہیں آتا تو وہ میرے گھر تشریف لائیں۔ شہباز کے ساتھ لندن میں ہونے والے نکاح کے تمام ثبوت انہیں دکھا دیئے جائیں گے۔



تہمینہ دولتانہ

پاکستان مسلم لیگ کی مرکزی رہنما اور سابق وفاقی وزیر تہمینہ دولتانہ ایک بہت اثر و رسوخ والے جاگیردار سیاسی خاندان کی بیٹی ہے۔ وہ خود بھی ایک متمول جاگیردار ہے' دو جوان بیٹے ہیں اور وہ خود بڑھاپے کی منزل میں نہ سہی مگر ادھیڑ عمر ضرور ہے نواز حکومت کی برطرفی کے بعد جن لوگوں نے شریف فیملی کا بڑھ چڑھ کر ساتھ دیا ان میں تہمینہ دولتانہ کا نام سرفہرست رہا جس نے خاتون ہونے کے باوجود کئی نام نہاد مسلم لیگی مرد رہنماؤں کا ناطقہ بند کئے رکھا۔

تہمینہ کی ہم جولیوں کا کہنا ہے کہ وہ خاصی بولڈ طبیعت کی مالک ہے۔ اور اس کا ثبوت اکثر و بیشتر فراہم کرتی رہی ہے ایسا ہی ثبوت اس وقت سامنے آیا جب اس نے اپنے کزن و شوہر کی 23 رسالہ رفاقت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دوسری شادی رچالی........ اور لطف یہ ہے کہ اس سکینڈل میں بعض بڑے بڑے سیاسی لیڈروں کے نام بھی سامنے آئے۔ مگر مسلم لیگ کے ذمہ داران میں سے کسی نے بھی وضاحت کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور اسے سراسر ذاتی معاملہ قرار دیا۔

اس قصے کا آغاز اس وقت ہوا جب لاہور کے ایک انگریزی اخبار میں تہمینہ کی والدہ محترمہ عقیلہ دولتانہ نے اپنی بیٹی کو عاق کرنے کا نوٹس شائع کرایا اس پر سماجی حلقوں نے بڑی حیرت محسوس کی کہ قومی اسمبلی کی رکن بیٹی کو عاق کرنے کی نوبت کیوں آئی۔ شائع شدہ نوٹس میں اس کی وضاحت نہیں تھی۔ لیکن جلد ہی تہمینہ کی دوسری شادی کی بات منظر عام پر آگئی۔

تہمینہ دولتانہ کا پہلا نکاح 16 اکتوبر 1972ء کو گلبرگ لاہور کی جامع مسجد "بی" بلاک کے امام مسجد شاہ محمد امین نے میاں شوکت علی عقیل کے ساتھ پڑھایا تھا تہمینہ نے زندگی کے 23 سال (یعنی تقریباً چوتھائی صدی) شوکت عقیل کے ساتھ گزارے اس کے دو بیٹے عمران عقیل اور عرفان عقیل پیدا ہوئے۔ تہمینہ دولتانہ لاہور میں ایک انگلش میڈیم سکول چلاتی تھی جبکہ مری میں اس نے کچھ ولاز بنا کر کرایہ پر دے رکھے تھے۔ اس نے موضع لڈن میں زرعی اراضی پر باغات بھی لگوائے۔ 1988ء میں تہمینہ نے سیاست شروع کی وہ مسلم لیگ شعبہ خواتین پنجاب کی جنرل سیکرٹری اور پھر نائب صدر بھی منتخب ہوئی۔ 1993ء کے عام انتخابات میں اس نے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر وہاڑی سے قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا۔ الیکشن مہم میں اس کا واسطہ زاہد انور والہ سے پڑا (یہ صاحب چودھری شجاعت حسین کے ایک ادارہ کے مینجر کے بیٹے ہیں) زاہد انور نے تہمینہ کے حامی کی حیثیت سے انتخابی مہم چلائی اور آہستہ آہستہ تہمینہ کے قریب ہو گیا اور پھر یہ قریبی تعلقات ان دونوں (پہلے سے شادی شدہ) افراد کی شادی پر منتج ہوئے۔ یہ ہر دو کی دوسری شادی تھی۔

زاہد والہ کا تعلق بھی ضلع وہاڑی سے ہے وہ ضلع کونسل کے ممبر بھی رہے ہیں ان کی پہلی بیوی ان کے والد انور والہ کے ہمراہ لاہور میں رہائش پذیر ہے۔ تہمینہ سے شادی کے بعد زاہد والہ نے اپنا پہلا گھر چھوڑ کر تہمینہ کے ساتھ مستقل رہائش اختیار کر لی ہے اس کے لئے مبینہ طور پر تہمینہ نے اپنے بچوں اور شوہر کو گھر سے نکال دیا تھا۔ لیکن بعد میں نا معلوم وجہ سے اس نے اپنی رہائش چھوڑ کر کرائے پر گھر لے لیا۔

کہا جاتا ہے کہ تہمینہ کی الیکشن مہم میں اس کے شوہر شوکت عقیل اور اس کے بیٹوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ شہری حلقوں میں شوہر اور دیہی حلقوں میں زاہد والہ اور تہمینہ جاتے

رہے اور ابتدا میں گاڑی میں گن مین اور ڈرائیور موجود ہوتے تھے لیکن بتدریج ان کی چھٹی ہو گئی۔ اور زاہد والہٰ اکیلا ہی تہمینہ کو لے جاتا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی شکایت ڈرائیور نے میاں شوکت سے کی لیکن انہوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ الیکشن جیتنے کے بعد جب زاہد والہٰ نے لاہور میں تہمینہ کے پاس آنا جانا شروع کیا اور رات گئے تک اس سے راز و نیاز کی باتیں کرنے لگا تو میاں شوکت عقیل نے تہمینہ سے کہا کہ یہ اچھی بات نہیں اس سے ہماری شہرت کو نقصان پہنچتا ہے جس پر تہمینہ سیخ پا ہو گئی۔ اور پھر شوہر اور بچوں کو الگ کر دیا۔

میاں شوکت عقیل کا دعویٰ ہے کہ میں نے تہمینہ کو طلاق نہیں دی اس نے نکاح پر نکاح کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ 12 اکتوبر کو ایک اردو اخبار میں خواتین امیدواروں کے شوہروں کے جو انٹرویو چھپے ہیں۔ ان میں میری اور تہمینہ کی تصویر موجود ہے۔ اور بطور خاوند میرا انٹرویو ہے۔ ووٹر لسٹ میں بھی اس کے شوہر کی حیثیت سے میرا نام ہے۔ کاغذات نامزدگی میں بھی اس نے زوجہ میاں شوکت عقیل لکھا ہے۔

یکم اکتوبر کو میاں نواز شریف کی صدارت میں وہاڑی میں جو جلسہ عام ہوا اس میں بھی میاں نواز شریف سے میرا تعارف بحیثیت شوہر کرایا گیا۔ وہاڑی کے لاکھوں عوام بھی اس کے گواہ ہیں کہ میں نے انتخابی مہم بطور خاوند چلائی۔ میاں نواز شریف سے میرے تعارف کی ویڈیو فلم بھی موجود ہے۔ 13 اکتوبر کو جائیداد کا جو گوشوارہ اسلام آباد بھجوایا گیا اس میں بھی مجھے خاوند لکھا گیا۔ قومی اسمبلی میں رکن کی حیثیت سے رجسٹر کے اندراج میں بھی خاوند کے نام کی جگہ میرا نام ہے۔ تہمینہ کے شناختی کارڈ پر بھی خاوند کی حیثیت سے میرا نام ہے۔

4 نومبر 1993ء کو پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد کی بیٹی کی شادی کے موقع پر تہمینہ نے میاں محمد اظہر، عثمان ابراہیم، میاں عبدالوحید اور صوبائی وزیر رانا اکرام ربانی سے میرا تعارف بحیثیت خاوند کرایا۔ اس تقریب کی تصویر بھی اخبارات میں شائع ہوئی۔ 9 نومبر کی رات کو امریکی سفیر کے ہاں ڈنر پر ہم دونوں میاں بیوی گئے۔ وہاں قومی اسمبلی کے سپیکر اور سرتاج عزیز سے میرا تعارف کروایا گیا۔ 8 اور 9 نومبر کو ہم نے "ہالیڈے ان" میں ایک ساتھ قیام کیا۔

11 نومبر کو جب تہمینہ صدارتی الیکشن کے لئے ووٹ ڈالنے گئی تو زاہد واہلہ ان کے پیچھے پہنچ گئے۔ اور پھر وہ کسی نامعلوم جگہ پر اکٹھے رہے۔ 14 نومبر کو تہمینہ نے گھر آکر شور مچایا کہ مجھے طلاق دو اور میرا گھر خالی کردو۔ میں نے اپنے خاندان کے افراد کو بلایا اور پھر بچوں کو لے کر سسرال میں آگیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ تہمینہ اور زاہد نے شیر شاہ سوری بلاک کے ایک سکول میں نکاح پڑھوایا ہے۔ میاں شوکت عقیل نے کہا کہ "میں نے انسپکٹر جنرل پولیس کو درخواست دی جس پر کوئی کارروائی نہ ہوئی۔ میں نے دوبارہ یاد دہانی کروائی مگر پھر بھی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔"

زاہد واہلہ جب بھی ہمارے گھر آتے تو کہتے کہ میاں نواز شریف نے ان دونوں (زاہد' تہمینہ) کی ڈیوٹی لگائی ہے کہ آزاد ارکان کو اپنے ساتھ ملائیں۔ یہ کہہ کر وہ تہمینہ کو جانے کہاں لے جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ بیگم مجیدہ وائیں کی انتخابی مہم میں بھی میاں چنوں آتے رہے......!

دوسری طرف اس سکینڈل کے منظر عام پر آنے پر تہمینہ دولتانہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ میں نے شرعاً اور قانوناً طلاق لے کر زاہد واہلہ کے ساتھ دوسری شادی کی ہے۔ میاں شوکت نے مجھے طلاق کا حق تفویض کیا تھا۔ اس لئے مجھے ناجائز کرنے کی کیا ضرورت تھی (یہاں تہمینہ نے یہ وضاحت نہیں کی کہ آیا اس نے اپنے طلاق کے فیصلے سے دوسری شادی کرنے سے قبل اپنے شوہر کو آگاہ کیا تھا یا نہیں) انہی دنوں تہمینہ نے اپنا دفاع کرتے ہوئے وہاڑی میں اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے یہ معنی خیز اور دلچسپ دلیل پیش کی۔ کہ "میری دوسری شادی ملک کی 52 فیصد خواتین کے حقوق کے تحفظ کی جنگ ہے۔"

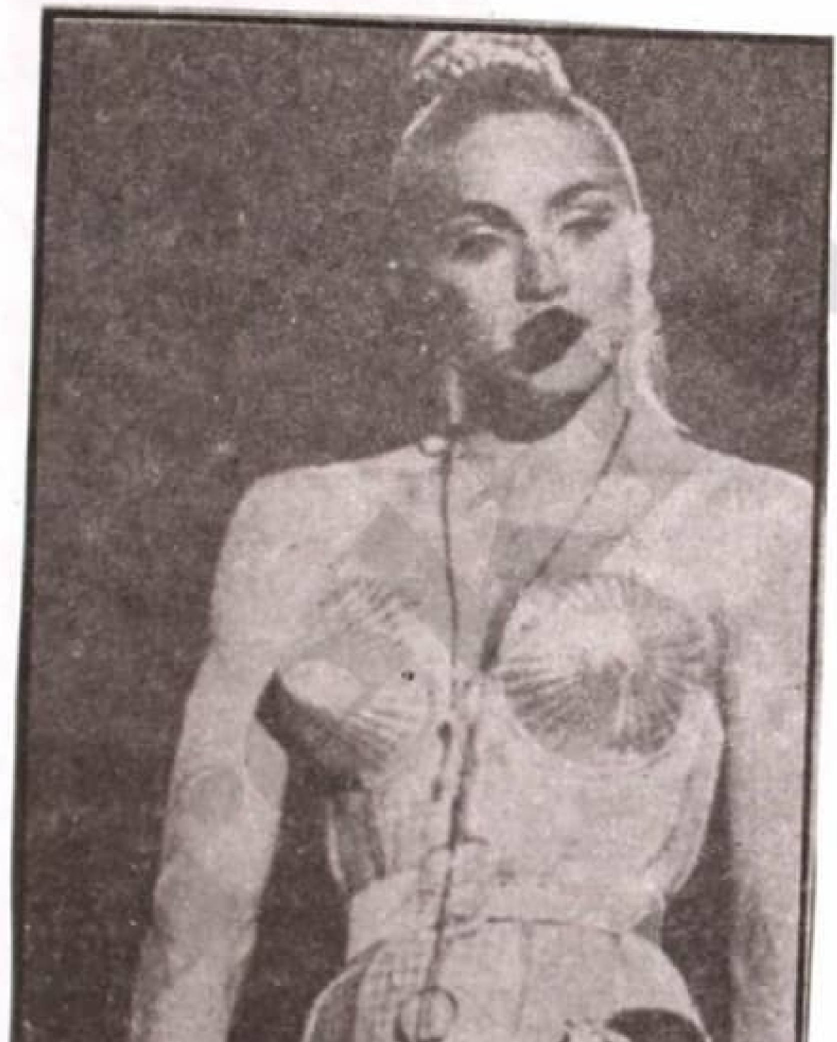
اس سکینڈل کی ایک فریق تہمینہ کی والدہ بھی رہی ہیں۔ انہوں نے اپنی رہائش گاہ پر ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ اس موقع پر تہمینہ کے سابق شوہر شوکت عقیل اور دونوں بیٹے عمران اور عرفان موجود تھے۔ تہمینہ کی والدہ نے کہا "تہمینہ وغیرہ 9 نومبر کو (اپنے بچوں اور شوہر شوکت عقیل بھی شامل ہیں) مری گئے 14 نومبر کو ڈیفنس سوسائٹی لاہور چھاؤنی کے گھر میں پہلی مرتبہ تہمینہ نے ہماری موجودگی میں عقیل سے طلاق مانگی 9 نومبر اور 14 نومبر کے درمیان زاہد واہلہ نے میری بیٹی تہمینہ کا پیچھا کیا تھا' اس سے پہلے وہ لاہور میں

تہمینہ کے سکول میں اس سے ملتا رہتا تھا۔ 2 دسمبر کو لاہور پہنچ کر تہمینہ نے غلط زبان استعمال کی یہ تبدیلی زاہد کی وجہ سے ہوئی۔ زاہد واہلہ، چودھری شجاعت حسین اور پرویز الٰہی کی ایک مل کے مینجر کا لڑکا ہے، اور قتل کے مقدمہ میں وہاڑی میں پیشیاں بھگت چکا ہے۔ وہ پہلے سے شادی شدہ اور تین بچوں کا باپ ہے (تہمینہ دو بچوں کی ماں تھی) عقیلہ نے کہا" تہمینہ کی اس حرکت کا اثر اس کی سیاست پر بھی پڑے گا تہمینہ اگر کہتی ہے کہ میں نے طلاق لے لی ہے اور زاہد سے شادی کرلی ہے تو یہ دونوں چیزیں 9 نومبر اور 2 دسمبر کے درمیان کیسے ممکن ہیں آخر ہمارے ملک میں طلاق اور دوبارہ شادی کا کوئی قانون ہے۔"

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں یہ "سیاسی عیاشی" بھی اپنی موت آپ مرگئی اور تہمینہ دولتانہ منصب فضیلت حاصل کرتی ہوئی نواز حکومت میں وفاقی وزیر بن گئیں۔ اور زاہد انور واہلہ کے ساتھ "خوش و خرم" زندگی بسر کر رہی ہیں۔ ہم اس سلسلے میں صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ "جب ہوں، دونوں" راضی تو کیا کرے گا قاضی......! ویسے بھی تہمینہ محض ایک جاگیردارنی نہیں بلکہ نہ صرف قومی اسمبلی کی رکن بلکہ وفاقی وزیر بن گئیں لہٰذا کچھ نہ ہو سکا اور ہوتا بھی کیسے قانون تو اندھا ہوتا ہے، اسے طاقتور اور برسر اقتدار لوگ انگلی پکڑ کر چلانا سکھاتے ہیں اور پاکستان میں تو ہمیشہ (Might is Right) والا نظام ہی رائج رہا ہے۔ ہاں اگر تہمینہ کے پہلے بچوں کا موقف جاننے کی خواہش ہو تو قتیل شفائی کی یہ نظم پڑھ لیجیے۔

امی پیاری پیاری امی
یہ تو مجھے بتلادو نا
تم میری کیا لگتی ہو
پوچھتے ہیں میرے ہمجولی
جب میں ان سے کھیلتا ہوں
تیرے باپ کا نام ہے کیا
میں کہتا ہوں امی سے کل پوچھ کے تمہیں بتاؤں گا
لیکن پیاری امی مجھ کو اتنا بھی معلوم نہیں

تم میری کیا لگتی ہو
ماں ہوتیں تو مجھ کو تنہا چھوڑ کے لمبی راتوں میں
دیر دیر تک مجھ سے دور نہ تم رہتیں
پھر تم میری کیا ہو امی
اتنا تو سمجھا دو نا
باپ کا نام تو پھر مجھ کو بتلا دینا
تم میری کیا لگتی ہو
یہ مجھ کو بتلا دو نا
پیاری امی' بے حس امی!



میڈونا جسے شیخ رشید پاکستان لانا چاہتے تھے



شیخ رشید

"جس شخص کو ہر صبح پینے کے لئے تازہ دودھ میسر ہو۔ اسے اپنے کھونٹے پر بھینس باندھنے کی کیا ضرورت ہے۔" یہ الفاظ بازار حسن میں بیٹھ کر جسموں کا کاروبار کرنے والے شخص کے نہیں بلکہ نواز شریف کابینہ کے وزیر مسلم لیگ کے ہردلعزیز اور پاکستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ بے باک سیاسی لیڈر اور جنسی سکینڈل کے حوالے سے شہرت حاصل کرنے والے پچاس سالہ "کنوارے" شیخ رشید کے ہیں۔ ان کے یہی الفاظ ان کی سوچ اور طبعی میلان کی عکاسی کرتے ہیں۔

شیخ رشید کا نعرہ ہے کہ "پہلے گناہ کرو تاکہ بعد میں توبہ کر سکو" فلمی اداکاراؤں سے لے کر عام لڑکیوں تک ہر جگہ شیخ رشید احمد کا نام سنائی دیتا ہے۔ خاص طور پر نواز شریف کے پہلے دور اقتدار میں جب ان کے پاس وزارت ثقافت تھی تو اس وقت گویا ان کی پانچوں انگلیاں گھی میں اور "سر کڑاہی" میں تھا۔ پاکستانی تاریخ میں پہلی بار انہوں نے اعلان کیا کہ وہ مائیکل جیکسن اور میڈونا کو پاکستان بلائیں گے۔ یہ اور بات کہ وقت نے وفا نہ کی اور حکومت ہی چلی گئی۔

شیخ رشید احمد اپنی سوانح عمری "فرزند پاکستان" میں خود اعتراف کرتے ہیں کہ وہ متوسط

طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی سیاست غریب پروری کی سیاست تھی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ بعد میں صرف "زنا پرور" ہو کر رہ گئی) ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب وہ تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران راولپنڈی جیل میں قید تھے تو سیاسی لوگ ان کے کردار کے حوالے دیا کرتے تھے۔ پھر جماعت اسلامی کے جاوید ہاشمی انہیں لے اڑے۔ بعد ازاں چودھری ظہور الٰہی سے ان کی دوستی ہو گئی۔

لال حویلی جو ایک بیسوا "بدھوبائی" کی حویلی تھی۔ شیخ رشید نے اس کی روایت برقرار رکھی۔ بس فرق یہ پڑا کہ وہ میزبان بھی خود بن گئے اور گاہک بھی۔

اداکارہ انجمن کو شیخ رشید نے اسلام آباد آنے کی دعوت دی۔ اس دعوت کے ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنائی گئی کہ انہیں "نیف ڈک ایوارڈ" دیا جا رہا ہے اداکارہ انجمن اپنے خاوند مبین اور بچوں کے ہمراہ وفاقی دارالحکومت پہنچ جاتی ہیں۔ وفاقی دارالحکومت میں شیخ رشید ایک وفاقی وزیر کی حیثیت سے رات کے گیارہ بجے انہیں چائے کی دعوت دیتے ہیں اور ساتھ ہی یہ کہ وہ اکیلی آئیں گی۔ انجمن نے معذرت کر لی کہ وہ اپنے ایک عدد خاوند مبین ملک اور بچوں کو چھوڑ کر اکیلی نہیں آسکتی ہیں۔ شیخ رشید نے انجمن کی اس اداکارانہ معذرت کا برا منایا۔ رات کو لال حویلی میں "جام چلتے رہے دل اچھلتے رہے" والا معاملہ ہو گیا لیکن "محفل پر رنگ شباب نہیں آیا" انجمن کے بقول وفاقی وزیر جوں جوں نشے میں پاگل ہوتے رہے ٹیلیفون کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ لال حویلی سے ہوٹل میں پڑی ہوئی انجمن کو اس قدر فون کیے گئے کہ وہ رات بھر سو نہیں سکی۔ تنگ آکر شیخ رشید نے ریما سے "لال حویلی" کی بقیہ رات کو حسین بنا کر سرکاری ایوارڈ کے لئے نامزد کر دیا یوں اداکارہ انجمن محروم رہ گئیں۔ ایوارڈ سے محرومی کے بعد انجمن نے کسی کو یہ تو نہیں بتایا کہ ریما اپنے حسن و جمال سے پردہ اٹھا کر وفاقی وزیر کے حکم پر ایوارڈ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔ انجمن نے اتنا ضرور بتایا کہ انہیں ایوارڈ صرف اس لئے نہیں دیا گیا کہ وہ وفاقی وزیر کی دعوت پر اکیلی چائے پینے کے لئے نہیں گئی تھیں۔

اس واقعہ میں اداکارہ ریما کا ذکر آیا ہے۔ شیخ رشید احمد کی وزارت کے دوران ریما اور شیخ رشید ایک ہی نام کے طور پر پکارے جاتے تھے۔ اسی ایوارڈ کی تقریب میں جب شیخ

رشید نے ریما کو ایوارڈ وصول کرنے کے لئے سٹیج پر بلایا تو سازندوں نے شادی کا ساز بجانا شروع کر دیا۔ جس پر میزبان دلدار پرویز بھٹی مرحوم نے کہا جناب اس کو مائنڈ نہ کریں کہ یہ سازندے بھی ایجنسیوں کے کارندے ہیں۔ حتیٰ کہ ریما نے ایک انٹرویو میں خود اعتراف کیا کہ ایک وفاقی وزیر نے 1991ء میں مجھے شادی کی آفر کی تھی۔ مگر بات آگے نہ بڑھ سکی اس واقعہ کے ایک چشم دید گواہ بتاتے ہیں کہ

شیخ رشید نے ریما کی ماں کو ہاتھ جوڑ کر التجا کی کہ انہیں اپنی فرزندی میں قبول کر لیں۔ لیکن ریما کی ماں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ جب ریما کے ساتھ تم "باقاعدہ اپنا کام کر لیتے" ہو تو پھر شادی کی ضرورت کیا ہے۔ اس پر شیخ رشید مطمئن ہو گئے۔ بعدازاں ایک اور جگہ ریما نے اس بات کا فخریہ اعلان کیا کہ میں پاکستان کی واحد اداکارہ ہوں جس سے شیخ رشید سمیت کئی رہنما محبت کرتے ہیں۔ ریما نے کہا کہ میں نے ایک بار شیخ رشید کو ایک تقریب میں شرکت کے لئے فون کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں بہت بدنام ہو گیا ہوں۔ لہٰذا تقریب میں شرکت نہیں کر سکتا۔ دوران اسیری یہ وقت بھی آیا کہ شیخ رشید احمد



شیخ رشید اداکارہ ریما کی "کارکردگی" پر اسے ایوارڈ دیتے ہوئے

بلاوے دے دے کر تھک گئے اور ریما کے پاس شوٹنگ کے علاوہ کسی اور کے لئے وقت نہیں تھا۔ نواز شریف کے دوسرے دور اقتدار میں شیخ صاحب نے ریما کے ساتھ سوئٹزر لینڈ جانے کا پروگرام بنایا اور ان کی بکنگ ایک مشترکہ دوست نے کروائی لیکن برا ہو ایک رپورٹر کا جس نے بیچ چوراہے اخبار میں خبر دے کر بھانڈا پھوڑ دیا اور شیخ صاحب پریشان ہو گئے اور یوں سوئٹزر لینڈ میں شیخ صاحب اور ریما کی "شوٹنگ" مکمل نہ ہو سکی البتہ یہ اداکارہ وزیر موصوف کی تنہائی دور کرنے کے لئے ہفتہ دس دن اسلام آباد اور مری کے پرفضا مقامات پر گزارتی رہی۔

ایس ٹی این پر چلنے والے ایک ڈرامہ میں طوائف کا کردار ادا کرنے والی اداکارہ فریال گوہر نے اپنی اداکاری، تیکھے نقوش اور سرو قد کی وجہ سے شہرت حاصل کی تو شیخ رشید کی "رال" ٹپکنے لگی۔ موصوف نے فریال گوہر کو بھی دعوت عیش و نشاط دے ڈالی۔ فریال گوہر بھی آزاد عورت ہے لیکن اس نے شیخ رشید کے بستر کی زینت بننے سے انکار کر دیا۔ اس انکار کے نتیجے میں اس کی اپنے خاوند جمال شاہ سے علیحدگی ہو گئی۔ فریال گوہر انقلابی نظریات رکھتی ہے۔ جبکہ جمال شاہ اسے شیخ رشید کے کمرے تک پہنچا کر اپنے مفادات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ شیخ رشید فریال گوہر کی اداؤں پر مرتے تھے۔ اس نے شہباز شریف کے ذریعے جمال شاہ کو لاکھوں کی پیش کش کی لیکن جمال شاہ ان کے شوہر ہوتے ہوئے بھی انہیں رام کرنے میں ناکام رہے۔ بعد ازاں شیخ رشید نے اپنے اثر و رسوخ اور تجربات سے اس کے تمام انقلابی نظریات جلا دیئے۔ پھر فریال گوہر کو اکثر شیخ رشید کے ساتھ دیکھا گیا۔

فریال گوہر شاید واحد شخصیت ہے جس کو جب بھی کسی انٹرویو کا سامنا ہوتا ہے تو اس کی آنکھوں میں ایک چبھنے والی چمک ہوتی ہے اور وہ کہتی ہے کہ مجھے امید ہے کہ بہت سے فحش سوالات کئے جائیں گے اور میں فحش سوالات پسند کرتی ہوں۔ خواہشات کے معاملے میں آزاد خیال فریال گوہر جتنا دوسروں کو برا نگیختہ کرنا پسند کرتی ہے اتنا ہی خود کو برانگیختہ کیا جانا پسند کرتی ہے۔

ایک بار دونوں کے بارے میں خبر آئی کہ ان دونوں شخصیات نے ایک ہی طیارے میں اسلام آباد سے شارجہ تک سفر کیا بعد ازاں ایک ہی ہوٹل میں قیام رکھے ہوئے ہیں

جبکہ دونوں سارا سارا دن اکٹھے گھومتے پھرتے اور ساحل سمندر پر تفریح کرتے ہیں۔ ان کی اس طرح کی مصروفیات نے وہاں کئی قسم کی قیاس آرائیوں کو جنم دیا بتایا جاتا ہے کہ اس کے بعد فریال گوہر نے شیخ رشید کو شادی کی پیشکش کی ہے جس پر وہ سنجیدگی سے غور کرتے رہے ہیں۔

جن دنوں مسلم لیگ (ن) کے قائد میاں محمد نواز شریف کے دلشاد بیگم سے عشق کے چرچے زبان زدعام تھے' نواز شریف کے دست راست شیخ رشید احمد نے دلشاد بیگم پر بھی ڈورے ڈالنے کی کوشش کی۔ اس وقت شیخ رشید وفاقی وزیر تھے۔ وہ معروف بھارتی صنعت کار گودریج کی اہلیہ کی فرمائش پر شارجہ میں منعقد ہونے والا کرکٹ ٹورنامنٹ دیکھنے کے لئے وہاں گئے تھے۔ اس ٹورنامنٹ میں بھارتی اداکار فیروز خان کی فیملی جس میں دلشاد بیگم بھی شامل تھی' مسز گودریج کی مہمان تھی۔ ٹورنامنٹ کا ایک میچ جو پاکستان اور بھارت کے درمیان کھیلا جا رہا تھا اسے دیکھنے کے لئے شیخ رشید نے مسز گودریج سے انتہائی اصرار کے بعد فیروز خان فیملی کے قریب نشست حاصل کر لی۔ شیخ رشید کو جو نشست ملی وہ دلشاد بیگم کے دائیں ہاتھ پر تھی۔ شیخ رشید نے اپنی نشست سنبھالتے ہی سگار سلگایا اور اس کا دھواں دلشاد بیگم کے منہ پر پھینکنا شروع کر دیا۔ دلشاد بیگم کافی دیر تک شیخ رشید کی اس حرکت کو برداشت کرتی رہی۔ جب شیخ رشید کی "گھوریاں" اور سگار کا دھواں برداشت سے باہر ہونے لگا تو دلشاد بیگم نے اس کی شکایت اپنے بھائی فیروز خان سے کر دی۔ فیروز خان نے دلشاد بیگم کو اس کی نشست سے اٹھا کر اپنی سیٹ پر بٹھا دیا اور خود شیخ رشید کے قریب بیٹھ گئے۔ شیخ رشید فیروز خان فیملی کے اس خاموش احتجاج پر بھی باز نہ آئے اور آگے کو جھک کر دلشاد بیگم کو تاڑنا شروع کر دیا۔ شیخ رشید کی اس حرکت پر فیروز خان نے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر اپنا جوتا وفاقی وزیر کی طرف کر دیا اور مسلسل بڑبڑاتا رہا۔ شیخ رشید یہ صورت حال زیادہ دیر برداشت نہ کر سکے اور اٹھ کر سٹیڈیم سے ہوٹل چلے گئے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ٹی وی کیمرے نے نہ صرف شیخ رشید کی حرکتوں کو فلمبند کر لیا بلکہ یہ سارا منظر ٹی وی پر بھی دکھایا جاتا رہا۔ یہ سلسلہ یہاں پر ہی ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اسلام کے نام پر حاصل کئے جانے والے ملک ۔ وفاقی وزیر نے مغرب کے معروف پاپ سنگر مائیکل

پاکستان میں شریعت کے نفاذ کا دعویٰ کرنے والی نواز حکومت کے وفاقی وزیر "فرزند پاکستان"

شیخ رشید کی مصروفیات









جیکسن اور میڈونا کو بھی پاکستان آنے کی دعوت دے ڈالی۔ ایک دفعہ لاہور سے کوئٹہ سفر کے دوران سابق وفاقی وزیر ثقافت شیخ رشید نے سابق وزیر اعظم میاں نواز شریف سے آٹو گراف لینے کے لئے ان کی سیٹ پر جانے والی لڑکیوں کو گھیر لیا اور انہیں اپنے پنڈی کے فون نمبر بتانا شروع کر دیئے۔ جب ان لڑکیوں میں سے ایک نے کہا کہ آپ اپنی دلچسپیاں ریما تک ہی محدود رکھیں تو شیخ رشید نے کہا کہ میں حسن پرست ہوں اور مجھ میں اتنی کشش ہے کہ ہر جگہ حسین لڑکیاں میری طرف کھینچی چلی آتی ہیں۔ اس پر قریب بیٹھے ہوئے ایک بزرگ نے سخت اعتراض کیا اور کہا کہ آپ کو خواتین سے گفتگو کرتے وقت کم از کم اپنی پوزیشن کا ہی خیال کرنا چاہئے تاہم شیخ رشید ہنستے رہے اور کہا حسین لڑکیو! میں سرینا میں ٹھہروں گا اگر آپ مجھ سے ملنے آئیں تو مجھے خوشی ہو گی۔ اس پر لڑکیوں نے کہا کہ ہم آپ سے نہیں میاں نواز شریف سے آٹو گراف لینے آئی ہیں' آپ اپنا منہ دھو رکھیں۔ ان کے جانے کے بعد شیخ رشید نے سابق وزیر اطلاعات میاں عبدالستار لالیکا سے کہا' لالیکا صاحب آپ دیکھ لیں گے کل یہ لڑکیاں مجھ سے ملنے ہوٹل ضرور آئیں گی۔ اس موقع پر میاں نواز شریف بھی موجود تھے تاہم انہوں نے اس گفتگو میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

مندرجہ بالا واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وزیر موصوف کی سرگرمیاں اپنی حویلی کی طرح کتنی رنگ رنگیلی ہیں۔ اس طرح کا ایک واقعہ فروری 1998ء میں ہوا جب مسلم لیگی رہنما تہمینہ دولتانہ نے ملتان میں کھلی کچہری لگائی۔ جس میں نورین نامی ایک طالبہ نے بمشکل آگے بڑھ کر تہمینہ دولتانہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ کی سٹی صدر سلطانہ شاہین مجھے نوکری دلوانے کا جھانسہ دے کر اسلام آباد لے گئی۔ میں نے اپنے رشتے داروں سے ادھار رقم لے کر اسلام آباد کے لئے ہوائی جہاز کا ریٹرن ٹکٹ خرید کر دیا اور خود ٹرین کے ذریعے اسلام آباد گئی۔ وہاں پہنچ کر اس نے مجھے ایک وفاقی وزیر کے کمرے میں جانے کو کہا اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ اپنے کام کے ساتھ ساتھ میرا بھی ایک کام کرواتی لانا۔ نورین کی گفتگو کے دوران سناٹا چھا گیا۔ اس نے بتایا کہ جب وہ وفاقی وزیر کے کمرے میں گئی تو وہاں مجھ سے زیادتی کرنے کی کوشش کی گئی' میں بمشکل جان بچا کر اپنا پرس وہیں چھوڑ کر بھاگی اور ساتھ ہی اس نے ایک کاغذ کا ٹکڑا جس پر وفاقی وزیر کا نام لکھا تھا تہمینہ دولتانہ کے ہاتھ



ن ب و ہر

میں تھما دیا۔ تہمینہ دولتانہ نے رقعہ اپنے پرس میں رکھ لیا۔ موقع پر موجود اخبار نویسوں کے پوچھنے پر وہاں موجود مسلم لیگی خواتین نے ایک دوسرے پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی اور فحش الزامات لگنے کا سلسلہ شروع ہوا' جو مار کٹائی تک جا پہنچا۔ وہاں اس اس ذات کی گالیوں کا تبادلہ ہوا کہ کھلی کچہری میں سب کچھ کھل گیا اور تہمینہ دولتانہ کھلی کچہری چھوڑ کر وقت سے پہلے ایئرپورٹ کے ایگزیکٹو لاؤنج میں پناہ گزین ہو گئیں۔ ایک مقامی اخبار کی خاتون رپورٹر نے تہمینہ دولتانہ کے جانے کے بعد نورین سے بات کرنے کی کوشش کی تو اس خاتون رپورٹر کے گلے میں دوپٹہ ڈال کر اسے نیچے گرا لیا گیا اور پھر تین چار خواتین اس پر اس وقت تک بیٹھی رہیں جب تک نورین کو لیگی خواتین کے جھرمٹ میں وہاں سے غائب نہیں کر دیا گیا۔

ایک بار شیخ رشید احمد اور اعتزاز احسن کے درمیان پارلیمنٹ میں تو تکار ہو گئی۔ اعتزاز احسن نے آن دی فلور کہا کہ میں بھی آج وفاقی وزیر کے پول کھولوں گا کہ یہ جہاد کشمیر کے نام سے قائم کئے جانے والے کیمپ میں طوائفیں نچواتے رہے ہیں جس کے تصویری ثبوت موجود ہیں اور میں وہ کل ایوان میں پیش کروں گا۔

دراصل شیخ رشید احمد اعتزاز احسن کو سکھوں کی لسٹیں بھارتی حکومت کو دینے کی ہر وقت تکرار کرتے رہتے تھے اور اسے ڈکشٹ کہتے تھے۔ بعدازاں معروف کالم نگار حسن نثار کے رسالے "زنجیر" میں "فرزند پاکستان" کی ایسی تصاویر شائع ہوئیں۔ جن میں وہ ایک عورت کے جسم کی پیمائش کر رہے ہیں۔ اور اسے ویلیں کرا رہے ہیں۔ اعتزاز احسن نے یہ تصاویر بھی اسمبلی میں پیش کرنے کی دھمکی دی۔ اب دونوں فریقوں میں سیز فائر ہو چکا ہے۔ چونکہ جب بھی شیخ رشید لسٹوں کی بات کرتے ہیں اعتزاز احسن تصویروں کا قصہ لے بیٹھتے ہیں۔ شاید اس لئے بزرگ کہتے ہیں "ایک چپ سو سکھ۔"

شیخ صاحب خود کو ابھی تک کنوارہ ظاہر کرتے ہیں حالانکہ ان کی شادی کے ثبوت کئی اخبارات میں چھپ چکے ہیں۔ شیخ رشید احمد کی اہلیہ شہناز شیخ اپنے شوہر شیخ رشید پر الزامات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے انہیں جھوٹا' فریبی' غنڈہ اور عیاش قرار دیتے ہوئے چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف اور ملک میں انسانی حقوق کی علمبردار تنظیموں سے اپیل کرتی ہیں کہ وہ انصاف دلائیں۔ ان خیالات کا اظہار شہناز شیخ نے راولپنڈی میں پاکستان عوامی تحریک کے دفتر میں تحریک کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کے ہمراہ ایک پرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کے دوران کیا۔ پروفیسر طاہر القادری نے اس موقع پر صحافیوں سے شہناز شیخ کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ عوامی تحریک کا عوامی داد رسی سیل اس کیس میں محترمہ شہناز شیخ کی مدد کرے گا اور شیخ رشید کے خلاف مقدمہ درج کرانے کے علاوہ خاتون کو ہر قانونی و اخلاقی تحفظ فراہم کیا جائے گا۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے شیخ رشید احمد کی شہناز شیخ سے شادی کا پس منظر پوری تفصیل سے بیان کیا اور بتایا کہ خاتون نے ان کے ساتھ رابطہ کر کے اپنے ساتھ ایک وفاقی وزیر اور اپنے شوہر شیخ رشید احمد کے مظالم کا ذکر کیا اور ان سے امداد اور تعاون کی استدعا کی۔

پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے شیخ رشید احمد کی اہلیہ شہناز شیخ نے کہا کہ میں نے مئی 1996ء میں امریکہ میں شریعت محمدی ﷺ اور اسلامی قوانین کے مطابق شیخ رشید احمد سے نکاح کیا جو امریکہ میں باقاعدہ رجسٹرڈ ہے مگر تین سال گزرنے کے باوجود رجسٹریشن آف شادی ایکٹ کے تحت نکاح شیخ رشید احمد نے رجسٹرڈ نہ کرایا تاکہ ان کے مقاصد کی تکمیل میں یہ شادی رکاوٹ نہ بنے اور میرے اصرار کے باوجود شادی کو منظر عام پر لانے اور نکاح کو رجسٹرڈ کرانے کا معاملہ ٹالتے رہے۔ میرے شوہر شیخ رشید شادی شدہ ہو کر بھی خود کو کنوارہ ظاہر کرتے رہے۔ انہوں نے الیکشن کمیشن کو الیکشن 1997ء میں بھی کاغذات نامزدگی میں خود کو کنوارہ ظاہر کیا حالانکہ میری اور ان کی شادی 1996ء میں ہو چکی تھی۔ شہناز شیخ نے کہا کہ شیخ رشید نے سفارتی پاسپورٹ سمیت دیگر سرکاری کاغذات میں غلط معلومات فراہم کر کے بطور عوامی نمائندہ جھوٹ' بددیانتی اور خیانت کا ارتکاب کیا۔ شیخ رشید شادی کے تین سال بعد بھی خود کو غیر شادی شدہ قرار دے کر کہتے رہے کہ اگر تازہ دودھ مل جائے تو گھر میں بھینس پالنے کی ضرورت کیا ہے۔ بعض مواقع پر ملک کی ممتاز شخصیات ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کے سامنے انہوں نے میرے بارے میں یہ تبصرہ کیا کہ مجھے انہوں نے داشتہ کے طور پر رکھا ہوا ہے' شادی نہیں کی' جو شیخ رشید کی طرف سے شریعت محمدی کا مذاق اڑانا اور سنت نبوی ﷺ کی توہین کرنے کے مترادف ہے اور مجھے ایک داشتہ قرار دے کر معاشرے میں میری ذلت اور رسوائی کی گئی۔ شیخ رشید سے شادی کی وجہ سے سعودی قانون کے تحت مجھے سعودی پاسپورٹ سے محروم ہونا پڑا اور پاکستان آ کر میں تباہ و برباد ہو گئی کیونکہ میرا اپنا شوہر مجھ سے شادی سے انکاری ہے۔ اس ظلم نے مجھے ذہنی اور اخلاقی طور پر تباہی کے گڑھے میں دھکیل دیا۔ ایک سوال پر شہناز شیخ نے کہا کہ میرے علاوہ لاتعداد خواتین شیخ رشید کے مظالم کا نشانہ بنیں۔ ایک طالبہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس طالبہ کو صرف داخلہ کے حصول کے لئے شیخ رشید کی ہوس کا نشانہ بننا پڑا۔ شہناز شیخ نے بتایا کہ میں شادی کے بعد تقریباً پندرہ دن تک شیخ رشید کی رہائش گاہ واقع آئی ٹن تھری سٹریٹ نمبر 9 مکان نمبر 159 میں مقیم رہی۔ سابق دور حکومت میں اس لئے خاموش رہی کہ مجھے اور میرے بچوں کو اغواء اور سنگین نتائج کی

دھمکیاں دی گئیں۔ آج بھی بے شمار عورتیں شیخ رشید احمد کے مظالم کا نشانہ بننے کے باوجود خاموش ہیں مگر میں انہیں کیفر کردار تک پہنچاؤں گی۔

شہناز بیگم نے کہا ہے کہ اگر میں شیخ رشید کی بیوی نہیں ہوں تو وہ میرے گھر کیوں آتا رہا اور کیوں میرے ساتھ تعلقات رکھے' کیا یہ تعلقات حدود آرڈیننس کی زد میں نہیں آتے۔ انہوں نے کہا کہ میں شیخ رشید کے جسم پر نشانات کی تفصیل بتا سکتی ہوں اور یہ تفصیل ایک بیوی کے علاوہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ انہوں نے کہا کہ شیخ رشید نے شادی سے قبل اپنے بھائی اور بہن سے اجازت لی' یہ سب لوگ قرآن پر حلف دے کر کہیں کہ میں شیخ رشید کی بیوی نہیں ہوں۔ انہوں نے بتایا کہ امریکی حکومت کی طرف سے میرج سرٹیفکیٹ' اسلامک سنٹر کیلفورنیا کا جاری کردہ سرٹیفکیٹ اور اس کی تصاویر کے علاوہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کے جس ہوٹل میں ولیمہ ہوا اس کا شاف بھی اس کا گواہ ہے۔ شیخ رشید میرے فون ٹیپ کراتے رہے انہوں نے مجھے شہباز شریف سے بھی "ملوانے" کی کوشش کی جو نفسیاتی مریض ہیں اور اعصابی قوت کی دوائیں اور انجکشن استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ شیخ رشید کہا کرتے تھے کہ دوران تعلیم کالج کے



دردانہ رحمن شیخ رشید کے ساتھ

لڑکے شیخ رشید سے زیادتی کرتے رہے۔ جس کا انتقام وہ اب ان کی بہنوں سے زیادتی کر کے لے رہا ہے جس پر وہ اسے سمجھاتی تو وہ رونا شروع کر دیتا۔ انہوں نے کہا کہ سابق وفاقی وزیر جھوٹا آدمی ہے بات بات پر قسمیں کھانا اس کی عادت ہے' مجھے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو بے نقاب کرنے کے لئے منتخب کر لیا ہے۔

شیخ رشید احمد عملی طور پر تو "کام" کرنے کے عادی ہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ زبانی جمع خرچ بھی کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ اسمبلی میں بھی وہ باز نہیں آتے تھے۔ بینظیر بھٹو ایک بار پیلے رنگ کا لباس پہن کر ایوان میں آئی۔ تو شیخ صاحب نے آواز کسی کہ آج تو پوری "یلو کیب" لگ رہی ہے۔ اسی طرح وہ بینظیر پر دوسری فقرے بازیاں کرتے رہتے۔ اندرونی حلقوں کا کہنا ہے کہ انہیں جیل بھی دراصل ان کی انہی حرکتوں کی وجہ سے ہوئی تھی۔ جبکہ وہ خواتین کے جلسوں میں بھی ذو معنی فقرے کہنے سے باز نہیں آتے تھے۔ ایک بار ان سے پوچھا گیا کہ آپ اپنی تقریر کے دوران ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں کہ وہاں بیٹھی خواتین شرم سے پانی پانی ہو جاتی ہیں۔ اس پر انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ میں تو برطانوی اسٹائل میں تقریر کرتا ہوں اگر کوئی اس کا غلط مطلب لیتا ہے تو میرا کیا قصور ہے۔ اس موقع پر انہوں نے مثال کے طور پر اپنی کسی تقریر کا ایک اقتباس سنایا۔

اصل قصہ یہ تھا کہ بینظیر نے اپنے دور اقتدار میں اتفاق فاؤنڈری کا بیرون ملک سے آنے والا سکریپ 40 روز سے زائد عرصے تک کراچی کے سمندر میں روکے رکھا اور نواز شریف حکومت میں آئے تو انہوں نے آصف زرداری کی طرف سے درآمد کئے گئے خشک دودھ کو غیر صحت مند قرار دیتے ہوئے ضبط کر لیا۔ یہ واقعہ جب شیخ صاحب کے پاس پہنچا۔ تو ان کی زبان و بیان نے اسے اور ہی رنگ دے دیا۔

"بینظیر بھٹو اپنی وزارت عظمیٰ کے دوران اس قدر آگے بڑھ گئی کہ اس نے نواز شریف کا "لوہا" پکڑ لیا (ہاتھ کو مٹھی بناتے ہوئے اشارہ کیا) اور پھر ہمارے قائد نواز شریف نے بھی اقتدار میں آکر برابر کی چوٹ کی اور بینظیر کا دودھ پکڑ لیا۔ جس سے بینظیر کو احساس ہو گیا کہ نواز شریف کا لوہا پکڑنا اتنا بھی آسان نہیں ہے۔

اخلاقی طور پر وہ ایک فحش کلام آدمی ہے۔ اپنے دوستوں کی محفل میں بہت فحش کلامی

کرتا اور غلیظ اور اخلاق سے گرے ہوئے لطائف سناتا ہے۔

معروف کالم نگار راجہ انور اپنے کالم بازگشت میں "مینڈا ٹلی" کے عنوان سے لکھتے ہیں:

"جب شیخ رشید احمد بار دوم کرسی وزارت پر بوجھ بنے تو میں نے ایک کالم لکھا تھا کہ وہ خیر سے عمر کے اس حصے میں داخل ہو چکے ہیں' جہاں پرانے دوست ایک دوسرے سے بچوں کی تعلیم' ان کے شادی بیاہ اور پوتوں' نواسوں کی تعداد پوچھا کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے سینگ کٹا کر خود کو اب تک بچھڑوں کی صف میں شامل کر رکھا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ بچے پیدا کرنے کے بجائے اپنے "والدین" کی تعداد میں اضافہ کئے جا رہے ہیں۔

1983ء میں شیخ صاحب پہلی بار بی ڈی ممبر بنے۔ اس خوشی میں انہوں نے بکمال فخر اپنے آپ کو ..... "فرزند بھابھڑا بازار" کا عنوان دیا۔ دو سال بعد وہ ایم این اے کیا بنے' انہوں نے پورے راولپنڈی کے حسب نسب پر حملہ کر دیا۔ اور جبرا سارے شہر کے "فرزند" بن گئے۔

1994ء میں ان کی گرفتاری ہل من مزید کی ایک نئی اشتہا کا باعث ٹھہری۔ اس بار انہوں نے پورے پاکستان کی فرزندی کا دعوی دائر کر دیا۔ کوئی ان سے پوچھے کہ پاکستان میں سبھی لوگ پابند صوم صلوۃ تو ہیں نہیں۔ ان میں چور' ڈاکو' بدمعاش اور سمگلر قسم کے لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔ ان سب کو والد کا درجہ دینا شاید شیخ صاحب کے لئے مناسب نہ ہو۔

دوسری جانب ایسے لوگوں کی تعداد بھی کم نہیں' جو ان کو اپنی فرزندی میں لینا اپنی توہین سمجھتے ہوں گے۔ لیکن یہ بات اب تک ان کی سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک بیٹے کے لئے اپنے باپ کا بیٹا ہونا ہی دنیا کا سب سے بڑا اعزاز ہوتا ہے۔ اگر وہ سارے پاکستان کو زحمت دینے کے بجائے صرف چاچا شیخ محمد مرحوم کی روح کو خوش کرلیں تو یہی ان کے لئے کافی ہوگا۔ اب جبکہ وہ پاکستان کا "اکلوتے فرزند" کہلوانے پر بضد ہیں تو ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ پاکستان کو اپنی مانند "اوترا نکھترا" نہ چھوڑیں۔ میں نے ان سے گزارش کی تھی کہ وہ فوراً شادی کا منڈپ رچائیں تاکہ بیچارے پاکستان کو اپنے صحن میں دو چار وارث کھیلتے کودتے نظر آئیں۔ تب وہ اقتدار کے گھوڑے پر سوار تھے۔ چنانچہ انہوں

نے میرے برادرانہ مشورے کو در خور اعتنانہ سمجھا اور آج یہ حالت ہے کہ علامہ طاہر القادری اور وہاب الخیری ان کے اعمال نامے اپنے ساتھ ساتھ سڑکوں پر گھسیٹے پھرتے ہیں۔



اداکارہ انجمن اور شیخ رشید خوشگوار موڈ میں

روز الکسمبرگ جرمنی کی مشہور دانشور خاتون تھیں۔ انہوں نے شادی کے بندھن کی نفی کرتے ہوئے 1912ء میں "گلاس اور پانی" کا نظریہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ شادی جیسا روگ پالنے کے بجائے مرد اور عورت کے مابین گلاس اور پانی والا تعلق قائم ہونا چاہئے۔ یعنی جس کو جہاں کہیں پیاس لگی، اس نے قریب پڑا گلاس اٹھایا اور اپنی تشنگی بجھا لی۔ ادھر اپنے یار شیخ رشید نے مقابلے میں "بھینس اور تازہ دودھ" کا نظریہ پیش کیا۔ جو کوئی ان سے شادی کے بارے میں پوچھتا، وہ اپنے مخصوص انداز میں ہلتے ہوئے اپنے

شانے ایک جانب ٹیڑھے کرتے اور مسکرا کر کہتے .... "جس شخص کو ہر صبح پینے کے لئے تازہ دودھ ملے، اسے اپنے کھونٹے پر بھینس باندھنے کی کیا ضرورت ہے" یعنی اپنے گھر میں بھینس پالنے اور اس کے چارے پانی کا اہتمام کرنے کے بجائے "آنڈ گوانڈ" میں جہاں کہیں موقع لگے، کٹورا اٹھاؤ اور تازہ دودھ پی جاؤ۔

مرد اور عورت کے مابین جائز اور روایات کے مطابق تسلیم شدہ باہمی تعلق اس کائنات کا سب سے زیادہ حسین رشتہ ہے۔ خدا کی اس سب سے بڑی نعمت کو "بھینس اور تازہ دودھ" ایسے تعلق میں بدلنا، کفران نعمت کے مترادف ہے۔ شادی صرف "دودھ پینے" کا نام نہیں، بلکہ ایک سماجی معاہدہ ہے۔ یعنی ازدواجی تعلق کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچوں کی ذمہ داری قبول کرنے اور انہیں اپنا نام دینے کا نام ہے۔ اس سماجی بندھن کے سہارے سماج میں نظم قائم ہے۔ اگر اس انتہائی اہم رشتے کو "بھینس کے تازہ دودھ" والے فلسفے میں تبدیل کر دیا جائے تو پھر سماج میں کوئی رشتہ باقی نہیں بچے گا۔ دوسرے لفظوں میں شیخ صاحب اگر کسی کو بیٹا بیٹی سمجھ کر اس کی ذمہ داری قبول نہیں کرنا چاہتے تو پھر پورے پاکستان کے فرزند کس خوشی میں بن بیٹھے ہیں۔

نواز شریف کے پہلے دور حکومت میں جونہی شیخ جی وزارت اطلاعات و ثقافت پر قابض ہوئے، انہوں نے فوراً ایک نیا سماں باندھ دیا۔ موصوف کا نام ریما اور میرا وغیرہ کے ساتھ لیا جانے لگا۔ سکینڈل پھیلا تو ریما نے فوراً انہیں اپنے باپ کی مانند بزرگ قرار دے کر "بھینس اور تازہ دودھ" والے رشتے پر مٹی ڈال دی۔ ادھر شیخ جی اس بات پر ہی خوش ہو گئے کہ ریما سے کوئی رشتہ تو ہوا۔ اتفاق سے وہ اسی زمانے میں جرمنی تشریف لائے۔ جب ان کے خلاف شائع ہونے والے سکینڈلز کا ذکر چھڑا تو وہ کہنے لگے "اخبارات نے میری شہرت خراب کرنے کی جستجو میں الٹا میری مقبولیت میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ اب حالت یہ ہے کہ عورتیں دوسرے وزیروں سے میرا فون نمبر مانگتی پھرتی ہیں۔"

یوں تو اس طرح سے فون نمبر مانگنے والی عورتوں کے لئے "سب توں سوہنا" وہی ہوتا ہے، جس کی کار پر جھنڈا، دروازے پر دربان، جیب گرم اور دل نرم ہو۔ آج کل شیخ جی ان شرائط پر پورا نہیں اترتے، لہٰذا بے پناہ اخباری پبلسٹی کے باوجود اب انہیں شاید ہی کسی

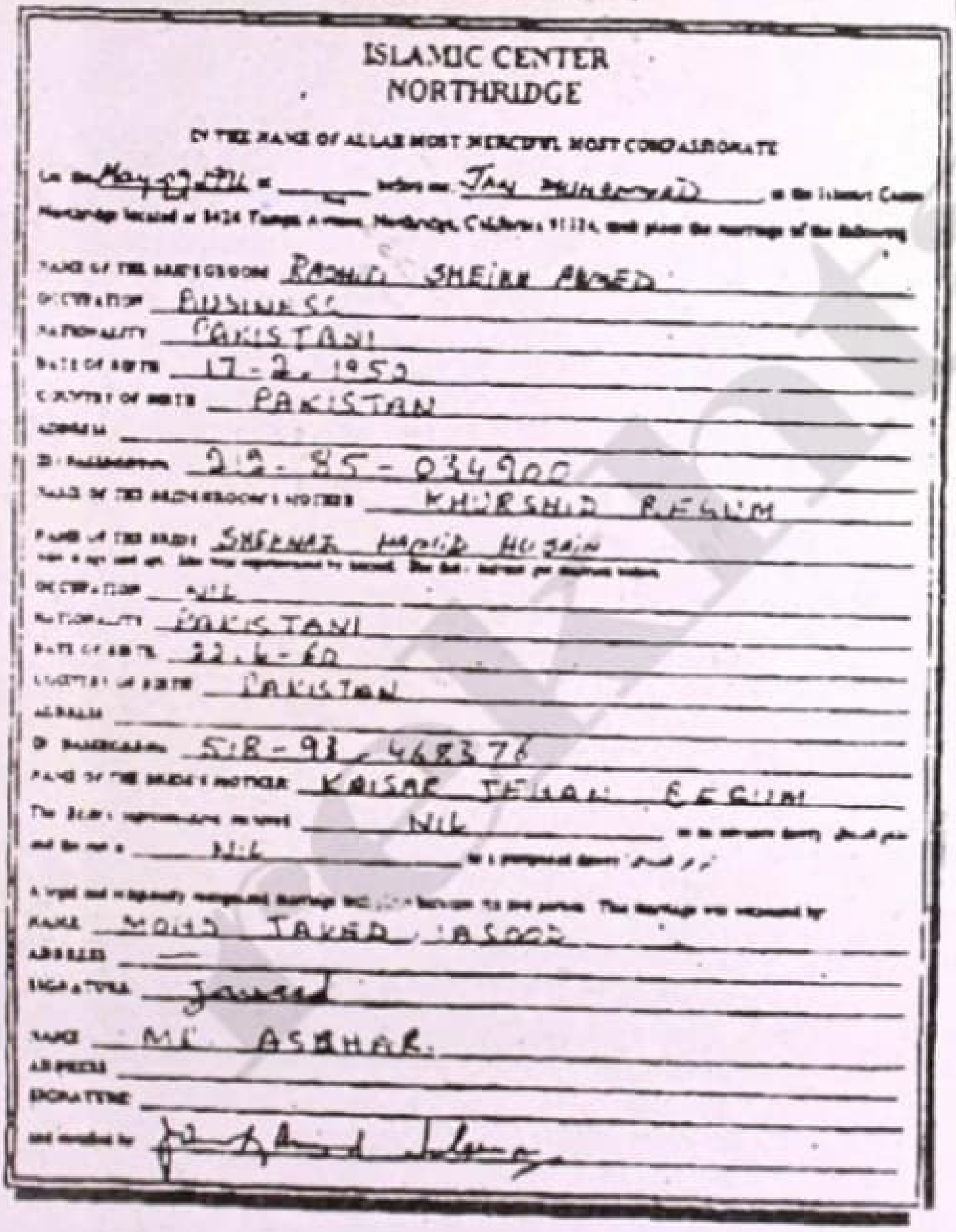


شیخ رشید کی مبینہ بیوی شہنار بیگم

نئی عورت کا فون آتا ہو۔ آج کے حالات میں جب کوئی ان کے قریب سے گزرنے کو بھی تیار نہیں، اگر کوئی عورت شہر کے وسط میں کھڑی ہو کر ان سے اپنے تعلق کا اظہار کر رہی ہے۔ تو یقیناً وہ سچ ہی بول رہی ہو گی۔

کاش شیخ صاحب میں اتنی مردانہ صلاحیت اور جذبہ ہوتا کہ وہ اس خاتون کے سر پر چادر ڈال کر اسے گھر کی چار دیواری میں لے جاتے۔ لیکن اس بات کا کیا علاج کہ جو شخص اپنا گھر نہیں بسا سکتا، اس کے ذہن میں پوری قوم کی قیادت کرنے کی خواہش چٹکیاں لیتی ہے۔ ان جیسے "قائدین" کو قوم کے شانوں پر لادنے کا اصل سہرا جنرل ضیاء الحق کے سر جاتا ہے۔ انہوں نے سیاسی عمل اور سیاسی قیادت کو تہ تیغ کر کے ملک، بی ڈی ممبروں کے حوالے کر دیا اور شیخ رشید کی طرح کی بہت سی کھمبیاں اگ پڑیں، جو آج خون آشام

بسم الله الرحمن الرحيم

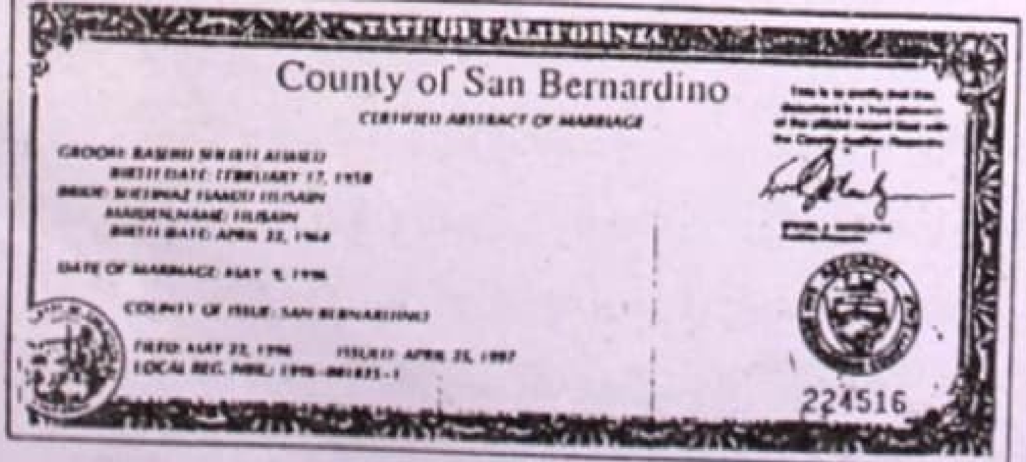


ISLAMIC CENTER
NORTHRIDGE

May 9 1996 — JAY MUHAMMAD

RASHID SHEIKH AHMED
BUSINESS
PAKISTANI
17-2-1952
PAKISTAN
29-85-034900
KHURSHID BEGUM
SHEHNAZ HAMID HUSAIN
NIL
PAKISTANI
22-6-60
PAKISTAN
51R-93-468376
KAISAR JEHAN BEGUM
NIL
NIL
MOHD JAVED MASOOD
Javed
MR ASGHAR

نکاح سے قبل دولہا دلہن کی لی گئی تفصیلات کا عکس



STATE OF CALIFORNIA
County of San Bernardino
CERTIFIED ABSTRACT OF MARRIAGE
224516

کیلیفورنیا امریکا میں کاؤنٹی آف سین برناڈیو میں درج شادی کے سرٹیفکیٹ کا عکس

Shiekh Rasheed Ahmed | شیخ رشید احمد
M.A., LL.B. | ایم اے ایل ایل بی

MEMBER NATIONAL ASSEMBLY
NEW CENTRAL JAIL BAHAWALPUR

ممبر قومی اسمبلی
نیو سنٹرل جیل بہاولپور

Dated 26.12.95

اچھی شانو۔

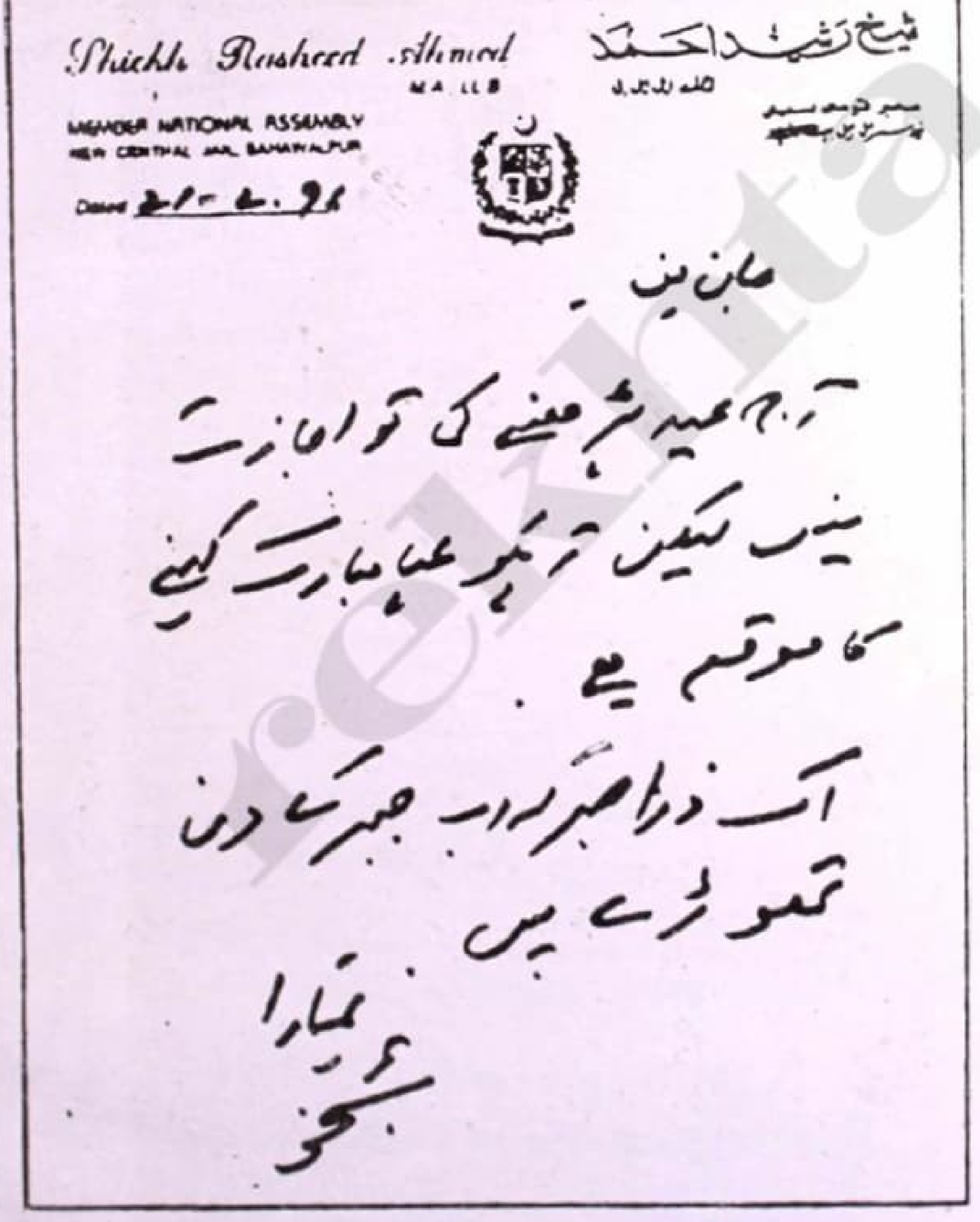
سلامت رہو۔

آج کا دن بھی انتظار میں گزرا کہ شاید [illegible] مستقل ہو جائے لیکن ایسا نہیں ہوا شاید کل ہو جائے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جیل کے ایک کمرے میں بند رہ رہ کر دل اکتا گیا ہے۔ اس جیل میں کئی انسانوں سے دوستی ہو چکی ہے۔ ایسے عالم میں [illegible] کا [illegible] لینے سے تھوڑی سی ہوا خوری ہو جاتی ہے۔ کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ بڑے والی زمین خریدی ہے اس تمہاری یاد میں تمہارے [illegible] نشان [illegible] بنایا ہے لیکن اس [illegible] کے [illegible] بنانے کا سوچا ہے کہ [illegible] آرام دہ اور تھا [illegible] کام ہو چلے جائیں گے۔ انشاء اللہ ایک اچھی [illegible] زندگی گزاریں گے۔ تمہاری دعاؤں کا [illegible]۔

بہاولپور جیل سے شہناز کے نام شیخ رشید کا خط

پودوں کی طرح غریب عوام کا خون چوس رہی ہیں۔ بلدیاتی ذہن اور بلدیاتی سطح کے یہ لوگ وزیر اور وزیر اعظم بنے۔ سالہا سال تک ملک کے سیاہ و سفید کے مالک ٹھہرے۔ وہ چیلوں اور گدھوں کی مانند قومی سیاست و معیشت اور حکم و اقتدار کی نعش کو نوچ کر کھا



Shiekh Rasheed Ahmed
M.A. LL.B
شیخ رشید احمد
ایم اے ایل ایل بی
MEMBER NATIONAL ASSEMBLY
NEW CENTRAL JAIL BAHAWALPUR
Date 21-4-91

جانِ من،

آج عید شریف ہے تو اجازت نہیں لیکن تم کو عید مبارک کہنے کا موقع ہے۔

آپ ذرا صبر کریں جبر کے دن تھوڑے ہیں

تمہارا
شیخو

شیخ رشید کا محبت نامہ، شہناز بیگم کے نام

گئے۔ آہستہ آہستہ وہ ہر ملکی اور قومی ادارہ چاٹ گئے۔ اس دو نمبری طائفے کی اصل روح اسٹیبلشمنٹ کے طوطے میں بند تھی۔

12 اکتوبر 99ء کی رات جونہی یہ طوطا اڑا، جعلی قائدین کا یہ غول اک پل میں بھس کا ڈھیر بن گیا۔ اور اب یوں لگتا ہے جیسے یہ ڈراؤنا خواب کبھی کسی نے دیکھا ہی نہ تھا۔ جیسے یہ لوگ کبھی تھے ہی نہیں۔ جیسے وہ دور ریت کا اک گھروندا تھا۔

شیخ رشید احمد کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ موصوف اپنے آپ کو خود ہی مختلف خطابات سے نوازنے کے ماہر ہیں۔ ضیا دور میں انہوں نے "خطابت کا جرنیل" کہلوانے کی بھی کوشش کی۔ خواہش وہی پرانی کہ کسی طور جرنیل شاہی سے رشتہ جڑا رہے۔ بعینہ "فرزند" نام کے سارے خطابات بھی انہوں نے بہ نفس نفیس اپنے گلے میں خود ڈالنے کا کشٹ اٹھایا۔ انہوں نے اپنی کتاب میں بھٹو کے ساتھ امریکن سفار تخانے میں اپنے "ٹاکرے" کا ذکر کرتے ہوئے، بھٹو کے منہ سے اپنے آپ کو "قومی بدمعاش" کی گالی دلوائی۔ اس خود ساختہ گالی کے ساتھ انہوں نے لفظ "قومی" کا اضافہ فرمایا۔ مقصد یہ کہ بھٹو انہیں قومی سطح پر اپنا مخالف تسلیم کرتے تھے۔

یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہو گا کہ اس زمانے میں موصوف کرائے کی سائیکل پر بھابھڑا بازار میں گھوما کرتے تھے۔ بھٹو انہیں پہچانتے تھے، نہ انہوں نے امریکن سفارت خانے کی کسی تقریب میں ان سے کوئی بات ہی کی ہو گی۔ اس داستان میں شیخ صرف اتنا ہے کہ انہوں نے دوڑ کر بھٹو کے ساتھ اپنی فوٹو اتروالی تھی۔ اب وہ اسی فوٹو کے حوالے سے داستانیں تراشتے ہیں۔

اگر کسی نے پاکستان میں دو نمبر سیاست دانوں کے عروج و زوال پر ریسرچ کی تو شیخ جی کی داستان حیات اس ریسرچ کا بنیادی نکتہ قرار پائے گی۔ موصوف کے سر پر بال اپنے ہیں نہ ان کی فقرہ بازی او ریجنل ہے۔ ان کے پاس شاید ہی کوئی تعلیمی ڈگری موجود ہو، لیکن وہ سرسید کہلوانے پر مصر ہیں۔ سرسید احمد خان جیسے محسن قوم کی اس سے بڑی توہین اور کیا ہو گی کہ شیخ رشید جیسا سڑک چھاپ اپنے آپ کو سرسید سمجھنے لگے ...... (خواہ وہ کسی پنڈ یا پنڈی کا ہی ہو)

جس شخص نے اپنی ساری زندگی دوسروں کی کھال میں گزاری ہو، اس میں اپنی شادی اور اپنا نکاح کرانے کی جرات بھلا کہاں سے آتی؟ مصطفیٰ کھر پر تہمینہ درانی نے "مینڈا سائیں" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی تھی۔ آج اس بات کا قوی امکان ہے کہ "فرزند پاکستان" کی "فصاحت و بلاغت" پر "مینڈا ٹلی" کے نام سے جلد ہی کوئی کتاب آجائے۔"



غلام مصطفیٰ کھر

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سب سے بڑے صوبہ پنجاب میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب لوگوں نے ڈاکوؤں اور لٹیروں کے ڈر سے نہیں بلکہ "جنسی بھیڑیوں" کے ڈر سے اپنی بیٹیوں کو کالج اور یونیورسٹی بھیجنا کم کر دیا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب غلام مصطفیٰ کھر گورنر کی حیثیت سے پنجاب کے سیاہ و سفید کے مالک تھے اس دور میں طالبات کو زبردستی سڑکوں سے اٹھا لیا جاتا اور انہیں گورنر ہاؤس میں قائم عشرت کدے کی زینت بننے پر مجبور کیا جاتا۔ انکار پر ایسا شرمناک سلوک کیا جاتا کہ راسپوٹین کی روح بھی کانپ اٹھتی۔ دو لڑکیوں کے اغواء کے سکینڈل نے بھی اس دور میں خاصی شہرت حاصل کی۔ اس اعتبار سے کھر کا عہد حکمرانی صنف نازک کے لئے ابتلاء کا عہد تھا۔ جو حسین لڑکی کھر کو اچھی لگتی وہ پھر باپ اور بھائیوں کے سائے میں ہی خود کو محفوظ تصور کرتی۔ انہی دنوں کی بات ہے کہ ایک شب لوہاری میں ایک بہت بڑے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے آغا شورش کاشمیری نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ ہیرا منڈی کہاں ہے لوگوں نے جواب دیا بادشاہی مسجد اور شاہی قلعہ کے ساتھ' انہوں نے کہا نہیں ہیرا منڈی

اب گورنر ہاؤس منتقل ہو گئی ہے۔ آغا شورش کاشمیری نے جلسہ میں موجود لوگوں سے کہا کہ اگر میں آپ کو کہوں کہ آپ اس نئی ہیرا منڈی (گورنر ہاؤس) کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں تو کیا آپ تیار ہیں لوگوں نے بیک زبان ہو کر کہا ہاں ہم تیار ہیں عوام کے اس جوش کو دیکھ کر وہاں پر موجود پولیس اور انتظامیہ کے پسینے چھوٹ گئے۔ تاہم موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے آغا شورش کاشمیری نے کھر سے مخاطب ہو کر کہا کہ "میں آپ کو ایک ہفتے کی مہلت دیتا ہوں اگر یہ گند یہاں سے نہ نکالا گیا تو یہی لوگ گورنر ہاؤس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اسی تقریر کے اگلے روز آغا شورش کاشمیری کو گرفتار کر لیا گیا۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف عوامی لہر پیدا کرنے میں جہاں اور بہت سے عوامل کار فرما تھے، وہاں کھر کی انہی جنسی بداعمالیوں اور "شیطانی ہوس" کا بھی بہت عمل دخل تھا۔ 1964ء میں جب مصطفیٰ کھر پہلی مرتبہ سیاسی افق پر نمودار ہوئے اور ایوب خان کے دور حکومت میں قومی اسمبلی کے ممبر بنے تو وہ 25 سال کے نوجوان تھے اور اپنی آشفتہ مزاجی کے لئے بہت مشہور تھے۔ انہی دنوں انہوں نے رضیہ مینشن لاہور کی مالکہ کی ایئر ہوسٹس بیٹی صفیہ عرف فردوس سے شادی کی، جو ان کی دوسری شادی تھی۔ بعد ازاں ان میں طلاق ہو گئی اور صفیہ نے مصطفیٰ کھر کے بڑے بھائی مرتضیٰ کھر سے شادی کر لی۔ اور یوں وہ بیوی سے بھابی بن گئی۔

مصطفیٰ کھر نے صفیہ کو طلاق دینے کے بعد باقاعدہ شادی تو نہیں کی مگر وہ بازار حسن کے بالا خانوں کا طواف کرتے رہے۔ 1968ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ انہی دنوں ان کا تعارف ایک رقاصہ نوبہار سے ہوا۔ جو ایک مشہور طوائف کی بیٹی تھی۔ اس کی پہلی شادی ملتان کے گردیزی خاندان کے ایک فرد سے ہوئی لیکن گردیزی صاحب نے کچھ عرصہ بعد ہی اسے چھوڑ دیا اور اس کی بڑی بہن سے شادی رچالی۔ چنانچہ نوبہار نے "ناہید" کے نام سے فلموں میں کام شروع کر دیا۔ وہ پہلے پہل ایک پنجابی فلم "ہڈ حرام" میں آئی۔ پھر دلجیت مرزا نے اسے اپنی دو فلموں میں کاسٹ کیا۔ دلجیت مرزا اور راجہ منور احمد پیپلز پارٹی کے سابق ایم پی اے میں گہری دوستی تھی۔ راجہ منور، کھر کے گہرے دوست تھے چنانچہ اسی دوستی کے ذریعے نوبہار عرف ناہید کا کھر سے تعارف ہوا۔

مصطفیٰ کھر ناہید پر اس قدر لٹو ہوئے کہ رات کے علاوہ دن کو بھی اس کے کوٹھے پر نظر آنے لگے۔ اس امر کے گواہ "اس بازار" کے لوگوں کے علاوہ علاقے کے پولیس والے بھی ہیں۔ آہستہ آہستہ ناہید کی شہرت اتنی بڑھ گئی اور اس کے بالا خانے پر تماش بینوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی کہ کھر حسد کی آگ میں جلنے لگے۔ اور انہوں نے ناہید کو اپنی ذات تک محدود رکھنے کی غرض سے اس سے شادی کرلی۔ شادی کے بعد ناہید نے اپنا دھندہ بند کر دیا اور شاہی مسجد کے قریب فورٹ روڈ پر اپنی نئی تعمیر شدہ بلڈنگ میں رہنے لگی' جہاں مصطفیٰ کھر عموماً راتیں بسر کرتے تھے۔ اسی دوران کھر پنجاب کے گورنر اور سول ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوئے۔ کرسی اقتدار پر فائز ہونے کے بعد وہ کچھ عرصہ تک ناہید کے ہاں جاتے رہے جس پر چند دوستوں نے سمجھایا تو انہوں نے اپنی سیاسی پوزیشن کو بے داغ ثابت کرنے کے لئے ناہید کو ایک لاکھ 20 ہزار روپے اور ایک مرسیڈیز کار نمبر آر۔ آئی۔ ڈی 480 بطور حق مہر دے کر چھٹکارا حاصل کر لیا۔

ناہید کے بطن سے مصطفیٰ کھر کی ایک بیٹی بھی پیدا ہوئی۔ کھر اس لڑکی کو اپنی بیٹی تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن ناہید ہر محفل میں اسے کھر کی بیٹی کی حیثیت سے متعارف کرواتی ہے۔ کھر نے ناہید سے علیحدگی کے وقت سختی سے ناہید کو منع کیا تھا کہ وہ ان کا ذکر کسی سے نہیں کرے گی۔ لیکن ناہید نے اس کی پرواہ نہ کی اور ہر کس و ناکس سے کھر سے اپنی شادی کا ذکر کرنے لگی' تو مصطفیٰ کھر نے جلال میں آکر ایک شخص کے ذریعے ڈاکہ زنی کا مقدمہ بنوا دیا اور ایف آئی آر میں لکھوایا کہ

"ناہید نے اس کے ساتھ کسی پروگرام میں جانے کے لئے بھاری رقم وصول کی' لیکن بعد ازاں جانے سے انکار کر دیا اور جب اس نے رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا تو ناہید اور اس کے گھر والوں نے اسے زدو کوب کیا اور قتل کی دھمکی دے کر نقدی اور گھڑی چھین لی"

چنانچہ ناہید کو گرفتار کر لیا گیا اور اسے سٹی کوتوالی کی حوالات میں رکھا گیا۔ ضمانت پر رہائی کے بعد وہ جان بچا کر کراچی پہنچی۔ کچھ عرصہ کراچی کے بازار حسن نپیئر روڈ پر قیام کیا' پھر کراچی کی ایک مشہور طوائف کے پرائیویٹ اڈے پر منتقل ہو گئی۔ آج کل وہ لندن میں ہے اور اس کی بیٹی بھی اس کے ہمراہ ہے جسے وہ بدستور مصطفیٰ کھر کی بیٹی قرار دیتی

ناہید سے شادی کے تجربہ کے باعث شادی نہ کر سکے۔

اسی زمانے میں مصطفیٰ کھر نے ایک مشہور گلوکارہ سے شادی کا ارادہ ظاہر کیا۔ متعدد بار گلوکارہ کے گھر گئے' لیکن اس کی ماں نے شدید دباؤ کے باوجود کھر کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ انہی دنوں کھر اپنے ایک بھائی کی شادی کے لئے جنرل رانی سے بھی روابط بڑھاتے نظر آئے۔ وہ جنرل رانی پر دباؤ ڈالتے رہے کہ وہ اپنی بیٹی کے ہمراہ گورنر ہاؤس آئے۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ کھر کو بہت غصہ آیا' وہ موقع کی تلاش میں رہے' اتفاق سے جلدی موقع ہاتھ لگ گیا۔ جنرل رانی' مصطفیٰ کھر کی سابقہ محبوبہ رقاصہ نیل کنول کے ہمراہ انٹر کانٹی نینٹل لاہور میں مقیم تھی۔ رات کو اس نے "محفل" سجائی۔ پولیس کا چھاپہ پڑا۔ جنرل رانی' نیل کنول وغیرہ گرفتار کر لی گئیں۔ گرفتاری کے اگلے دن ہی جنرل رانی نے بتایا کہ "مصطفیٰ کھر نے اسے محض اس لئے گرفتار کرایا ہے کہ اس نے اپنی بیٹی کا رشتہ کھر کے بھائی کو دینے سے انکار کر دیا تھا۔"

غلام مصطفیٰ کھر لڑکیوں سے تعلقات قائم کرنے کے بارے میں اس قدر بدنام ہو چکے ہیں کہ ایک مرتبہ مشہور سیاسی شخصیات نے کہا تھا کہ "میں کبھی اپنی بیوی اور اپنی بیٹی کا تعارف مصطفیٰ کھر سے کرانا پسند نہیں کروں گا۔"

غلام مصطفیٰ کھر کی باقی کہانی اس کی محبوب بیگم تہمینہ درانی کی زبانی سنتے ہیں۔ وہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "مائی فیوڈل لارڈ" (جس کا اردو ترجمہ "مینڈا سائیں" کے عنوان سے ہو چکا ہے) میں لکھتی ہیں:۔

"امی کی خواہش تھی کہ رات میں انہیں کے پاس گزاروں۔ ان کے ہاں کچھ اور مہمان بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ سٹڈی روم میں ہمارے لئے بستر لگا دیا گیا۔ مجھے فوراً ہی نیند آ گئی۔ بڑی دیر بعد کہیں آدھی رات گئے' مجھے لگا کہ کمرے میں کوئی ہے۔ مجھ پر ابھی تک سکون آور دواؤں کا خمار چڑھا ہوا تھا۔ یونہی سا یاد پڑتا ہے کہ مجھے ایک صورت دکھائی دی۔ مصطفیٰ اٹھ کر کمرے سے چلا گیا مجھ پر نیند کا بڑا غلبہ تھا اور مجھے ٹھیک طرح کچھ علم نہ تھا کہ میں ہوں کہاں پر' میں دوبارہ سو گئی۔ خاصی دیر بعد میری آنکھ پھر کھلی۔ میں نے جبلتاً" مصطفیٰ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ بستر میں نہ تھا بستر میں وہ جگہ جہاں وہ لیٹا تھا' ٹھنڈی

ہو چکی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ کمرے میں کوئی آیا تھا اور مصطفیٰ اٹھ کر چلا گیا تھا۔ کیوں چلا گیا تھا؟ یہ مجھے معلوم نہ تھا میں گرتی پڑتی بستر سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ میں نے لڑکھڑاتی چال سے کچن کا رخ کیا۔ میرے دیکھتے دیکھتے ایک سایہ دوڑ کر سیڑھیاں چڑھا۔ مصطفیٰ، جس نے پورے کپڑے نہیں پہنے ہوئے تھے، تیزی سے قدم اٹھاتا میری طرف آیا۔ "میں تمہیں ڈھونڈ رہی تھی۔" "جا کے سو جاؤ۔ تمہیں اس حالت میں ادھر ادھر نہیں پھرنا چاہئے۔" میں اتنی تھکی ہوئی تھی کہ اس وقت اس پر الزام دھرنے کی نیت سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہ کر سکی۔ صبح مجھے زیادہ ہوش تھا۔ "رات کیا ہوا تھا؟ کوئی کمرے میں آیا تھا۔ کون آیا تھا؟" اور وہ تو عدیلہ (تمینہ کی چھوٹی بہن) آئی تھی۔ "عدیلہ؟" "ہاں، اس پر ایک مشکل آ پڑی ہے۔ اس کا کسی ایرانی لڑکے سے میل جول ہے۔ اس میل جول کے حوالے سے اسے بعض مسائل کا سامنا ہے۔ اسے کچھ مشورہ چاہئے تھا۔ اس سلسلے میں وہ مجھ سے بات چیت کرنے آئی تھی۔" "اچھا؟" تم سو رہی تھیں۔ میں تمہاری نیند خراب نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اسے لے کر ناشتے کے کمرے میں چلا گیا۔" "تمہیں اس سے یہیں بات کرنا چاہئے تھی۔ آدھی رات گئے اس سے اکیلے میں باتیں کرنا تمہارے لئے نامناسب تھا۔ فرض کرو، اس وقت میرے والد صاحب نیچے آ جاتے۔"

مصطفیٰ اپنی کہانی پر اڑا رہا۔ اس نے مجھے یقین دلا کر چھوڑا کہ عدیلہ کا واقعی کسی ایرانی لڑکے سے میل جول تھا اور وہ اس ضمن میں بات چیت کرنے کی خواہاں تھی۔ وہ مصطفیٰ پر، اسے اپنا بڑا بھائی سمجھ کر، اعتماد کرتی تھی۔ اور اپنی راز کی باتیں صرف اس کو بتاتی تھی۔ وہ اسے صحیح مشورے دیتا رہے گا تاکہ عدیلہ کو نہ تو کوئی دکھ یا ضرر پہنچے اور نہ اس سے کوئی احمقانہ حرکت سرزد ہو۔ مصطفیٰ نے اب خاندان کی عزت آبرو کے محافظ کا کردار ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔

مجھے تجسس ہوا کہ کمرے میں عدیلہ کی موجودگی پر منو (تمینہ کھر کا بھائی) کو اعتراض کیوں تھا۔ واپس آ کر میں نے منو کو فون کیا۔ میں بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ اس نے بات اگل دی۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ مصطفیٰ نے عدیلہ کو سکول سے لیا اور دونوں کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔ اسے یہ تو معلوم نہ تھا کہ وہ گئے کہاں تھے لیکن ان کی ملاقات تین گھنٹے جاری رہی

تھی۔ میں دم بخود رہ گئی۔ منو نے بات جاری رکھی "جب آپ اور مصطفیٰ بھائی کمرے میں داخل ہوئے تو میں عدیلہ کو غور سے دیکھتی رہی۔ میں اس کا رد عمل دیکھنا چاہتی تھی۔ عدیلہ نے اس وقت بھڑکیلا لباس خاص طور پر زیب تن کیا تھا۔ اس نے کپڑے تب بدلے تھے جب اسے خبر ملی تھی کہ آپ دونوں آ رہے ہیں۔"

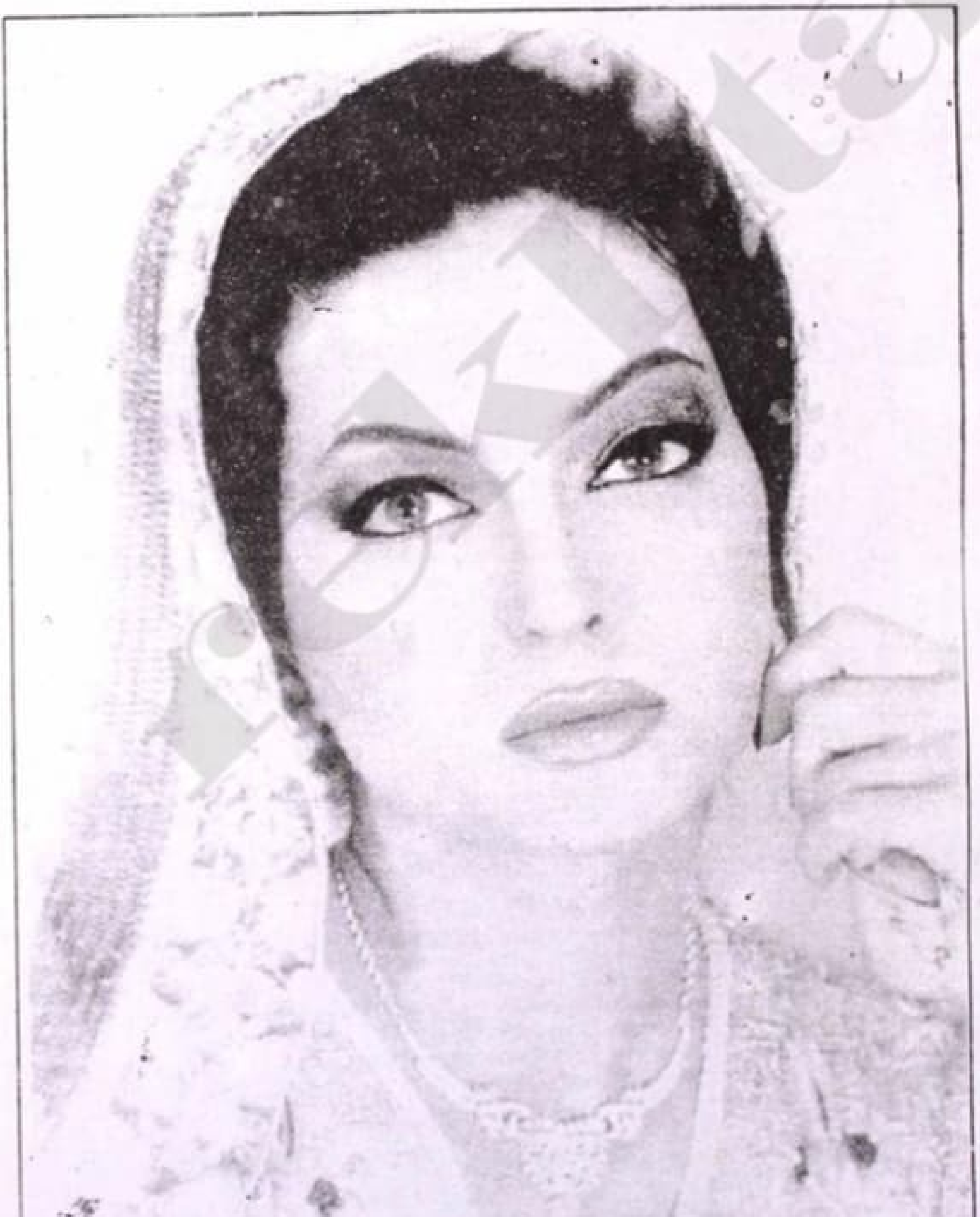
میں فون ہاتھ میں لئے اس طرح کھڑی کی کھڑی رہ گئی جیسے مجھ میں جان ہی نہ ہو۔ میں جا کے مصطفیٰ سے دوبدو ہوئی۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور پورے واقعے کی صداقت سے انکار کر دیا۔ کہنے لگا کہ یہ سب منو کے ضرورت سے زیادہ فعال تخیل کا کمال ہے "بالکل فضول بات ہے یہ۔ میں کبھی عدیلہ کو کہیں لے کر نہیں گیا۔" اس کی تردید کے بعد تفتیش کی گنجائش نہ رہی۔ میں پوری طرح قائل تو خیر کیا ہوتی البتہ مکمل بے بسی کے عالم میں اپنا سامنہ لے کر رہ گئی۔

اگلی صبح امی نے بدحواس ہو کر مجھے فون کیا۔ عدیلہ گھر سے بھاگ گئی تھی۔ کسی کو علم نہ تھا کہ وہ کہاں چلی گئی ہے۔ مصطفیٰ اس روز لورپول روانہ ہونے والا تھا۔ امی نے مدد کے لئے اس سے رجوع کیا۔ اس کے سوا وہ کسی پر بھروسا نہ کر سکتی تھیں۔ وہ سہمی ہوئی تھیں کہ بات بڑھتے بڑھتے کہیں سکینڈل کی شکل اختیار نہ کر لے اور انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اپنی بیٹی کی نامعقول حرکت پر پردہ ڈال کر رہیں گی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں مصطفیٰ سے کہوں کہ وہ عدیلہ کو ڈھونڈنے میں ہاتھ بٹائے۔

مصطفیٰ نے سہ پہر کے وقت فون کیا۔ امی کا ضبط فون سنتے ہی جواب دے گیا۔ انہوں نے مصطفیٰ سے گڑگڑا کر کہا کہ تلاش جاری رکھے۔ یہ ان کے خاندان کی عزت کا سوال ہے۔ خاندان میری شادی کا صدمہ جھیل کر ابھی ابھی سنبھلا تھا کہ یہ نئی آفت ٹوٹ پڑی۔ مصطفیٰ نے ان کی بہت ڈھارس بندھائی۔ کہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ گھر آ رہا ہے۔ اس کے ذہن میں ایک پلان ہے۔

اس نے واپس آ کر اپنے منصوبے سے پردہ اٹھایا۔ کہنے لگا کہ وہ امی کے فون اور ہمارے فون پر ٹیپ لگا دے گا۔ اسے پورا یقین تھا کہ کسی نہ کسی مرحلے پر عدیلہ ہم سے رابطہ کرے گی۔ اس کے فون کرتے ہی ہم اس کا کھوج لگا لیں گے۔ میں نے متعلقہ

----اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں



آمنہ حق

انتظامیہ سے بات کر لی ہے۔ وہ عدیلہ کی تلاش میں ہماری مدد کرنے پر رضامند ہیں۔ جاتے وقت وہ مجھ سے کہہ گیا کہ میں گھر جا کر فون کے پاس بیٹھی رہوں۔ ہم روانہ ہوئے جب ہم گھر جا رہے تھے تو راہ میں رک کر اس نے ایک آف لائسنس (خریدو اور ساتھ لے جاؤ") دکان سے دو بوتلیں وائن کی خریدیں، مجھے اس کی یہ حرکت بڑی بے تکی معلوم ہوئی۔ میں نے کہا "اس وقت تمہیں وائن کا خیال کیسے آ سکتا ہے؟ سب کچھ تو چوپٹ ہوا پڑا ہے۔ تمہیں وائن کی چسکیاں لگانے کی فرصت کب ملے گی؟" اس نے بڑبڑاتے ہوئے کچھ اس طرح کی بات کی کہ اس کے پاس وائن کا سٹاک ختم ہو گیا ہے اور اس کا ذہن ٹھیک طرح کام نہیں کر رہا۔ یہ بے سروپا جواب تھا جو دل کو نہیں لگا۔ اس کا طرز عمل فریب سے خالی نہ تھا۔ وہ رنگے ہاتھوں پکڑا ہی جانے والا تھا۔ اس لئے فاش غلطیاں سرزد ہو رہی تھیں۔ مجھے گھر اتار کر وہ چلا گیا۔

ہمارے فون بجتے رہے۔ عدیلہ کا کوئی فون نہ آیا تھا۔ بس دونوں گھر فون کے ذریعے آپس میں رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ ابھی نہ ادھر کچھ پتہ چلا تھا نہ ادھر مصطفیٰ بھی غائب تھا۔

میں نے ٹک کی آواز سنی، میں انتظار کرتی رہی۔ بیس منٹ بعد مصطفیٰ کا فون آیا۔ کہنے لگا کہ عدیلہ کی کال کا کھوج مل گیا ہے۔ اب وہ کار لے کر عدیلہ کی طرف جا رہا ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ مجھے دوبارہ فون کرے گا۔

میں اس وقت پورے دنوں سے تھی۔ دائی عائشہ اور نصیبہ کو ساتھ لے کر میں لپک کر ہلٹن پہنچی۔ میں نے جو تفتان پہن رکھا تھا وہ زچہ گون کا کام بھی دے رہا تھا۔ مجھے زور آزمائی ترک کرنی پڑی۔ مصطفیٰ تقریباً ہاتھ پر ہاتھ دھرے تماشا دیکھتا رہا۔ ہم نے طے کیا اور عدیلہ نے بھی اپنی رضامندی ظاہر کی کہ ہم رات ہوٹل میں گزاریں گے۔ تاکہ کسی فیصلے پر پہنچ سکیں۔ میں عدیلہ کو رات بھر کے لئے تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

امی جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئیں مصطفیٰ باہر چلا گیا۔ جب وہ جانے لگا تو میں نے دیکھا کہ وہ بہت کھسیانا نظر آ رہا ہے جیسے اس کے دل میں چور ہو۔ سارا معمہ حل ہو گیا۔ میرے حواس جاتے رہے لیکن جو کچھ اب مجھ پر آئینہ ہو چکا تھا، میں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

مختلف تصویریں تیزی سے میرے ذہن سے گزریں۔ کس طرح انھوں نے صبح ساتھ گزاری ہو گی۔ وائن کی دو بوتلیں۔ عدیلہ کا مجھے فون کرنا۔ جب اس نے فون کیا تو کیا مصطفیٰ اس کے پاس تھا؟ کیا وہ مل کر ہمارا مذاق اڑا رہے تھے؟ یہ کس طرح کا ذہن ہے جو ایسی لمبی چوڑی بھول بھلیوں کا تانا بانا بن سکتا ہے؟ میں اسی بستر پر سوتی رہی تھی۔ انہیں چادروں پر۔ میرا جی متلانے لگا۔

امی نے کہا کہ میں عدیلہ کو ساتھ لے جاؤں۔ مصطفیٰ' دن بھر مزے اڑانے کے بعد' لور پول جا چکا تھا میں چاہتی تھی کہ عدیلہ سے بات کروں لیکن اس نے خواب آور گولیاں کھا کر ایسی لمبی تانی کہ دن بھر سوئی رہی۔ مجھے اضطراب کے عالم میں نیند کہاں آتی مصطفیٰ اسی شام لوٹ آیا۔ عدیلہ جاگ گئی۔

مصطفیٰ نے آ کر مجھ سے کہا کہ عدیلہ اس کے ساتھ اکیلے میں بات کرنا چاہتی ہے۔ " میرا خیال ہے کہ مجھے اس کی تھوڑی سی خبر لینی چاہئے۔ اسے کچھ تمیز سکھانی پڑے گی۔ اس لئے اگر تھوڑی دیر تم ہمیں تنہا چھوڑ دو تو ہم دو دو باتیں کر لیں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ میری موجودگی میں بات کیوں نہیں کر سکتی؟ آخر میری بہن ہے۔ اسے ڈر کس بات کا ہے۔" "اسے تم میں سے کسی پر اعتبار نہیں۔ تم اس کے مسائل سے اپنی امی کو آگاہ کر دینا۔ ضروری ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی سے بات کرے جس پر اسے اعتبار ہو' جو بڑی عمر کا ہو۔" میں نے حسب معمول ہتھیار ڈال دیئے۔ عدیلہ اور مصطفیٰ کو راز و نیاز کے لئے میرے اپنے گھر میں تنہا چھوڑ دیا گیا۔ انہیں تخلیہ فراہم کرنے پر مجبور تھی۔ میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ کیا میرے ساتھ دھوکا کیا جا رہا ہے۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ میری سوچنے کی صلاحیت قریب قریب ختم ہو چکی تھی۔ تمام تار مصطفیٰ ہلا رہا تھا۔ میں محسوس کرتی تھی کہ اس نے جان بوجھ کر میرے تمام تار الجھا دیئے ہیں۔ تاکہ میں کسی بے مصرف کٹھ پتلی کی طرح لٹکی رہوں۔

امی' قرآن ہاتھ میں لئے' غصے میں کھولتی ہوئی آئیں۔ انہوں نے مصطفیٰ پر الزام لگایا کہ اس نے ان کی نابالغ لڑکی کو برباد کر دیا ہے۔ "تم مکار اور خبیث آدمی ہو۔ تخریب تمہاری فطرت میں داخل ہے۔ میں تمہیں خبردار کرتی ہوں کہ ہمارے خاندان کی عزت

سے مت کھیلو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم میری بیٹی کو فی الفور میرے پاس بھیج دو۔ میں اسے تمہارے گھر میں نہیں رہنے دوں گی۔"

مصطفیٰ پر اس بات کا کوئی اثر نہ ہوا کہ اس کے کردار کی ایسی تیسی کی جا رہی ہے۔" آپ کو کیا پتا؟ میں نے اس خاندان کی عزت کی حفاظت کی ہے۔" منو نے بات کاٹ کر مصطفیٰ پر الزام لگانا شروع کیا کہ وہ ایک نابالغ لڑکی کا اخلاق بگاڑتا رہا ہے۔ منو نے نہایت بدتمیزی سے گفتگو کی۔

میں معلوم کرنا چاہتی تھی کہ حقیقت کیا ہے۔ مجھے اپنے اردگرد صرف فریب کا جال نظر آ رہا تھا۔ میں نے مصطفیٰ کو بٹھا کر بات کی۔ اس کی منت سماجت کی کہ میرے شبہات دور کر دے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں اس کا دفاع صرف اسی صورت میں کر سکتی ہوں کہ مجھے حقائق کا علم ہو۔ اس اثناء میں مصطفیٰ ایک نیا سکرپٹ تیار کر چکا تھا۔ اس گھریلو داستان میں، جو ابھی جاری تھی۔ ایک نیا پیچ ڈالا گیا۔ "منو ٹھیک کہتا تھا۔ اس دن میں نے عدیلہ کو سکول سے پک کیا تھا۔ منو نے ضرور ہمیں دیکھ لیا ہو گا۔ میں کسی کو بتانا نہ چاہتا تھا کہ میں کس لئے عدیلہ کو ساتھ لے جا رہا ہوں۔ اس لئے میں نے منو کی بات جھٹلا دی۔ عدیلہ کو حمل ٹھہر گیا تھا اس ایرانی لڑکے سے —— میں حمل ضائع کرانے کے لئے اسے ایک کلینک لے گیا تھا۔ میں تمہارے خاندان کی عزت کا تحفظ کر رہا تھا۔ اس کے بدلے مجھے نابالغ لڑکی پھنسانے والے کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ عجیب دنیا ہے جہاں نیکی کرنے کی بھی سزا ملتی ہے۔"

اپنے میاں کی بے گناہی کے اس تازہ ثبوت سے لیس ہو کر میں امی کے پاس پہنچی۔ جو کچھ مصطفیٰ نے کہا تھا ان کے گوش گزار کیا۔ امی کو اس کہانی پر یقین نہ آیا۔ انہوں نے ثبوت طلب کیا۔ کہنے لگیں کہ انہیں اسقاط پر خرچ ہونے والی رقم کی رسید لا کر دکھائی جائے، ایسی کوئی رسید مصطفیٰ کے پاس نہ تھی۔ امی نے جاننا چاہا کہ حمل کہاں ضائع کرایا گیا تھا۔ مصطفیٰ نے مجھے بتایا ہی نہ تھا۔ اس کی کہانی میں پھر جھول پڑنے لگے۔ وہ اپنی بے گناہی پر ضرورت سے زیادہ اصرار کر رہا تھا۔ وہ اس وقت تک مجرم تھا جب تک اپنی بے گناہی ثابت نہ کر دے۔ بار ثبوت اس کے ذمے تھا۔ اس کا دفاع بہت کمزور نظر آ رہا تھا۔

ان صبر آزما حالات میں میری بیٹی نشا پیدا ہوئی۔ ایک بار پھر میں بالکل اکیلی تھی اور عین اس وقت اپنے گھر والوں سے بچھڑ گئی جب مجھے ان کے جذباتی سہارے کی ضرورت تھی۔ مصطفیٰ میرے پاس تھا۔

جب ہم گھر لوٹے تو میں نے مصطفیٰ کو ٹیلی فون پر ہونے والی اس بات چیت کے بارے میں بتایا جو میرے سننے میں آئی تھی اور یہ بھی کہ کس طرح میں نے اس پر حرف نہ آنے دیا تھا۔ وہ مجھے گھورنے لگا۔ اس کے بعد اس پر سراسر جنون طاری ہو گیا۔ اسے اپنے حواس پر قابو نہ رہا۔ وہ دیوانوں کی سی حرکتیں کرنے لگا۔ اس نے اپنی دو نالی بندوق اٹھا کر اس کے کندے سے مجھے مارنا شروع کر دیا۔ میں گر پڑی۔ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے پے در پے مجھ پر ضربیں لگائیں۔ میرے سر میں زخم آ گیا۔ جب خون بہنے لگا تو اس نے ہاتھ روکا۔ غصے سے کانپتے ہوئے اس نے کہا "ابھی اسی لمحے اپنی امی کو فون کرو' انہیں بتاؤ کہ تم پاگل ہو۔ انہیں بتاؤ کے یہ ساری باتیں تم نے دل سے گھڑی ہیں۔ فون اٹھاؤ۔" وہ دہاڑا۔ "میں ...... میں یہ نہیں کر سکتی۔ انہیں میری بات کا ہرگز یقین نہ آئے گا۔ میں اپنا بیان کیسے بدلوں۔ انہیں شبہ ہو جائے گا کہ ......" وہ پھر مجھے مارنے لگا۔ "کھڑی ہو جاؤ کتیا کہیں کی۔" میں بڑی مشکل سے اٹھی۔ "اپنے کپڑے اتار۔ ایک تار بھی بدن پر نہ رہے۔ اتار کپڑے۔" میں کانپنے لگی۔ اس نے میری بانہہ اس طرح مروڑی جیسے بانہہ نہ ہو پیچ کس ہو وہ بیٹھا مجھے کپڑے اتارتے دیکھتا رہا۔ اب میں بالکل ننگ دھڑنگ لونگ روم کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔ میرے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ اس سے بڑی تذلیل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دائی اور بلال کمرے کے باہر میری دونوں بچیوں کے ساتھ کھڑے تھے۔

مصطفیٰ نے میرا جائزہ لیا۔ سر سے پاؤں تک نظر ڈالی۔ وہ مجھے ننگا کر کے میرے ذہن میں زبردستی داخل ہونا چاہتا تھا۔ میں خود کو بے بس اور تنہا محسوس کر رہی تھی۔ مجھ پر مکمل مایوسی کا عالم تھا۔ میں جس مخمصے میں گرفتار تھی اس کی وجہ سے میرا یہ احساس دو چند ہو گیا تھا کہ میں باقی دنیا سے کٹ چکی تھی۔ میں خود کو ڈھانپنا چاہتی تھی۔ اس آدمی کے سامنے جس کی زبان "شرم" اور "حیا" کی فضیلت کا پرچار کرتے نہ تھکتی تھی۔ اب اس نے مجھے اپنا نجی تماشا بنا چھوڑا تھا۔ "پلیز' مصطفیٰ مجھے کپڑے تو پہننے دو۔" فون اٹھاؤ۔ اپنی

امی سے بات کرو۔ پھر ہم دیکھیں گے۔" "میں کپڑے پہنے بغیر فون نہیں کر سکتی۔" اس نے مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ میرے پورے خاندان کو پن کر رکھ دیا۔ میرے حواس ارد گرد پھیلے ہوئے خلا میں گم ہو گئے۔ میں جدھر ہاتھ پھیلاتی کچھ ہاتھ نہ آتا۔

مصطفیٰ نے سب سے پہلے اپنے والد کے اصرار پر اپنی رشتے دار' وزیر سے شادی کی۔ یہ جاگیردارانہ رسموں اور روایتوں کے عین مطابق تھا۔ بیوی کی عمر مصطفیٰ سے کہیں زیادہ تھی۔ مصطفیٰ اس وقت بمشکل سترہ برس کا تھا۔ زن و شوئی کا رشتہ قائم ہو گیا اور وزیر کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ مصطفیٰ کا دم گھٹنے لگا۔ وہ گاؤں سے بھاگ گیا۔ اصل میں وہ ازدواج سے بچنے کے لئے فرار ہوا تھا۔ بیوی کو چھوڑ کر بھاگ جانے پر اس کے والد نے طیش میں آکر اسے خوب برا بھلا کہا اور عاق کر دینے کی دھمکی دی۔ مصطفیٰ ان پڑھ بیوی کے پاس لوٹنے کو تیار نہ تھا۔ اس میں وزیر کا کوئی قصور نہ تھا۔ انہیں ایک بے لوچ نظام نے بیاہے جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ خود مصطفیٰ بھی کوئی خاص پڑھا لکھا یا باخبر نہیں تھا۔ اس نے جو زندگی گزاری تھی اس میں دوسروں سے ملنے ملانے کے مواقع بہت کم تھے۔ وہ ابھی ایک جگہ ٹک کر گھربار کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اسے جوانی کے مزوں کا نیا نیا پتہ چلا تھا اور وہ انہیں لوٹنے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا۔ وہ بھاگ کر پہلے ملتان آیا اور شہر کو چھان مارا۔ اس کے بعد اس نے لاہور کا رخ کیا۔ لاہور دیکھ کر کوٹ ادو سے آنے والے دیہاتی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ جب وہ دیکھتا کہ عورتیں' فیشنی انداز میں بال سجائے' کاروں میں سٹیرنگ وہیل سنبھالے بچنٹ ڈٹی ہوئی ہیں تو بس ہونقوں کی طرح تکتا ہی رہ جاتا۔

مری میں مصطفیٰ کو فردوس مل گئی جو اس کے ایک نئے بنے دوست شفیع کی داشتہ تھی۔ فردوس حاملہ تھی۔ شفیع رفوچکر ہو چکا تھا۔ فردوس سے شادی کرنے کی پکی قسم کھانے کے بعد اب وہ اپنے قول قرار سے منکر ہو گیا تھا۔ صدمے کی وجہ سے لڑکی کی بری حالت تھی۔ اسے کسی کے کندھے کی ضرورت تھی جس پر وہ سر رکھ کر رو سکے۔ مصطفیٰ نے اپنا کندھا پیش کیا۔ وہ فردوس اور اس کی ماں کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔ غلط فہمی کی بنا پر ہمدردی کو محبت سمجھ لیا گیا۔ مصطفیٰ نے اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ اس طرح کی حرکت

تھی جو آدمی جوش میں آکر کر بیٹھتا ہے۔ لڑکی حاملہ تھی۔ اسے بے یارو مددگار چھوڑ دیا گیا تھا۔ شکل کی اچھی تھی اور تھوڑی سی پڑھی لکھی بھی تھی۔ وہ نسبتاً زیادہ مہذب تھی۔ مصطفیٰ کے لئے معیاروں کا تعین ابھی دیہات کی انہیں عورتوں کے حوالے سے ہوتا تھا جن سے پیچھا چھڑا کر وہ بھاگ آیا تھا۔ مصطفیٰ کو اس بنا پر کچھ پریشانی نہ تھی کہ فردوس شفیع کی داشتہ رہ چکی تھی۔ اسے یہ پروا بھی نہ تھی کہ فردوس کی ماں چھوٹا موٹا سا چکلا چلا رہی ہے۔ اس کی نظر میں فردوس ایسی عورت تھی جس کی آبرو تو لٹ چکی تھی مگر جو تھی دل کی کھری۔ وہ معاشرے کی ستائی ہوئی تھی۔ فردوس نے ایک بچے کو جنم دیا۔ مصطفیٰ نے اس کا نام اپنے نام پر رکھا۔ فردوس جلد ہی دوبارہ حاملہ ہو گئی۔ بلو نے جنم لیا۔ مصطفیٰ ان سب باتوں سے سٹپٹا سا گیا۔ کسی نہ کسی وجہ سے اسے زچگیوں سے چڑ تھی جیسے بچے جننے والی عورت اس کے ساتھ کوئی دشمنی نکال رہی ہو۔ ان مواقع پر اس کی سرشت کا بدترین پہلو سامنے آ جاتا تھا۔ جونہی کوئی عورت اس کے نطفے کو پیٹ میں پالنا شروع کرتی وہ اس سے متنفر ہو جاتا۔ ابھی فردوس ہسپتال میں زچگی کے بعد سنبھالا لے رہی تھی کہ مصطفیٰ نے اسے طلاق کے کاغذات بھجوا دیئے۔ اس نے ایک بار پھر غلط وجہ سے شادی کی تھی۔ رحم اور ترس پروان چڑھ کر محبت کا روپ نہ دھار سکے۔

اس کی نئی محبوبہ لاہور کے ایک کالج کی طالبہ تھی۔ بہت سال بعد مصطفیٰ نے میرے سامنے اعتراف کیا کہ اسے محبت ہوئی تھی تو بس اس لڑکی سے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ ان کی محبت کی تکمیل نہ ہو سکی۔ مجھے اس وقت تک پتہ چل چکا تھا کہ مصطفیٰ اپنی عورتوں سے اکتا جاتا ہے۔ انہیں ہر وقت ہوا میں تنے ہوئے رسے پر چلنا پڑتا تھا۔ وہ لڑکی بہت سیدھی سادی تھی۔ اس نے مصطفیٰ کے دکھ درد کو جان لیا اور سہارا فراہم کر دیا جس کے لئے وہ بلک رہا تھا۔ علاوہ ازیں اس سے والہانہ محبت بھی کرتی تھی۔

انہوں نے فرار ہونے کی کوشش کی لیکن ملتان جاتے ہوئے اثنائے راہ میں پکڑے گئے۔

قومی اسمبلی کے رکن کے طور پر مصطفیٰ سفر میں رہتا۔ طیاروں کے ذریعے کبھی یہاں کبھی وہاں۔ جلد ہی اس کی صفیہ نامی ایک ایئرہوسٹس سے ملاقات ہو گئی۔ مصطفیٰ قومی

اسمبلی کے سیشن میں شرکت کرنے ڈھاکہ جا رہا تھا۔ طیارے پر کھانا پیش کیا جانے لگا۔ مصطفیٰ نے دیکھا کہ دو پیارے پیارے ہاتھ بڑے چمچے سے اس کی پلیٹ میں کری ڈال رہے ہیں۔ نظر اٹھائی تو سبز رنگ میں ملبوس ایک صورت دکھائی دی جس پر چھلاوے کا گمان ہوا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ مصطفیٰ سماجی سیڑھی پر اوپر کی طرف گامزن تھا۔ تیس ہزار فٹ خاصی بلندی ہوتی ہے۔ طیارے سے اترتے وقت وہ ترنگ میں آکر مڑا اور صفیہ سے دریافت کیا کہ کیا دوبارہ ملاقات ہو سکتی ہے۔ صفیہ نے لجا کر اثبات میں سر ہلایا۔ ڈھاکے میں اگلے دو دن صفیہ کے ساتھ گزارے۔

یہ ایک چھوٹا سا رومانی واقعہ تھا اور بس' جب امور مملکت اسی کی توجہ کے طالب ہوئے تو ظاہر ہے وہ انہیں کو اولیت دیتا۔

اب صفیہ گورنر ہاؤس میں اٹھ آئی۔ اس شادی کی بھی بس راکھ ہی باقی رہ گئی تھی۔ سلگتے انگاروں کو وقت نے کبھی کا بجھا ڈالا تھا۔

مصطفیٰ کے بھائی گورنر ہاؤس اس سے ملنے آئے۔ اسے بتایا گیا کہ صفیہ نے اس سے بے وفائی کی ہے۔ "اب آپ گورنر ہیں۔ یہ آپ کی عزت کا معاملہ ہے۔ صفیہ نے آپ کے چھوٹے بھائی' غلام مرتضیٰ' سے ناجائز تعلقات قائم کر لئے تھے۔ ہم اس بات کو آپ سے مزید نہیں چھپا سکتے۔"

مصطفیٰ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ زندگی میں یہ پہلی عورت تھی جس نے اس کی عزت میں بٹا لگانے کی جرات کی تھی۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا کہ اس نے صفیہ کی زندگی برباد کر دی تھی۔ یا نو بہار سے شادی کر لی تھی یا پچھلے چھ ماہ کے دوران صرف چند گھنٹے کے لئے اس کے پاس گیا تھا یا اسے صفیہ سے محبت کبھی تھی ہی نہیں۔ جاگیردارانہ قانون کی رو سے مرد کو یہ سب کچھ کرنے کی آزادی ہے۔ عورت اس کے ساتھ بے وفائی نہیں کر سکتی۔ یہ عظیم ترین گناہ ہے۔ اس سے مرد کی مردانگی کو زک پہنچتی ہے۔ اگر مرد کو پتہ نہ ہو کہ اس کی بیوی کسی اور کے ساتھ داد عیش دے رہی ہے تو لوگ اس کی طرف انگلیاں اٹھا کر دبی دبی آواز میں ہنستے اور سرگوشیاں کرتے ہیں۔ مصطفیٰ نے شکستہ دل ہو کر اپنے کمرے کی خلوت میں پناہ لی۔

اس نے صفیہ کو بے دردی سے مارا پیٹا۔ سننے میں آیا ہے کہ اس نے صفیہ اور دائی عائشہ دونوں کے اندام میں پسی ہوئی لال مرچیں بھی ٹھونسیں۔ دونوں کو ہسپتال لے جانا پڑا۔ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ مصطفیٰ نے دائی عائشہ کو تقریباً جان سے مار ڈالا جسے اس معاملے کا شروع سے علم تھا۔ اس نے اپنی صفائی میں سیدھی سی بات کہی۔ "میں آپ کو بتانے کی جرات کیسے کرتی۔ میری وجہ سے خاندان میں فساد پڑ جاتا۔ آپ کا بھائی مجھے مار ڈالتا۔ وہ میری بوٹیاں ابال کر اونٹوں کو کھلا دیتا۔"

جھجک دور ہونے کی دیر تھی کہ مصطفیٰ زیادہ بے دھڑک ہو کر مجھ سے پینگ بڑھانے لگا۔ ہم ٹیلی فون پر گھنٹوں باتیں کرتے رہتے۔ اس نے مجھ سے منوا لیا کہ انیس (میرا پہلا خاوند) کے ساتھ میری شادی ختم ہو چکی ہے اور میرا مستقبل اس کی ذات سے وابستہ ہے۔ وہ فون پر بہت اچھی گفتگو کرتا تھا۔ ہم اکثر ملتے اور اپنے جذبات کے وفور کو ہوش و حواس پر حاوی آ جانے دیتے۔ ہم دیوانہ وار محبت میں مبتلا تھے۔ احتیاط' اخلاقیات اور تمیزداری کو بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا۔

مصطفیٰ کو ہر وقت مجھ سے کوئی نہ کوئی تقاضا رہتا۔ وہ احتیاط کا قائل نہ تھا۔ میں سہمی رہتی تھی کہ کہیں اوروں کو خبر نہ ہو جائے۔ احساس جرم مجھے ڈستا رہتا۔ مصطفیٰ مکمل طور پر پرسکون نظر آتا۔ کبھی کبھی تو میں باور کر لیتی کہ وہ چاہتا ہے کہ ہماری خفیہ آشنائی کا بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوٹ جائے۔ اس کی خواہش تھی کہ اس معاملے سے متعلق باقی دو لوگوں یعنی شیریں اور انیس کو بھی ہمارے تعلقات کا پتہ لگنا چاہئے۔ وہ چاہتا تھا کہ ہماری شادیوں کا ٹنٹا ختم ہو تاکہ ہم آزاد ہو کر ساتھ رہ سکیں۔

جو دل میں آ جائے اسے فوراً کر ڈالنے کی عادت۔ مصطفیٰ فون کر کے کہتا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے' ابھی ابھی انیس گھر پر ہے۔ ملنے میں بہت خطرہ ہے۔ مصطفیٰ کو کوئی پروا نہ تھی۔ وہ مجھ سے ملنے کا کوئی طریقہ ڈھونڈ لیتا۔ ہماری ان ملاقاتوں کا ایک مزاحیہ پہلو بھی تھا لیکن اب ان گزری باتوں پر غور سے نظر ڈالتی ہوں تو وہی پہلو بے دردی اور بے حسی کی عبارت معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے لئے اب ایک دوسرے سے الگ رہنا ناممکن ہو گیا تھا۔ فیصلہ کرنے کی گھڑی آ پہنچی تھی۔

مصطفیٰ نے فون کیا۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتا تھا۔ فی الفور کہنے لگا کہ میں تمہاری طرف آ رہا ہوں۔ "لیکن کیسے؟ انیس گھر پہ ہے۔ تم نہیں آ سکتے۔" "فکر مت کرو۔ میں اسے گھر سے دفان کئے دیتا ہوں۔ چٹکی بجانے میں۔"

دو منٹ بعد فون بجا گورنر ہاؤس سے فون تھا۔ انیس کے لئے میں نے ریسیور اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ سنتا اور سر ہلاتا اور ہوں ہاں کرتا رہا۔ اس نے ریسیور واپس رکھ دیا۔ چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھیں۔ "مجھے گورنر ہاؤس جانا ہے۔ مصطفیٰ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ گورنر کو مجھ سے کوئی بات کرنی ہے۔" وہ چلا گیا۔ اس قدر عجلت کے ساتھ جو زیب نہیں دیتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد مصطفیٰ آ موجود ہوا۔ "انیس کہاں ہے؟" میں نے سانس روک کر پوچھا۔ "تیر رہا ہے۔" مصطفیٰ نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

انیس گورنر ہاؤس پہنچا۔ مصطفیٰ نے اس سے ملاقات کی۔ پھر اس نے انیس سے کہا کہ وہ ذرا نہانے کے تالاب میں ڈبکی لگائے کیونکہ اسے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ وہ جلد ہی لوٹ آئے گا۔ انیس کو مصطفیٰ کے دوست 'رؤف خان' نے نہانے کا جانگیا دیا اور ٹھیل دھکیل کر تالاب میں اتار دیا۔ اس کا دل بڑھاتے رہے تاکہ وہ تیرتا ہی رہے۔ جب وہ باہر آتا تو رؤف اسے کھینچ کھانچ کر دوبارہ تالاب میں لے جاتا۔ وہاں وہ زبردستی ادھر سے ادھر تیرنے میں مشغول تھا یہاں مصطفیٰ اور میں ساتھ تھے۔ فون بجا۔ فون گورنر ہاؤس سے آیا تھا۔ "جناب' ہم اب اسے زیادہ دیر پانی میں ٹھہرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ وہ گھٹن کے مارے بیہوش ہو جائے گا۔ اس کا جسم ٹھنڈا پڑ گیا ہے اور وہ تنگ آ چکا ہے۔" "پانچ منٹ بعد باہر نکال دینا کہنا کہ میرا ابھی ابھی فون آیا تھا۔ میں پندرہ منٹ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔ ہم بے رحمانہ انداز میں ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

پنجاب کے اندرون میں واقع کسووال میں میری ایک عزیزہ رہتی تھیں۔ میں نے ان سے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ میں آ کر کچھ دیر ان کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے ایسی جگہ درکار تھی جس تک مصطفیٰ کی رسائی نہ ہو سکے۔ میں اس کے بغیر زندگی گزارنے کی کوشش کرنا چاہتی تھی۔ کسووال مثالی مقام تھا۔ نہ سڑکیں' نہ بجلی' نہ ٹیلی فون' میں اپنی

شیر خوار بچی' تانیا کو ساتھ لے کر کسووال چلی گئی۔

مصطفیٰ لاہور لوٹا۔ یہ پتہ چلنے پر کہ میں شہر چھوڑ کر چلی گئی ہوں' وہ ششدر رہ گیا۔ اس نے وہی کیا جو فوری طور پر دل نے سمجھایا۔ اس نے گورنر کے طیارے کو حکم دیا کہ اسے اوکاڑہ پہنچایا جائے۔ اپنی سرکاری مرسیڈیز' پانچ سو ایس' ای' ایل (S.E.L-500)' اس نے سڑک کے راستے اوکاڑہ بھجوا دی۔ جب وہ اوکاڑہ اترا تو کار اس کی منتظر تھی۔ وہ تاج الملک اور پائلٹ کو ساتھ لے کر کسووال میں وارد ہوا۔

عجیب منظر تھا۔ پنجاب کا گورنر' کسی پیشگی اعلان کے بغیر' پروٹوکول کے بغیر کسووال پہنچا ہوا ہے۔ اس دنیا جہان سے الگ تھلگ' اجڑی بجڑی جگہ کے رہنے والے غریب غرباء حیران بھی ہوئے اور مرعوب بھی۔ مصطفیٰ کسووال کے تنگ گلی کوچوں میں اکٹھے ہونے والے حیرت زدہ ہجوم کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلاتا رہا۔ پی پی پی کے لئے مزید ووٹ یقینی ہو گئے۔ گورنر کو صوبے کے اندرون کا خیال ہے۔ یہ خبر قومی پریس میں آ گئی۔ یہ کسی کو پتہ نہ تھا کہ اس نے صرف ایک عورت کی خاطر اس ویرانے تک جانے کیلئے قدم اٹھایا تھا۔

شور و غوغا سن کر میں تو حواس باختہ ہو گئی۔ میں نے کار کے آنے کی آواز سنی۔ چک اٹھا کر دیکھا تو وہ سامنے کھڑا تھا۔ "تمہیں لاہور واپس چلنا ہو گا۔ ابھی' میں تمہارے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا۔"

رشتے داروں کے سامنے بہانے بنانے کے سوا چارہ کیا تھا۔ میں نے کہا کہ پنجاب کا گورنر میرے میاں کا دوست ہے۔ مجھے جانا ہی پڑے گا۔ وہ میرے خوابوں خیالوں پر چھایا ہوا تھا۔ میں نے اپنے عزیز و اقارب کو خدا حافظ کہا جو بہت مرعوب ہو چکے تھے اور ابھی سے اس مشہوری کے خیال سے ہونٹ چاٹ رہے تھے جو گھر پر گورنر کی آمد سے ان کے حصے میں آنے والی تھی۔

ہم' میری بچی' مصطفیٰ اور میں' ایک ساتھ رخصت ہوئے۔ ہم اوکاڑہ پہنچے۔ میرے لئے اس طرح سفر کرنا ضروری تھا کہ کوئی مجھے پہچان نہ سکے۔ میں نے بستر کی سفید چادر سے کام چلاؤ سا پردہ تیار کیا' ایسی چادر جس میں سے صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ ہم گورنر کے طیارے پر سوار ہوئے اور لاہور روانہ ہو گئے۔

مصطفیٰ طیارے سے اترا' سرکاری کار میں بیٹھا اور سائرنوں کے شور میں' موٹر سائیکل سوار' جلوداروں کے ساتھ گھر کا رستہ لیا۔ میں بھیس بدل کر باہر آئی۔ ایک اور کار میں سوار ہوئی جس میں رنگین شیشے لگے تھے اور پیچھے پیچھے چل پڑی۔

میرے شوہر کو مصطفیٰ نے ایک انتہائی خفیہ مشن پر پشاور چلتا کر دیا تھا۔ اسے وہاں ایک اہم "صرف آپ کے پڑھنے کے لئے" خط کسی کو پہنچانا تھا لیکن اسے مکتوب الیہ سے ملانے میں ٹال مٹول سے کام لیا گیا تاکہ وہ پشاور میں مجبوراً رکا رہے۔ مصطفیٰ کا دوست' رؤف خاں' اسے ہوائی اڈے پر چھوڑ کر آیا تھا تاکہ اس کی روانگی کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہے۔ وہ اپنا مشن مکمل کئے بغیر واپس نہ آ سکتا تھا۔ ادھر مصطفیٰ بدنصیب انیس کو واپس بلانے سے پہلے خود اپنے مشن کو یقینی طور پر تکمیل تک پہنچانے کے لئے تلا بیٹھا تھا۔

ہم گورنر ہاؤس پہنچے۔ میری بچی اور اس کی انا میرے ساتھ تھی۔ ہمیں صدارتی سوئٹ میں ٹھہرایا گیا۔ مصطفیٰ نے ڈنر میرے ساتھ تناول کیا۔ اس کے چہرے پر کمال کی مسکراہٹ تھی۔ شرارت بھری' میں گھبرائی ہوئی تھی۔ اگر شیری کو پتہ چل گیا تو؟

مصطفیٰ نے بتایا کہ شیری ہمیں پریشان نہیں کرے گی۔ وہ شیری سے کہہ آیا ہے کہ وہ نیچے کی منزل میں علمائے کرام کی خاطر تواضع میں مصروف ہے۔ علمائے کرام کا مطلب ہے خالص مردانہ محفل' مذہبی عالموں کی محفل میں کوئی عورت میزبانی کے فرائض انجام دے' یہ بالکل محال ہے۔ شیری کو اپنے کمرے میں ٹھہرنا ہو گا۔ شیری نے اس من گھڑت پر یقین کر لیا۔

شمعوں کی روشنی میں آمنے سامنے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے ہم اپنے باہمی مستقبل کی باتیں کرتے رہے۔

خاصی رات گزر جانے کے بعد مصطفیٰ رخصت ہوا۔ وہ اپنی بیوی کے پاس چلا گیا۔ میں اکیلی پڑی کروٹوں پر کروٹیں بدلتی رہی۔ احساس جرم کا شکار لیکن ساتھ ہی مطمئن کہ کوئی میرا چاہنے والا بھی ہے۔ میری آنکھ صبح سویرے کھل گئی۔ میں نے اپنے خیالات مجتمع کئے' بچی اور انا کو ساتھ لیا اور گورنر ہاؤس سے چلی آئی۔ اس کے بعد قیامت برپا ہو گئی۔ مصطفیٰ سے شادی کے بعد دو اگست کو جو اس کا یوم پیدائش ہے' میں اس سے ملنے

راولپنڈی پہنچی۔ غلام مرتضیٰ کھر اور اس کی بیوی' فرح غلام' عربی' بلال' عبدالرحمن اور بچے' سب میرے ساتھ تھے۔ سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں ہماری مصطفیٰ سے ملاقات ہوئی۔ مصطفیٰ مجھ سے بہت خفا تھا۔ میں نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ میں اتنی تھک چکی تھی کہ اس سے جھگڑنے کا دم بھی نہ رہا تھا۔ دو مہینوں میں دوبارہ آپریشن کرا چکی تھی۔ میں اپنے بچوں کی ماں ہی نہ تھی' باپ کا رول بھی مجھے ہی ادا کرنا پڑتا تھا۔ میں ایک دفعہ پھر بے گھر ہو گئی تھی۔ سب کچھ غتربود ہو چکا تھا۔

مصطفیٰ سپرنٹنڈنٹ سے خصوصی اجازت حاصل کر کے ہمیں اپنے کمرے میں لے گیا۔ اس کمرے کا دروازہ کواڑوں سے بے نیاز تھا۔ ایک چک لٹکی ہوئی جھول رہی تھی۔ تخلیہ فراہم کرنے کا ایک ڈھیلا ڈھالا معذرت خواہانہ انداز۔ میں اپنا ایک فوٹو اس کے لئے لے گئی تھی۔ وہ ابھی تک روٹھا ہوا تھا۔ کہنے لگا اسے فوٹو نہیں چاہئے۔ میں نے فوٹو واپس بیگ میں رکھ لیا۔ اس نے گھر والوں سے کہا کہ وہ باہر جا کر انتظار کریں۔ وہ سب باہر جا کر چک کے ارد گرد پہرے داروں کے پاس جا کھڑے ہوئے۔

مصطفیٰ مجھ سے ہم بستری کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لئے نہ تو وہ جگہ موزوں تھی نہ وقت۔ تخلیہ نام کی کسی چیز کا وہاں وجود نہ تھا۔ باہر کھڑے گھر والوں کی باتیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس کے علاوہ میری صحت بھی ٹھیک نہ تھی۔ مجھے میرے ڈاکٹر نے مشورہ دیا تھا کہ ٹانکوں کے ٹھیک ہونے کا انتظار کروں۔ میں بہت خوف زدہ ہو گئی۔ میں نے اسے بتانے کی کوشش کی میری صحت ٹھیک نہیں اور مجھے صحت مند ہونے میں کم از کم چھ ہفتے لگیں گے۔ اس نے ذرہ برابر بھی پروا نہ کی۔ میں نے اسے بتایا کہ گھر کے لوگ باہر کھڑے ہیں' پولیس والے باہر کھڑے ہیں۔ یہ وقار سے بہت ہی گری ہوئی بات ہو گی۔ "تمہاری جتنی عمر کو پہنچنے کے بعد لوگ اس طرح کی حرکتیں نہیں کرتے۔ مجھے بعد میں باہر جا کر ان سے آنکھیں چار کرنی ہیں۔ میرا سر شرم سے نیچا ہو جائے گا۔" مصطفیٰ کوئی بات سننے کو تیار نہ تھا۔

مصطفیٰ نے جیل کی کوٹھڑی میں حضرت علیؓ کی تصویر لگا رکھی تھی۔ اپنی بیچارگی کے تمام عرصے میں وہ حضرت علیؓ کی طرف رجوع کرتا' روتا اور سسکیاں لیتا اور ان کے آگے

ہاتھ جوڑتا کہ شفاعت فرمایئے اور جیل سے رہائی دلا دیں۔ وہ مجھے بتاتا رہتا کہ کس طرح حضرت علیؓ کے طفیل اسے وہ طاقت اور قوت برداشت نصیب ہوئی جس نے اسے قید و بند کی ہولناکیاں سہنے کے قابل بنا دیا۔ "اگر حضرت علیؓ کا سہارا نہ ملتا تو میں ہار مان جاتا۔ ان کا سایہ میرے سر پر رہا۔ ان کا اسم گرامی بذات خود قوت کا سرچشمہ ہے۔ انہیں کے نام نے مجھے زندہ رہنے کا حوصلہ عطا کیا۔"

جیل سے چھوٹنے کی دیر تھی کہ مصطفیٰ بھول بھال گیا کہ وہ حضرت علیؓ کا احسان مند ہے۔

اس نے دیکھا تھا کہ میں حضرت علیؓ کے آگے ہاتھ پھیلاتی ہوں۔ اس نے دیکھا تھا کہ حضرت علیؓ نے مجھے شیر کا مقابلہ کرنے کے لئے کتنی طاقت عطا کی ہے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میرا ایمان وقتی ترنگ نہیں نہ اس میں موقع پرستی کی کوئی لاگ ہے۔ اس نے بے حرمتی کی کارروائی کر کے مجھے ایمان سے محروم کرنا چاہا۔

مصطفیٰ میرے کمرے میں آیا۔ میں حضرت علیؓ کی تصویر تھامے آنسو بہا رہی تھی۔ عدیلہ اور مصطفیٰ کے بارے میں میرے شکوک کی تصدیق ہو چکی تھی۔ میں اپنے ایمان کے سوا کس کا سہارا ڈھونڈتی۔ وہ اکثر مجھے گھورتا رہا۔ پھر دھمکانے والے انداز میں میری طرف بڑھا اور تصویر میرے ہاتھ سے چھین لی۔ اس نے حقارت بھرے انداز میں تصویر کو گھورا۔

"یہ کیا یہ تمہیں بچالے گی؟ یہ تصویر!"

اس نے تصویر پھاڑ کر پرزے پرزے کر دی۔ میں نے ان مقدس پرزوں کو اٹھا لیا۔ میں روئی اور اللہ کے حضور میں گڑگڑا کر کہا کہ مجھے بخش دیا جائے۔ میں بے جانے بوجھے اس بے حرمتی میں شریک ہوئی تھی۔ اب میں سمجھی کہ مصطفیٰ کے نزدیک مذہب' اس کی عذاب میں مبتلا روح کے لئے تریاق تھا۔ برے وقتوں میں کام آنے والا رفیق' وہ بھکاری بن کر' ملتجی بن کر' اللہ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ جب اسے نعمتوں سے نوازا گیا تو فرعون بن بیٹھا۔

کوئی اور ہوتا تو زیادہ احتیاط سے کام لینا شروع کر دیتا۔ لیکن مصطفیٰ سے یہ توقع کہاں۔ اگلی شام وہ سات بجے گھر سے روانہ ہوا۔ کہنے لگا کہ نو بجے تک واپس آ جائے گا۔ میں نے

تسنیم کو فون کیا۔ عدیلہ نے اپنی روانگی اور واپسی کا یہی وقت بتایا تھا۔ میں دوستوں کو ساتھ لے کر گئی اور ہم نے گاڑی تسنیم کے گھر کے نکڑ پر کھڑی کر دی۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ عدیلہ کو گھر چھوڑنے کون آتا ہے۔ شاید ساجد ہو یا شاید عربی' پونے نو بجے ایک کار تسنیم کے گھر کے پھاٹک کے ٹھیک سامنے آ کر رکی۔ عدیلہ اتری اور دوڑ کر اندر چلی گئی۔ کار کو روانہ ہونے سے پہلے ریورس کیا گیا۔ یہ ہماری شنتری پجیرو تھی۔ عدیلہ میری سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ مصطفیٰ گاڑی چلا رہا تھا۔ تسنیم اپنی کھڑکی میں پردوں کی اوٹ میں کھڑی تھی۔ ہم بہت تیز ڈرائیو کرتے ہوئے واپس ہوئے اور میں مصطفیٰ کے آنے سے پہلے گھر پہنچ گئی۔ میں مصطفیٰ سے دوبدو نہ ہوئی۔

اس کے باوجود آپ اس کے کہے پر یقین لے آئی ہیں' حالانکہ میں نے آپ کو ثبوت بھی فراہم کر دیا تھا۔ میں تو حیران ہو گئی ہوں۔ اس نے چوری چھپے پھر وہی حرکتیں کی ہیں اور ڈھیٹ اتنی ہے کہ کہتی ہے کہ اس نے کچھ کیا ہی نہیں۔ "میں جس طرح روئی دنیا میں کم ہی لوگ اس طرح روئے ہوں گے۔ میرے آنسو تھمنے میں نہ آتے تھے۔ سب نے مجھے روتے دیکھا۔ رونے سے باز رہنا میرے بس میں نہ تھا۔"

.میرا اور عدیلہ کا آمنا سامنا ہوا۔ امی کی موجودگی میں۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ مجال ہے جو وہ ذرا سٹپٹائی ہو۔ اس نے اپنا سر اس طرح جھٹکا جیسے " اونہہ" کہہ رہی ہو۔ تمہیں پتہ بھی ہے میں نے تمہارے لئے کیا کیا ہے؟ اگر پتہ ہو تو تم مجھے بہن نہ کہو' فرشتہ کہنا شروع کر دو۔ تمہاری شادی کو بچائے رکھنے کی ذمے دار میں ہوں۔"

یہ واضح تھا کہ وہ اشارتاً کیا کہنا چاہ رہی ہے۔ مصطفیٰ اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ وہ اس کی بات ماننے کو تیار نہ ہوئی تھی۔ صرف میری خاطر۔ مصطفیٰ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ وہ میرا بسا بسایا گھر اجاڑنا چاہتی تھی۔

کیا یہ سچ ہو سکتا ہے؟ میں نے آئینے میں اپنے پر نظر ڈالی۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے بدلنا پڑے گا۔ مجھے ضرور عدیلہ جیسی نظر آنا چاہئے۔ مجھے ضرور اس جیسے ملبوسات پہننے چاہئیں۔ مجھے ضرور اپنی شخصیت کو بدلنا چاہئے۔ ایک یہی راستہ رہ گیا تھا۔ ایسا کروں تو شاید

میری شادی کامیاب ہو جائے۔ مصطفیٰ عدیلہ کو چاہتا ہے، تمہیں نہیں، تم اپنی طرف دیکھو تو سہی، یہ تمہارے سفید کپڑے، یہ تمہارے بلند آدرش، تم اس کے مطلب کی عورت نہیں۔ عدیلہ ہے۔ اور اس کے باوجود...... اسے تم سے پیار ہے وہ کہتا ہے کہ پیار ہے۔ سارے وقت یہی کہتا رہتا ہے۔ آئینے نے جواباً" میری طرف دیکھا۔ میں سامنے سے ہٹ گئی۔ اس میں میری شبیہ کے علاوہ بھی کچھ نظر آ رہا تھا۔ اس میں میرے ذہن کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے مصطفیٰ کی آواز سنی۔ نامبارک آواز۔ "کوئی اور عورت تم جیسی نہیں ہو سکتی لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم سولہ سال کی لڑکی بن کر رہو۔ میں پھر سے رومان کا تمنائی ہوں۔"

مجھے دھکا لگا۔ یہ تو میں نہیں کر سکتی۔ میں سولہ برس کی نہیں۔ پانچ بچوں کی ماں ہوں۔ سینتیس سال کی ہو چکی ہوں۔ اس شخص کے بارے میں رومانی تصورات کیسے رکھ سکتی ہوں جو میری بہن سے عشق لڑا رہا ہو؟ کیسے؟

میں مصطفیٰ گھر سے الگ ہونے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس بار علیحدہ ہونے کی وجوہ بھی معقول تھیں اور جو وقت چنا گیا تھا وہ بھی موزوں تھا۔ جلد ہی ہمارا دوبارہ مری آنا ہوا۔ میں بہت زیادہ اپنے آپ میں گم تھی۔ ہم بھوربن میں وزیر اعلیٰ کے ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے۔

اس رات مصطفیٰ نے مجھ سے ہم بستر ہونا چاہا مجھے اس کے رویے سے پتہ چل گیا تھا کہ وہ انکار سننے کے لئے تیار نہیں۔ جو ہونا تھا میں نے ہونے دیا۔ میں نے اپنی نفرت کو قابو میں رکھا۔ میں نے خود کو مکمل طور پر لاتعلق رکھنا چاہا۔ مصطفیٰ کے کندھے پر سر رکھ کر میں نے اللہ نے دعا مانگی اور منت کرتی رہی کہ مصطفیٰ پر عذاب نازل کیا جائے۔ وہ ایسی عورت سے زنا کا مرتکب ہوا تھا جو اس کی بہن کا درجہ رکھتی تھی۔ الٰہی، کیا یہ سب تجھ پر عیاں نہیں؟ تو اس کی ممانعت کر چکا ہے۔ تو نے کہا ہے کہ کوئی مرد بیک وقت دو سگی بہنوں سے جنسی تعلقات نہیں رکھ سکتا۔ یہ تیرے قرآن میں ہے۔ اگر یہ قانون تو نے بنایا ہے، اگر یہ ضابطہ تیری طرف سے نافذ ہوا ہے تو پھر تو کبھی یہ اجازت نہیں دے گا کہ میرے ساتھ ایسی بات ہو۔ اس آدمی کو کبھی مجھ پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نہ ملنا چاہئے۔ اس آدمی کو کبھی تیری نافرمانی کرنے کی جسارت کا موقع نہ دینا چاہئے۔ میرے اختیار میں کچھ بھی

نہیں؟ تو ہی اس بات کو رکوا سکتا ہے۔ اور جب میں یہ دعا مانگ رہی تھی تو میں نے تصور کیا کہ کعبہ شریف میرے سامنے موجود ہے۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں کعبے کو ہاتھ لگا سکتی ہوں۔ یہ ایسا وقت نہیں ہوتا جب آدمی کو اللہ کا خیال آئے۔ آدمی خود کو اتنا صاف ستھرا محسوس نہیں کرتا کہ اللہ کے روبرو ہو سکے۔ اللہ کو اس مرد کی آلودگی مجھ سے دور کرنی تھی جس نے مجھے استعمال کیا تھا مجھ سے ناجائز کام لیا تھا۔ میں نے محسوس کیا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسے وہ لعنت' وہ گندگی' وہ غلاظت مجھ سے دور کرنی ہو گی جو ملک غلام مصطفیٰ کھر نے میرے جسم و جان میں انڈیل دی تھی۔

وہ ایک بار اور مجھ سے ملنے آیا۔ اکیلا۔ اس ملاقات کے دوران جب اس کے اپنے ضمیر' میرے اور اللہ کے سوا کوئی گواہ نہ تھا اس نے سب کچھ پوست کندہ بیان کر دیا۔ اس نے بتایا کہ وہ عدیلہ سے تین بار ملا تھا۔ اس میں وہ موقع بھی شامل ہے جب میں نے ان دونوں کو آپس میں باتیں کرتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے مان لیا کہ وہ اس سے باتیں کرتا رہا تھا۔ پہلے کی طرح اس بار بھی اس پر شیطان چڑھ گیا تھا اور اسے معصیت پر اکساتا رہا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ شہوت کی وجہ سے اسے اپنے پر قابو نہ رہا تھا اور اس نے میرے ردعمل کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میں اسے چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ یہاں تک کہ میں واقعی اسے چھوڑ گئی۔ وہ رو پڑا اور مجھ سے معافی مانگنے لگا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اسے معاف کر چکی ہوں۔ اس نے میری طرف دیکھا اور فوراً مجھ سے واپس آ جانے کے لئے کہا۔ میں شاید کمزوری دکھا جاتی لیکن اس فوری ردعمل نے مجھے بچا لیا۔ اس طرح کے ردعمل سے مجھے بارہا سابقہ پڑ چکا تھا۔ جب بھی وہ کوئی غلط حرکت کرتا تو بعد میں آ کر میرے قدموں میں لوٹنے لگتا اور میرے جذبہ ترحم کو ابھار کر اپنا کام نکالنا چاہتا۔ جونہی میں اسے معاف کرتی' وہی پرانا مصطفیٰ دوبارہ جی اٹھتا۔ جس معاملے پر ناچاقی ہوئی تھی اسے بھلا دیا جاتا۔ اس کی زندگی پرانے ڈھرے پر چلتی رہتی۔ وہ ایسا مرد تھا جو اجتماعی شعور سے محروم تھا۔ اس کی یادداشت تختہ سیاہ جیسی تھی اور میری معافی بھیگی ہوئی پونچھن۔ میں نے مصطفیٰ پر واضح کر دیا کہ میں نہ تو کبھی لوٹ کر آؤں گی نہ اسے معاف کروں گی نہ ان زیادتیوں کو بھلاؤں گی جو میرے ساتھ روا رکھی گئی تھیں۔ خواہ کچھ ہو

جائے۔

اس اثنا میں عدیلہ کے شوہر مطلوب کو اپنی بیوی اور مصطفیٰ کے یارانے کا ٹھوس ثبوت مل گیا۔ جب شبہات نے مطلوب کو زیادہ برا گیختہ کیا تو اس نے ٹیلی فون ٹیپ کرنا شروع کر دیا۔ مصطفیٰ اور عدیلہ کی گھنٹوں لمبی گفتگو مقناطیسی ٹیپ پر منتقل ہو گئی۔ مطلوب روز گھر آتا' کیسٹ نکالتا' اسے اپنی کار کے کیسٹ پلیئر میں ڈالتا اور کراچی میں بے مقصد ڈرائیونگ کرتے ہوئے سنتا رہتا کہ کس طرح وہ دونوں اس کی شادی کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ سازشیں کر رہے ہیں۔ جب آنسوؤں کی تپش سے اس کے رخسار سلگ اٹھتے۔ کسی کی بے وفائی پر بہنے والے آنسو ہی اس طرح رخساروں کو جلا سکتے ہیں۔ مطلوب نے مصطفیٰ سے ٹکر لینے کی ٹھان لی۔ اس نے یہ ٹیپیں اپنی بیوی اور میری امی کو سنائیں پھر زناکاری کے ثبوت سے لیس ہو کر لاہور آ گیا۔

اس نے عدالت میں ایف آئی آر درج کرائی پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ زنا کاری کے مقدمے میں کوئی جاگیردار کسی دوسرے جاگیردار کو عدالت میں کھینچ لایا ہو۔ یہ بھی پہلی بار تھا کہ حدود آرڈی نینس کے تحت زناکاری کا مقدمہ ایسی عورت کے خلاف درج ہوا جو ہمارے طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔

مطلوب نے ترقی پسندانہ موقف اختیار کیا تھا۔ اپنی عزت آبرو کی بحالی کے لئے اس نے غصے سے اندھے ہو کر کوئی جرم کرنے کے بجائے عدالت سے رجوع کیا تھا۔ جیسا کہ عموماً ہوتا ہے انصاف کی ترازو طاقتور اور بااثر فریق کے حق میں جھک گئی۔ مصطفیٰ کھر کو داد و تحسین سے نوازا گیا۔ اور پی پی پی کے کارکن اسے کندھوں پر اٹھا کر عدالت کے کمرے سے باہر لائے۔ پی پی پی کے رہنما' طارق رحیم' احمد سعید اعوان اور سلمان تاثیر اس کے جلو میں تھے۔ مصطفیٰ کی زنا کے مقدمے میں ضمانت ہو گئی تھی۔ پاکستان میں غریب اور مراعات سے محروم طبقے کے افراد کو اسی طرح کے مقدمات میں فوراً حوالات بھیج دیا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے مطلوب نے غلط وقت چنا تھا۔ مصطفیٰ اس وقت پی پی پی کا اہم ترین رہنما تھا۔ وہ پنجاب میں لاہور حلقہ 99 سے' ایک ایسے الیکشن میں مشغول تھا جس میں ہر فریق یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اس کا زور زیادہ ہے۔ مصطفیٰ یہ عذر لایا کہ مقدمہ اس کے

سیاسی حریف، میاں نواز شریف کے اکسانے پر دائر کیا گیا تھا۔ میں نے کہا کہ مطلوب سچ بول رہا ہے۔ میں نے مصطفیٰ اور عدیلہ کی وجہ سے طلاق لی تھی۔ پہلے ان باتوں سے میں اپنی بہن کا گھر بار اور خاندان کی خاطر انکار کرتی رہی تھی۔ میں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ مصطفیٰ نے اپنی سالی سے زنا کر کے نہ صرف قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کی ہے بلکہ ازروئے قانون زنا بالجبر کا مرتکب بھی ہوا ہے۔ اس نے عدیلہ سے جنسی تعلقات تیرہ سال پہلے قائم کئے تھے۔ اس وقت میری بہن ابھی بچی تھی۔ میری باتوں کا بہت برا مانا گیا۔ لوگ کہنے لگے کہ مجھے پروقار رویہ اختیار کرنا چاہئے تھا۔ میں نے اپنے معاشرے کی ان لاکھوں عورتوں کی طرح محسوس کیا جن کے ساتھ زبردستی زنا کیا جاتا ہے اور وہ جائے واردات سے اٹھ کر چلی جاتی ہیں۔ محض اس لئے کہ کسی سے کہیں گی تو جگ ہنسائی ہو گی۔ کسی پاجی کو ہرگز یہ اجازت نہ ملنی چاہئے کہ اس کے جرم پر صرف اس لئے پردہ پڑا رہے کہ معاشرہ بہت نازک مزاج ہے اور ایسی باتیں سننے کی تاب نہیں لا سکتا۔ عورتوں کو چاہئے کہ یا تو آواز بلند کریں یا پھر جوتیاں کھاتی رہیں۔ یہ بات کتنی حیران کن ہے دنیا کے سپرپاور ملک امریکہ کے سربراہ بل کلنٹن کا صرف ایک عورت مونیکا لیونسکی کے ساتھ سکینڈل منظر عام پر آنے سے اس کا اقتدار خطرے میں پڑ گیا اور اس وقت تک یہ خطرہ نہیں ٹلا جب تک بل کلنٹن نے پوری قوم سے اس ناکردہ گناہ کی معافی نہیں مانگ لی لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سیاستدان غلام مصطفیٰ کھر کے درجنوں سیکس سکینڈل منظر عام پر آئے لیکن اس کے باوجود انہیں اپنے حلقہ انتخاب سے کبھی ناکامی کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ غلام مصطفیٰ کھر جس کی تمام زندگی دوسروں کی بیٹیوں کو کھلونا سمجھ کر کھیلتے گزری، اور جن کا سیاسی عروج اب زوال میں بدل چکا ہے اور نہ صرف پیپلز پارٹی بلکہ اب کوئی بھی جماعت انہیں تسلیم کرنے سے انکاری ہے اور اب موصوف کتے پالنے کا شغل فرما رہے ہیں۔ ان کی ایک بیٹی آمنہ حق نے ماڈلنگ کے شعبے میں خاصا نام کما لیا ہے۔ ان کی دوسری بیٹی کچھ عرصہ قبل انبساط اور دو بگڑے ہوئے امیرزادیوں کے ہمراہ علی الصبح ایک حادثے میں زخمی ہو گئی تھی۔ تحقیقات کے بعد معلوم ہوا ہے کہ حادثہ کا شکار ہونے والوں نے شراب کے نشہ میں دھت ہو کر رات بھر بدمستیاں کیں اور صبح سورج طلوع ہونے سے قبل گناہ کو چھپانے کے لئے نشہ کی حالت میں تیز رفتاری سے گاڑی چلا رہے تھے کہ یہ حادثہ پیش آگیا۔



پیر پگاڑا

پیر پگاڑا نے جنسی تسکین کی خاطر اپنے آباؤ اجداد کی عزت و ناموس اور گھر کی عزت کے ساتھ ساتھ اپنا سیاسی کیریئر تباہ کرنے سے بھی گریز نہیں کیا ایک دور میں جب پیر صاحب کی شہرت تھی کہ جس خاتون کو منظور نظر بنالیں وہ حکومتی ایوانوں میں اعلیٰ عہدوں تک پہنچ جاتی ہے اس بات کی تصدیق خود پیر صاحب اپنی نجی محفلوں میں کرتے کہ "فلاں عورت اس وقت اقتدار کے مزے لے رہی ہے وہ ایک وقت ہمارے پاس آئی تھی' گپ شپ کی' کھانا کھایا' رات کی مہمان بنی' صبح اٹھی تو سیاسی کارکن یا ادب کی ٹھیکیدار ہونے کے بجائے ایم پی اے' یا ایم این اے تھی۔" جنوں کی خاطر پیر صاحب نے نہ صرف اپنے بہت سے قریبی دوستوں کو ناراض کیا بلکہ اپنی پارٹی کے بھی کئی ٹوٹے گئے اس طرح کا ایک واقعہ لاہور کی خواتین سیاست پر عرصہ دراز تک راج کرنے والی محمودہ بیگم کے حوالے سے بھی خاصا معروف دیا۔ کہتے ہیں کہ پیر صاحب پگاڑا محمودہ کو دل دے بیٹھے تھے۔ جبکہ یہ محمودہ عمر رسیدہ مگر صحت مند حسینہ ہونے کی بنا پر ایک ایسے ملک کی عاشق تھی جو پاکستانی سیاست کے ایک اہم عہدہ پر فائز ہیں۔ یہ ملک سیاست کے لئے "ایوب خانی" تحفہ ہیں۔

انہیں ایوب خان کی کابینہ میں خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ اپنی اہمیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ محمودہ کے قریب بلکہ قریب تر اور پھر قریب ترین ہوتے گئے۔ پیر صاحب کی خواہش تھی کہ محمودہ ان کے حرم میں بھی داخل ہو لیکن ملک کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں تھا۔ ملک کی حالت یہ ہوا کرتی تھی کہ وہ ملک بھر کی تمام مصروفیات ختم کر کے رات گزارنے کے لئے گلبرگ نہر کے کنارے واقع محمودہ کی کوٹھی میں عیاشی کے لئے آ جاتے۔ یہ محمودہ' پیر اور ملک کے درمیان ایک ایسا تنازعہ بن گئی کہ ان کی جماعت میں ملک گروپ بن گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس گروپ میں صرف محمودہ اور ملک ہی شامل تھے۔ ملک صاحب کی اب جوانی ڈھل چکی' محمودہ کے بال بھی سفید ہو گئے مگر وہ بالوں کو رنگ کر کے جوان ہونے پر اصرار کرتی ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ دونوں کی آتش عشق یا آتش سیکس ابھی ٹھنڈی نہیں ہوئی' وقت ملنے پر دونوں اسلام آباد کے ایک سابق وزیراعظم کے گیسٹ ہاؤس میں پائے جاتے ہیں۔ ملک صاحب نے جس محمودہ کی خاطر پیر صاحب کو ناراض کیا تھا آج اسی محمودہ کی خاطر کئی سیاست دانوں کو ناراض کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ پیر صاحب کا اصرار ہے کہ ملک آج بھی محمودہ سے دستبردار ہو جائیں تو ان کی جماعت ایک ہونے کے ضمن میں پیش رفت ہو سکتی ہے۔ پیر صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک بار محمودہ کو ہمارے ہاں کھانے کی دعوت پر بھیج کر تو دیکھیں پھر انہیں گوشت اور دال کے بھاؤ معلوم ہو جائیں گے۔ ملک صاحب اس رسم کو توڑنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ پیر صاحب کے پاس ایک بار جانے والی عورت کسی نوجوان مرد کے قابو نہیں آتی۔ اگر محمودہ نے ڈھلتی جوانی میں پیر صاحب کا حرم دیکھ لیا تو پھر وہ کسی ملک کے پاس جانے کی ضرورت مند نہیں رہے گی بلکہ پیر صاحب کے ہی گیت گاتی پھرے گی۔ پیر صاحب ماضی میں بھی کئی ادھیڑ عمر سیاست دان عورتوں کو ڈھیر کر چکے ہیں۔ ان میں ایک ایسی بی بی بھی ہیں جو پیر صاحب کے ہاں سے گزر کر سرکاری جماعت میں عہدہ تک حاصل کر چکی ہیں۔ لیکن جس وقت یہ صاحب لاہور میں آتے ہیں تو تمام سیاسی وابستگیوں کو بالائے طاق رکھ کر ان کے ہاں حاضری کو اپنی بے قراری کا ثبوت قرار دیتے ہیں۔ ان پیر صاحب کا دعویٰ ہے کہ وہ جس سیاسی لونڈے پر ہاتھ رکھتے ہیں وہ ملک کا وزیراعظم بن جاتا

ہے اور جس خاتون پر مہربان ہوتے ہیں وہ ایم پی اے، ایم این اے، سینٹ کی رکن، صوبائی وفاقی وزیر اور نہ جانے کیا کچھ بن جاتی ہے۔ بات ہو رہی تھی ملک اور محمودہ کی، ان دونوں کی ملاقات اسلام آباد کے گیسٹ ہاؤس میں ہوتی ہے۔ دونوں مل کر آزاد کشمیر کے سابق وزیر اعظم کے ساتھ شراب پیتے ہیں۔ جوں جوں رات ڈھلتی ہے محمودہ کی بوڑھی جوانی بے لگام ہوتی جاتی ہے اور سیاسی بوڑھوں پر ایک بار پھر جوانی غالب آجاتی ہے۔ ایسی ہی حالت میں گیسٹ ہاؤس میں لاہور کے ایک اعلیٰ پولیس آفیسر کو حکم دیا جاتا ہے کہ لاہور میں سابق وزیر اعظم کے بہنوئی کو گرفتار کر لیا جائے کہ اس نے محمودہ پر قیامت ڈھا دی ہے۔ حکم دینے والا کہہ رہا تھا جناب فراڈ اور وہ بھی میری محمودہ کے ساتھ۔ اعلیٰ افسر نے یقین دلایا کہ محمودہ کو شکار کرنے والا بٹ آج ہی تھانوں میں ذلیل ہو گا۔ چنانچہ رات گئے پولیس نے ماڈل ٹاؤن کی ایک کوٹھی میں چھاپہ مارا لیکن سابق وزیر اعظم کا رشتہ دار اس وقت بازار حسن میں اپنی دو نمبر بیوی یا داشتہ کے ساتھ رنگ رلیوں میں مصروف تھا۔ وائرلیس چلی اور ایک بڑا سیاسی کردار پولیس کی حراست میں آگیا۔ اس گرفتاری کو اس سیاسی کردار کی داشتہ بھی دیکھ رہی تھی جو سالہا سال سے بلکو کی داشتہ بننے پر مجبور یا خوش ہے۔ مجبور تو نہیں اسے خوش ہی کہا جائے گا کہ اس کے بطن سے تو اب بلکو کی ایک بیٹی بھی پیدا ہو چکی ہے۔ اب اگر اپنی اس بلی کو چھوڑے گا تو اسے یہ دکھ ہمیشہ رہے گا کہ بلی کسی وقت بھی اس کی بیٹی کو بازار کی زینت بنا سکتی ہے۔ اب پتہ نہیں بلکو اور بلی کے اس کھیل کا انجام کیا ہوتا ہے۔ لیکن محمودہ اور ملک کے کھیل نے بلکو کو جیل میں بند کروا دیا۔ یہ ممکن ہے کہ بلکو اپنی شکست تسلیم کر کے محمودہ کو راضی کر لے۔ لیکن سنا ہے کہ بلکو اپنی دھن کا پکا ہے، وہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر سکتا ہے کسی "بڈھی گھوڑی" کے ہاتھوں بلیک میل ہونے والا نہیں ہے۔ پیر ہمارے معاشرے میں نہایت متبرک ہستی قرار دیئے جاتے ہیں۔ پیروں میں سے بعض نے تو حقیقت میں دینی و معاشرتی رہنمائی کا فریضہ احسن انداز میں سرانجام دیا۔ ان کی زندگی انسانیت کے لئے مینارہ نور ثابت ہوئی۔ لیکن انہیں برگزیدہ ہستیوں کی آنے والی نسلوں نے اپنے بڑوں کے نام پر ملنے والی عزت و توقیر کے پردے میں ایسے ایسے گل کھلائے کہ شیطان بھی شرما گیا۔ اوکاڑہ کے ایک نواحی گاؤں میں ایک پیر صاحب اپنے

مرید کے گھر تشریف لے گئے اور رات بسر کرنے کا عندیہ دیا۔ مرید کی مالی حیثیت ان دنوں کچھ بہتر نہیں تھی پھر بھی اس نے پیر صاحب کی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ رات کو پیر صاحب اپنے عقیدت مندوں کے جھرمٹ سے فارغ ہوئے تو میزبان کی بیوی نے ان سے اپنا ایک ذاتی مسئلہ پیش کیا کہ اس کی بیٹی کی شادی نہیں ہو رہی تو مالی حالات بھی بہتر نہیں لہٰذا بیٹی پر نظر کرم فرمائیں۔ پیر صاحب نے بیٹی کو بلوانے کا کہا۔ گاؤں کے پر فضا ماحول میں پلی بڑھی خوبرو حسینہ جب پیر صاحب کے سامنے آئی تو پیر صاحب کی شریانوں میں "شیطانیت" کا زہر انگڑائیاں لینے لگا۔ انہوں نے مریدنی سے کہا کہ اس کے لئے "خصوصی وظیفہ" کرنا پڑے گا اور میرا خیال ہے کہ یہ "کار خیر" آج رات ہی کر لیا جائے۔ گھر والے پیر صاحب کی اس مہربانی پر پھولے نہ سمائے اور پوچھا کیا کرنا ہو گا۔ پیر صاحب نے کہا کہ تم لوگ جاؤ اسے یہیں کمرے میں چھوڑ دو۔ لڑکی کے ماں باپ اور دیگر گھر والے فوراً کمرے سے باہر چلے گئے۔ پیر صاحب نے کمرہ بند کر دیا اور پھر پیر صاحب ساری رات اس نوخیز کلی کو پھول بنانے کا "وظیفہ" کرتے رہے۔ اس طرح کے شرمناک واقعات صرف چھوٹے موٹے پیروں کے ساتھ ہی نہیں بڑی بڑی گدیوں اور خانوادوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ صرف طریقہ واردات بدل جاتا ہے۔

پیروں کے خانوادے میں حروں کے روحانی پیشوا اور آمروں کے پسندیدہ "سیاسی پیر" پیر پگاڑا کسی تعارف کے محتاج نہیں اور عقیدت مند ان کو بڑی عزت کی نگاہ کی دیکھتے ہیں۔ ان کے عقیدت مندوں کے نزدیک تو پیر صاحب کا کسی حسینہ پر "مہربان" ہو جانا اس کی خوش قسمتی کا باعث سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ "پیر" سیاسی حلقوں میں "بابائے سیکسالوجسٹ" کی حیثیت سے خصوصی شہرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کئی بار صرف حسیناؤں کی خاطر اپنی پارٹی کے ٹوٹے کئے ہیں جبکہ دوسری طرف ان کے والد گرامی نے جہاں علم و ہدایت کے سرچشموں سے سندھ کو سیراب کیا وہاں انگریز سرکار کے خلاف باقاعدہ عملی جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جام شہادت نوش کیا۔ یہ ان کے بزرگوں کی دین اسلام سے محبت ہی تھی جس کا اجر آج بھی ان کا خانوادہ وصول کر رہا ہے، ان کے مریدین جنہیں حر کہا جاتا ہے، آج بھی پیر صاحب کے لئے جانوں کا نذرانہ ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں لیکن پیر پگاڑا کا

نام ان کے بزرگوں کی عزت و ناموس کے لئے کلنک کا ٹیکہ بن چکا ہے۔ پیر صاحب کی "کشف و کرامات" کا سلسلہ صرف ان تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ یہ "روحانی کیفیت" ان کی اگلی نسلوں میں بھی بدرجہ اتم شامل رہی۔ جبکہ پیر صاحب نے اپنے خاندان کو بھی نہیں بخشا۔ پیر صاحب کے کالے کرتوتوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے ان کے اپنے فرزند ارجمند پیر گوہر علی راشدی نے الزام لگایا کہ پیر پگاڑا کے اپنی بہو سے ناجائز تعلقات ہیں۔ یہ بات گھر کی چار دیواری تک ہی محدود نہ رہی بلکہ عدالت کے کٹہرے میں بھی اس کی گونج سنائی دی۔ پیر علی گوہر راشدی نے کہا کہ جو عورت صبح پانچ بجے گھر آئے اور تین بجے سہ پہر ناشتہ کرے وہ بھلا بچوں کا کیا خیال کر سکتی ہے۔ میرے موسیٰ اور عیسیٰ دو سال سکول میں فیل ہوئے۔ وہ پڑھائی میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں کیونکہ انہیں ماں کی مناسب توجہ نہیں مل رہی جبکہ بچوں کی ماں کو فیشن شوز سے فرصت نہیں ملتی۔ سر شام ہی گھر پر پیپلز پارٹی اور مسلم لیگیوں کا جشن شروع ہو جاتا ہے۔ گھر میں بوتیک کے نام سے دو نمبر کاروبار کھول رکھا ہے اور میں خود اس کا چشم دید گواہ ہوں اور میرے پاس تمام ثبوت اور ویڈیو موجود ہیں۔

پیر علی گوہر راشدی نے کہا میری قسمت میں اس دن ہی زہر گھول دیا گیا تھا جب میری شادی آنسہ قمر سے طے پائی تھی۔ نوابزادہ نصر اللہ کی بہن اپنی بیٹی سے میری شادی کرنا چاہتی تھیں مگر وہ دو سو کلو سے زیادہ بھاری ہیں' لہٰذا میں نے انکار کر دیا۔ لہٰذا انہوں نے میرا رشتہ اپنی ہمسائی آنسہ قمر سے طے کر دیا۔ میرے والدین اس رشتے سے بہت خوش تھے جبکہ میں خوش نہیں تھا اور میں نے بیوی کو دیکھا تک نہیں تھا۔ شادی کی پہلی رات آنسہ کو مرگی کا دورہ پڑ گیا۔ گھبراہٹ میں کچھ سجھائی نہیں دیا آخر جوتا سنگھایا تو اسے ہوش آیا۔ ساری رات جاگ کر گزاری کہ یااللہ یہ میرے ساتھ کیا ہوا۔ اگلے روز والد صاحب کو شکایت کی مگر انہوں نے میری ایک نہ سنی اور پھر تواتر کے ساتھ ایسا ہوتا رہا۔ میں ماں سے اکثر کہتا' ماں آپ نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ مرگی کی مریضہ سے میری شادی کر دی ہے مگر ماں سب سے زیادہ اسے چاہتی تھی۔ ماں کہتی بیٹا ایسی بیوی تمہیں کہیں نہیں ملے گی۔ میں کہتا ماں اگر اسے باورچی خانے میں کھانا بناتے ہوئے یا باتھ روم میں مرگی کا

دورہ پڑ گیا تو کیا ہو گا' تو ماں کہتی کہ اس کے لئے بہت سارے نوکر ہیں تم فکر مت کرو۔ ماں نے اس کی ہمیشہ حمایت کی اس پر بھروسہ کیا۔ لیکن افسوس یہ ناگن میری ماں کو ڈسنے سے بھی باز نہ آئی۔ بڑھاپے میں اس کو ایسا دکھ دیا جس کا مداوا ممکن نہیں ہے۔ علی گوہر راشدی نے بتایا میں اپنی شرافت میں لٹ گیا ہوں۔ مجھے میری بیوی نے ہمیشہ بے وقوف بنایا۔ میرے پاس کنگری ہاؤس کراچی میں بہت کم عرصہ رہی۔ علاج کے بہانے لاہور میں ٹکی رہتی اور اگر کبھی چھ ماہ بعد کراچی آتی تو اسے دورے پڑنے شروع ہو جاتے۔ میرے پاس اس کی مرگی کی سب رپورٹیں موجود ہیں جس کا میں ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔ ایک مرتبہ میں اور آنسہ قمر جہاز میں کراچی جا رہے تھے تو فرسٹ کلاس میں بیٹھے ہوئے تھے وہاں محترمہ کو دورہ پڑ گیا۔ مجھے مصیبت پڑ گئی کہ کیا کریں۔ وہاں دوسرے مسافر بھی اکٹھے ہو گئے۔ سب عملہ بھی گھبرا گیا فوراً فرسٹ ایڈ دی مگر مجھے معلوم تھا کہ صرف جوتا سنگھانے سے ہی یہ مسئلہ حل ہو گا۔ بہت شرمندگی کے ساتھ میں نے گندہ جوتا بیگ میں سے نکال کر اس کو سنگھایا تو وہ ہوش میں آئی۔ مجھے کہاں کہاں شرمندگیاں اٹھانی پڑی ہیں میں بتا نہیں سکتا۔ سارا جہاں اس کی ان حرکتوں سے واقف ہے۔ مرگی کے دورے میں وہ ایسی الٹی سیدھی حرکتیں کرتی کئی مرتبہ ناک کان اور زبان پر چوٹیں آئی ہیں۔ آپ اس کی زبان دیکھ لیں جگہ جگہ سے کٹ چکی ہے۔ ناک پر چوٹیں آئیں اور بدنام میں ہو گیا کہ علی گوہر نے پیٹا ہے' جبکہ وہ مرگی کے دورے سے عجیب عجیب حرکتیں تڑپ تڑپ کر ہاتھ پاؤں مارتیں' کھڑے ہونے کی کوشش میں کئی مرتبہ چوٹیں آئیں۔ دیکھنے والا بھی کہتا کہ اس کی پٹائی ہوئی ہے مگر ڈاکٹروں کو سب معلوم ہوتا کہ اس کو مرگی کا دورہ پڑا ہے۔ جب ڈاکٹروں کو معلوم پڑتا کہ یہ میری بیوی ہے اور میں کون ہوں تو ڈاکٹر اکثر مجھے کہتے کہ تم نے کس "کیس" سے شادی کر لی ہے' جان چھڑاؤ اپنی' کیونکہ مرگی کا کہیں بھی کوئی بھی علاج نہیں ہے' سوائے جوتے سنگھانے کے۔ شروع شروع میں تو میں بالکل خاموش ہو گیا اور اپنے آپ میں گھٹ گھٹ کر مرنے لگا کیونکہ میں باپ کی کمائی سے کھاتا تھا اپنا کچھ نہیں تھا۔ پھر کچھ عرصہ پہلے میں نے گھر والوں سے بات کی کہ میں اور شادی کروں گا کیونکہ مجھے ہوش مند بیوی چاہئے لہٰذا والدین نے مجھے اس کی اجازت دے دی۔ جب قمر زمان کھگہ صاحب

کو معلوم پڑا تو انہوں نے کہا آپ دوسری شادی کر لیں مگر اس کو طلاق مت دیں' لہٰذا میں نے نہ صرف اس کو علیحدہ ڈیفنس میں گھر لے کر دیا بلکہ اس کے نام ٹرانسفر کر دیا اور بچوں کے نام جائیداد بھی لکھ دی۔ اتنی جائیداد کو خود ان کا خاندان سوچ نہیں سکتا۔ میں بچوں کو باقاعدگی کے ساتھ 30 ہزار خرچہ دیتا رہا ہوں تاکہ ان کی پڑھائی جاری رہے مگر مجھ سے علیحدہ رہنے پر بچوں کا بیڑہ غرق ہو گیا۔ بچے مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ان کی تعلیم کا حرج ہوا۔ وہ دو سال فیل ہو گئے۔ بچوں نے بتایا کہ ان کا اس ماحول میں دم گھٹتا ہے۔ ماں صبح پانچ بجے گھر آتی ہے اور دو بجے تک سوتی ہے۔ پھر شام کو گھر پر سیاسی لوگوں کا "میلہ" لگ جاتا ہے۔ مسلم لیگی اور پیپلز پارٹی والے عوام کے سامنے تو دست و گریبان ہیں مگر ڈیفنس میں جا کر ایک ہو جاتے ہیں۔ سارے اختلافات بھول کر اکٹھا شیئر کرتے ہیں۔ ان سیاسی لوگوں کی خدمت کے لئے فیشن شوز کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ ڈیفنس میں گھر میں کسی قسم کا کاروبار کرنا ممنوع ہے مگر محترمہ نے گھر پو بوتیک کھول رکھا ہے تاکہ لوگوں کا آنا جانا رہے۔ اکثر اسلام آباد کے چکر لگائے جاتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ فیشن شوز کے اخراجات اور اسلام آباد کے اخراجات اور دو دو لاکھ روپے کے کپڑے کہاں سے آئے ہیں؟ مجھے معلوم ہے میرے پاس تمام ثبوت موجود ہیں۔ میرے بڑے بھائی میری والدہ کو اکثر کہتے کہ لاہور میں بہت گڑ بڑ ہے اور محترمہ دو نمبر کام کر رہی ہیں اور والد صاحب کو سب معلوم ہے مگر والدہ یقین نہیں کرتی تھیں۔ میں خود بھی بھائی کی باتوں پر یقین نہیں کرتا تھا۔ میں جب گھر آ جاتا تو دیکھتا گھر پر میلاد ہو رہی ہے' قرآن خوانی ہو رہی ہے۔ میں حیران رہ جاتا مگر جب والدہ نے والد کو رنگے ہاتھوں پکڑا تو سب سراغ مل گیا کہ یہ کارنامے تو بہو رانی کے ہیں۔ وہ ماڈلنگ اور فیشن شو کے بہانے لڑکیوں کو گھر پر بلاتیں' محفلیں سجاتیں اور والد صاحب کو "خوش" کرتیں۔ والدہ صاحب کے احتجاج پر ان کا پتہ ہمیشہ کے لئے کاٹ دیا گیا اور میرے بچوں کو مجھ سے چھیننے اور میری جائیداد ہڑپ کرنے کے لئے عدالت سے رجوع کیا گیا مگر میں عدالت میں سب ثبوت پیش کروں گا اور سب کو ننگا کروں گا۔

مگر دوسروں کو ننگا کرنے کا عزم رکھنے والے گوہر راشدی کو اپنے لب سینا پڑے اور اپنے بیٹے سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔ گوہر راشدی اب پراسرار طور پر منظر سے غائب ہو

چکے ہیں مگر پیر صاحب کی "کرامات" بدستور جاری ہیں اور انہوں نے "خدمت خلق" کے جذبے کے تحت 14 سالہ لڑکی سے شادی کر لی ہے۔ پیر صاحب کے پوتے نے دادا کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی تو وہ ناتجربہ کار ہونے کی وجہ سے مار کھا گیا۔

15 اگست 1997ء کو پیر پگاڑا کا پوتا اور وزیر مملکت مخدوم احمد محمود کا بھانجا اسلام آباد کے ایک بڑے ہوٹل میں رات گزار کر کال گرل اور 13 ہزار روپے کا بل چھوڑ کر بھاگ گیا۔ وزیر مملکت نے پیسے بھجوائے اور اپنے بھانجے کی طرف سے آئندہ ایسی شکایت نہ ملنے کی ضمانت دے کر کال گرل اس کے دلال کو واپس کروائی۔ اس واقعہ کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ پیر پگاڑا کا پوتا اور پیر صبغت اللہ راشدی کا بیٹا جو وزیر مملکت مخدوم احمد محمود کا بھانجا بھی ہے' وفاقی دارالحکومت کے ایک بڑے ہوٹل میں آیا اور انتہائی مہنگا کمرہ بک کرایا۔ رات کو عامر نامی دلال سے ایک کال گرل بھی منگوائی۔ موصوف ساری رات بیرون شہر ٹیلیفون کالیں بھی ملاتے رہے اور اگلے روز کال گرل اور ہوٹل کا 13 ہزار روپے کا بل چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ہوٹل انتظامیہ کو شک گزرا تو اس نے کمرے میں بیٹھی کال گرل سے پوچھا تو 14 سالہ لڑکی رو پڑی اور بتایا کہ میں نوکری کے لئے اسلام آباد آئی تو عامر نامی دلال نے مجھے دھندے پر لگا دیا اور گزشتہ رات بک کر کے یہاں بھیجا۔ امیرزادہ ساری رات مجھ سے جنسی کھیل کھیلتا رہا اور اب غائب ہو گیا ہے۔ ہوٹل انتظامیہ نے عامر دلال کو بلایا اور ایس ایچ او سیکرٹریٹ جمیل ہاشمی کے حوالے کر دیا۔ عامر دلال سے پولیس نے پوچھا کہ اتنی چھوٹی عمر کی بچی کو تو نے کیوں دھندے پر لگا رکھا ہے تو اس نے کہا کہ میں غریب آدمی ہوں' پیٹ کے لئے کچھ تو کرنا پڑتا ہے۔ پولیس اہلکار عامر دلال کو مارتے پیٹتے ہوئے ہوٹل سے لے گئے جبکہ ہوٹل بل کے لئے جب وزیر مملکت مخدوم احمد محمود سے رابطہ کیا تو انہوں نے اپنا بندہ بھیجا جس نے بل ادا کر دیا۔ وزیر مملکت نے ہوٹل انتظامیہ کو یقین دلایا کہ آئندہ کوئی شکایت نہیں آئے گی۔ ایس ایچ او تھانہ سیکرٹریٹ نے استفسار پر کہا کہ ہم نے کوئی رپورٹ وغیرہ اس لئے درج نہیں کی کہ رپورٹ درج کرانے والا بھی کوئی بنے۔ البتہ امیرزادے کے مقامی ساتھی کی تلاش جاری ہے' جونہی وہ ملا ہم ضروری کارروائی کریں گے۔ البتہ عامر دلال اور کال گرل ہم سے پوشیدہ نہیں۔ عامر سیکٹر جی ایٹ

میں رہتا ہے' جب ضرورت ہوئی اسے پکڑ لیں گے۔ جمیل ہاشمی نے کہا یہ واقعہ ہوا ہے' لیکن چونکہ امیرزادہ بھاگ گیا ہے۔ ہوٹل کو امیرزادے کے بڑوں نے بل ادا کر دیا ہے۔ امیرزادے کا ساتھی بھی بھاگ گیا ہے' اب رپورٹ درج کرانے کے لئے بھی کوئی تیار نہیں ہم کیا کریں؟

آج پیر صاحب کے بہت سے ساتھی ان کا دامن چھوڑ چکے ہیں اور خواتین کی نشستوں پر الیکشن نہ ہونے کے باعث پیر صاحب کی سرگرمیاں بھی ماند پڑ چکی ہیں تاہم جونہی کوئی حکومت خواتین کی مخصوص نشستوں پر الیکشن کرانے کے لئے تیار ہو گئی تو پیر صاحب لاہور میں ڈیرے ڈال لیں گے اور پھر جو "سیاسی وڈیریاں" ان کا تعلق خواہ کسی بھی جماعت سے ہو۔ ان کو اسمبلیوں میں پہنچانے کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں گے کس قدر حیرت کی بات ہے کہ وہ پیر صاحب جن کے ایک اشارے پر ایک معمولی سے سیاستدان کو بھی وزیراعظم کے منصب پر فائز کر دیا جاتا تھا۔ آج وہی پیر صاحب اپنے حلقہ انتخاب سے ایک سیٹ جیتنے کی سکت نہیں رکھتے۔ باوجود ان تمام سرگرمیوں کے پیر صاحب حکومتوں کے آنے جانے کی پیشن گوئیوں میں مشغول ہیں' اور عوام اور ان کے مرید حر بھی' جنہوں نے تحریک پاکستان میں عملی قربانیاں دی ہیں' پیر صاحب کی پیشن گوئیوں کو سچ سمجھتے ہیں۔



مشاہد حسین

نواز شریف کے دوسرے دور میں "شوقین وزراء" میں ایک نام مشاہد حسین کا بھی شامل ہیں۔ اپنی وزارت کے دوران انہوں نے اپنی رنگینیوں میں خوب اضافہ کیا اور خصوصاً ریما' مدیحہ شاہ' روپ' نرگس اور ناری پر شاہ صاحب بڑے مہربان تھے یہ اداکارائیں اکثر شاہ صاحب کی محفلیں رنگین بنایا کرتی تھیں۔ مشاہد جب بھی کراچی جاتے علیم عادل شیخ کی "خفیہ" پناہ گاہوں پر خاص محفلیں سجا کرتی تھیں۔ جہاں اسلام آباد سے خواتین مسلم لیگی رہنماؤں کا دل بہلانے کے لئے "درآمد" کی جاتی تھیں۔ شاہ صاحب دل بہلانے والیوں کے اخراجات میں کسی قسم کی کمی نہ آنے دیتے۔ فی حسینہ ایک لاکھ روپیہ ماہانہ دیا جاتا۔ موقع پر شاہی دربار سے نازنین جو کچھ حاصل کرتی' وہ اس کی اپنی قسمت ہوتی۔ شاہ صاحب کی خدمت کرنے والیوں میں ایک اہم نام غلام مصطفیٰ کھر کی صاحبزادی معروف ماڈل گرل آمنہ حق کا بھی تھا جو سہیلیوں کے جھرمٹ میں شاہ صاحب کو کبھی اداس نہ ہونے دیتی تھی۔



عمران خان

کرکٹ کی دنیا کا بے تاج بادشاہ جس طرح وکٹوں پر وکٹیں اڑا رہا تھا اسی طرح نئی نسل کی لڑکیاں اس پر نثار ہوتی جا رہی تھیں۔ کرکٹ سے سیاست تک' عمران خان نے شہرت کی جن بلندیوں کو چھوا اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ "پلے بوائے" کی شہرت کے حامل عمران خان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شادی کے بعد وہ پارسا ہو چکا ہے۔ اور کچھ ڈھلتی عمر نے بھی اپنا کام دکھایا ہے۔ مگر تحریک انصاف میں کافی عرصہ تک ایک کلیدی عہدے پر فائز شخصیت نے بتایا کہ ہم نے عمران خان کا نام "پانچ منٹی" رکھا ہوا تھا۔ اس نے یہ بھی دعوی کیا کہ تحریک انصاف میں بیشتر عہدیدار خواتین صرف اس کے لمس کی خاطر آئی ہوئی ہیں۔ جبکہ کچھ ایسی خواتین بھی ہیں جو عمران خان کی پرسنالٹی کو کیش کرواتے ہوئے نوجوان لڑکیوں کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کر رہی ہیں۔ بہرحال عمران خان کے بارے میں میڈیا میں اتنا کچھ شائع ہو چکا ہے کہ شاید ہی کسی پاکستانی کے سکینڈلز کے بارے میں اتنا

کچھ لکھا گیا ہو۔ اس لئے یہاں پر ہر واقعہ کی تفصیل میں جانے کی بجائے چیدہ چیدہ واقعات کا حوالہ دیا جا رہا ہے کیونکہ ہمارا مقصد جنسی لطف لینا نہیں بلکہ حقائق کو ایک جگہ یکجا کرنا ہے۔

80 کی دھائی میں جب عمران خان نے پاکستانی کرکٹ ٹیم کے ہمراہ انڈیا کا دورہ کیا۔ ایک طرف تو انڈین کرکٹ کے کھلاڑی اس کی تیز باؤلنگ سے خوفزدہ رہے تو دوسری جانب انڈین فلم انڈسٹری کی خوبصورت ہیروئنوں کے دل کی دھڑکن عمران خان بن گیا۔ اس سکینڈل میں زینت امان کا نام پاکستانی اور انڈین پریس نے نمایاں طور پر شائع کیا۔ اور یہاں تک اخبارات نے شائع کر دیا کہ عمران نے زینت امان سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ بعد میں یہ صرف سکینڈل کی صورت بن کر رہ گیا۔ اس کے بعد انڈیا کی ایک اور نامور ایکٹرس ریکھا کے بارے میں بھی اخبارات میں دونوں کا رومانس اور سکینڈل شائع ہوا۔ عمران کی سکینڈل لائف میں ایشیائی خواتین اتنی تعداد میں نہیں جتنی غیر ملکی لڑکیوں کے بارے میں اس کے سکینڈل بنے۔ شاید اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ اس کی عمر کا زیادہ تر حصہ یورپ اور مغربی ممالک میں گزرا ہے۔ مغربی ممالک کی حسین ترین لڑکیاں جو عمران خان کی محبت میں گرفتار ہوئیں اور بعد میں سکینڈل بن کر رہ گئیں۔ ان میں میری بل ون' ایما سارجنٹ' لیڈی لیزا کیمپ بل' سیلو گولڈ سمتھ ٹیٹیکن بیچم لیلو' بلیکر کو رولائن کیٹ اور نیویارک کی قانون کی طالبہ شیرون سلور نمایاں ہیں جس نے عمران کو کنگ خان کا نام دیا۔ شیرون سلور نے نیچرل ہسٹری میوزیم میں کینسر ہسپتال کی تعمیر میں امداد کرنے کے لئے فنڈ کا اہتمام بھی کیا تھا اس میں ڈوچس آف یارک کی آئی وینا ٹرمیب' پاملا سٹیفن سن اور جیری ہال کے نام بھی شامل ہیں۔

ہانگ کانگ سے ٹیلی کاسٹ ہونے والی نشریات ایم ٹی وی کی ایک اناؤنسر نے 1993ء میں اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ اس کے تعلقات عمران خان سے ہیں اور وہ جلد شادی کرنے والے ہیں۔ ٹی وی کی اس اناؤنسر باربرا نے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ ہر صورت میں عمران خان سے شادی کرنے کی خواہش مند ہے۔ اس نے اپنے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ عمران خان زبردست وطن پرست انسان ہیں اسے بات بات پر پاکستان نظر آتا

ہے۔ یہ ایک اچھی بات ہے لیکن اسے: ہم بھی نظر آنا چاہئیں۔

اسی ضمن میں آسٹریلیا کی متعدد خواتین کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جو عمران خان سے شادی کرنے کی خواہش مند تھیں بلکہ وہ تو اس کی خاطر پاکستان آنے کو بھی تیار تھیں لیکن عمران خان نے ان کے بارے میں بننے والے سکینڈلز سے انکار کیا۔ آسٹریلین خاتون ٹموتھی بیریمن نے برملا عمران خان کے بارے میں اپنی محبت کا اعتراف کیا۔

1994ء کے آخری مہینے میں اخبارات میں خبر شائع ہوئی کہ کرکٹر عمران خان ایک جرمن دوشیزہ کرسٹائن بیکر کے ساتھ شادی کرنے کے بارے میں غور کر رہے ہیں۔ ایک مقامی ہفت روزہ نے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے لکھا کہ عمران خان گزشتہ سال اپنے دوست رولنگ سٹون کی پچاسویں سالگرہ کی تقریب میں شرکت کے لئے جرمنی گئے تو وہاں پر ان کی ملاقات کرسٹائن بیکر سے ہوئی۔ کرسٹائن بیکر نے پاکستان کے کئی دورے کئے اور ان کے جواب میں عمران خان بھی اس سے ملاقات کرنے کے لئے جرمنی گئے۔ اسی سال جنوبی افریقہ کے دارالحکومت جوہنسبرگ میں منعقد مقابلہ حسن میں بھارتی نژاد حسینہ ایشوریا رائے نے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ میں عمران خان کی پجارن ہوں اور کینسر ہسپتال کے لئے چندہ اکٹھا کرنے کے لئے تیار ہوں۔

کرکٹ، کی دنیا کے کئی کھلاڑی اس بات کے گواہ ہیں کہ کئی بھارتی اداکارائیں شارجہ میں عمران خان کے ساتھ راتیں گزارا کرتی تھیں۔ جن میں حسینہ عالم ایشوریا رائے اور بھارت کی صف اول کی اداکاراؤں میں پوجا بھٹ' سری دیوی بھی شامل ہیں۔ کئی حسینائیں "جیون ساتھی" بننے کی خواہشات کے تابع عمران خان کی جنسی خواہشات کی تکمیل کرتی رہیں۔

عمران خان بھارتی حسینہ ایشوریا رائے میں اس قدر دلچسپی رکھتے ہیں کہ انہوں نے اسے "مقابلہ حسن" میں شرکت کرنے سے روکا۔ ایشوریا رائے عمران خان کی حقیقت جان چکی تھی۔ اس لئے وہ مقابلہ حسن میں گئی اور کامیاب ہو گئی۔ اس کے بعد اس کی رگ پھر پھڑکی اور اس نے عمران خان کو پیش کش کی کہ وہ اس کی تمام رقوم کے لالچ کے ٹارگٹ پورے کر سکتی ہے۔ لیکن وہ ایسا صرف عمران کے ساتھ شادی کی صورت میں کرے گی۔

عمران خان نے اس کی پیش کش کو قبول کیا۔ لیکن شادی کے معاملہ میں گومگو کی کیفیت اس لئے برقرار رکھی کہ اس طرح عمران خان کی "مارکیٹ ویلیو" متاثر ہوتی تھی۔

اسی طرح پاکستان فلم انڈسٹری کی معروف اداکارہ ریشم اور بابرہ شریف پر عمران خان کے ساتھ تنہائی کے دوران ملاقات میں جو بیتی اس کی گواہی پوری فلم انڈسٹری دے سکتی ہے۔ گلوکارہ ناہید اختر شادی کر کے گلوکاری کو خدا حافظ کہہ چکی ہے۔ اس کا نام بھی عمران خان کے نام لیواؤں میں ایک عرصے تک لیا جاتا رہا۔

ایک کردار بھارت کی نامور فلمی اداکارہ "ریکھا" ہیں۔ ریکھا کے ساتھ عمران کے دوستانہ مراسم کے قصے دونوں نامور ہستیوں کے کیریئر کا حصہ ہیں۔ سانولی رنگت اور تیکھے نقوش والی بھارت کی سدا بہار ہیروئن ریکھا نے اس ضمن میں کسی ہچکچاہٹ کے بغیر کھلے لفظوں میں یہ اعتراف کیا ہے کہ اس کے اور عمران خان کے درمیان دوستانہ تعلقات ہیں۔ ریکھا کی یہ اخلاقی جرات خواہ ہندو یا پاکستانی معاشرہ میں ناپسندیدگی کی مظہر ہو۔ لیکن ریکھا کی اس بیباکی کی ماضی میں کوئی مثال سامنے نہیں آتی۔ ریکھا نے دوستی کے اس حق کو ادا کرتے ہوئے لاہور کے ایک ایسے شو میں بھی شرکت کی جو کینسر ہسپتال کے لئے رقم اکٹھی کرنے کی غرض سے عمران خان نے منعقد کیا تھا۔ ریکھا نے اس شو میں اپنے فن کا مظاہرہ بھی کیا جس کی وجہ سے عمران خاں کو اپنے مشن کی کامیابی کے لئے خاصی خطیر رقم مل گئی اور اس عرصہ کے لئے ریکھا کی قربت بھی۔

عمران خان کے حوالے سے ارجنٹائن کی ایک خوبرو دوشیزہ "لوسی" نے بھی خصوصی شہرت حاصل کی اندرون و بیرون ملک یہ بات عام ہو گئی کہ عمران خان لوسی کو بیوی بنا رہے ہیں۔ لیکن وہ بیوی بننے کے حق سے محروم رہی۔ اور اس کا حسن اور مال و دولت بھی اسے خان کے دل کی رانی نہ بنا سکے۔ اسی طرح لندن کی ایک گوری "جین" کے بارے میں بھی کہا جاتا تھا کہ ان دونوں کے تعلق کوئی نہ کوئی شکل ضرور اختیار کر لیں گے۔ جین کا باپ ایک بین الاقوامی تاجر ہے اور صنعت کاروں کی صف اول میں شمار ہوتا ہے۔ تعلقات کے دوران عمران خان اور جین کی دنیا سے تعلق رکھنے والوں کے نزدیک دونوں کے تعلقات دیرپا ہوں گے۔ جین بھی کینسر سے نفرت کرتی ہے اور میڈیکل کی اعلیٰ تعلیم

حاصل کرنے کے بعد "کینسر" پر ریسرچ کر رہی ہے۔ جین کے بارے میں جب افواہیں سامنے آئیں تو عمران خان نے حسب دستور اس کی تردید کی مگر جین کے دورہ پاکستان نے "سچ" کا بول بالا کر دیا۔ وہ کئی روز تک عمران خان کی مہمان رہی۔ اور یوسف صلاح الدین نے ان کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت کا بھی اہتمام کیا۔ مگر یہ عشق بھی منزل تک نہ پہنچ سکا۔

عمران خان اور سوزانا کانسٹائن جب لندن کے ایک نائٹ کلب میں ساتھ ساتھ نظر آنے لگے تو برطانوی اخبارات نے اس کو سکینڈل پر یہاں تک کہہ دیا کہ وہ عنقریب اس دوشیزہ سے شادی کرنے والے ہیں۔ عمران خان کے بارے میں ایسی خواتین کے بھی سکینڈل بنے جن کو وہ جانتے تک بھی نہیں۔ ان میں سوزینہ نامی برطانوی دوشیزہ بھی شامل ہے جس نے برملا عمران خان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کر کے شادی کا ارادہ ظاہر کیا۔

انہی دنوں عمران خان کے بارے میں برطانوی اخبارات نے قیاس آرائیاں شروع کر دیں کہ عمران خان یقیناً اشالو ہائٹ، ایما سارجنٹ، لیزا ان تینوں میں سے کسی ایک سے ضروری شادی کر لیں گے اور اگر ان کی شادی کسی بھی برطانوی حسینہ سے ہو گئی پھر وہ عملی طور پر سیاست میں حصہ نہیں لے سکیں گے لیکن بعد میں یہ رومانس بھی سکینڈل کی صورت بن کر ختم ہو گیا۔ عمران خان کی جب شیرون سلور سے دوستی کا چرچا ہوا تو اس کے بارے میں برطانوی پریس نے لکھا کہ 1970ء میں جب عمران خان نے انگلینڈ کا دورہ کیا تو ان کی والدہ نے نصیحت کی تھی کہ وہ کسی غیر ملکی سے شادی ہرگز نہ کریں۔ شروع میں عمران خان پر اس نصیحت کا بہت اثر ہوا اور انہوں نے عالمی مصورہ ایما سارجنٹ کی محبت کو ٹھکرا دیا اور اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ وہ جب بھی شادی کریں گے مسلمان اور ملکی لڑکی سے کریں گے لیکن ان کی یہ بات آج 25 سال کے بعد غلط ثابت ہو گئی۔

برطانوی اخبار ڈیلی میل نے اداکارہ جیتا فاسیو کے بارے میں بھی لکھا کہ وہ عمران خان کی محبت میں گرفتار ہونے کے بعد اس سے شادی کرنے کی خواہش مند ہے۔ اسی طرح 90ء کی دھائی میں عمران خان کے بارے میں ایک خبر شائع ہوئی کہ عمران خان نے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ عنقریب جرمن خاتون جو پیشے کے لحاظ سے اناؤنسر ہیں سے شادی

کرنے والے ہیں۔ عمران خان کے اس فیصلے کی خبر جب ان کے گھر زمان پارک پہنچی تو وہاں پر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ان کی بہنوں کے خواب ادھورے رہ گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عمران خان کے والد نے اس کی شادی بیوہ کزن کے ساتھ کرانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

یہاں اگر سیتا وائیٹ کا ذکر نہ کیا جائے۔ تو پڑھنے والوں سے یقیناً زیادتی ہو گی۔ کیونکہ یہ وہ خاتون ہیں جس نے عمران خان کو سب سے زیادہ "ڈسٹرب" کیا۔ حتیٰ کہ سیاسی و عوامی حلقے سیاست میں ان کی ناکامی کا ذمہ دار بھی سیتا وائیٹ کو ہی ٹھہراتے ہیں جس نے عین انتخابات کے دوران عدالت میں عمران خان کو گھسیٹ لیا تھا کہ وہ اپنی ناجائز بیٹی ٹیریان کو اپنی بیٹی تسلیم کرے۔

برطانوی اخبار ڈیلی ایکسپریس نے برطانوی لارڈ وائٹ کی بیٹی سیتا کے حوالے سے ایک تہلکہ خیز رپورٹ شائع کی جس میں بتایا گیا کہ سیتا نے ایک لڑکی کو جنم دیا ہے۔ برطانوی صحافی راس بینن نے اس بچی کو عمران خان سے منسوب کر دیا۔ اس واقعہ نے عمران خان کی پیشہ ورانہ زندگی پر نہایت ہی بدترین اثر ڈالے۔

لاس اینجلس سے شائع ہونے والے اخبار "پاکستان لنک" میں شائع ہونے والے خصوصی انٹرویو میں سیتا وائٹ نے کہا کہ ٹیریان میرے اور عمران خان کے رنگین اور سنگین جسمانی تعلق کا خوبصورت "نتیجہ" ہے اور میں عمران خان کی اجازت سے اس کی بچی کی ماں بنی تھی۔ میدان سیاست میں کودنے سے پہلے عمران خان نے ٹیریان کے اپنی بیٹی ہونے کی کبھی تردید نہیں کی تھی، اس لئے میں پاکستانی عوام کو عمران خان کا اصل چہرہ دکھانے کے ساتھ ساتھ اس کی بیٹی ٹیریان کی مدد بھی کرنا چاہتی ہوں، جس نے کبھی اپنے والد کو نہیں دیکھا، لیکن ہمیشہ اس کے بارے میں باتیں کرتی رہتی ہے۔ سیتا وائٹ نے کہا کہ عمران خان نے کبھی بھی برطانوی اور امریکی لڑکیوں سے اپنے تعلقات کو نہیں چھپایا۔ کیا لوگوں کو علم نہیں ہے عمران خان شادی کے بغیر ایک بچی کا باپ بن چکا ہے؟ سیتا وائٹ نے انکشاف کیا کہ میں کبھی عمران خان سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن میں اس کا ایک بچہ پیدا کرنا چاہتی تھی جو کہ ہمارے مغربی معیار کے مطابق کوئی بری چیز نہیں ہے۔ اس نے عمران خان سے اپنے تعلقات کے آغاز کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ پہلی بار لندن میں اپنی سہیلی



عمران خان کے جن کے ساتھ سکینڈلز مشہور ہوئے

ٹیرنی وڈہال کے ساتھ اس کے فلیٹ پر گئی' پھر ہماری دوستی ہو گئی اور عمران خان نے مجھے پاکستان چلنے کی دعوت دی۔ اس نے انکشاف کیا کہ میں عمران خان کے زمان پارک والے گھر میں چار ماہ مقیم رہی۔ ہم وہاں سے مری گئے جہاں ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے اور شکار کھیلا۔ پاکستان کی اہم شخصیت یوسف صلاح الدین بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب ہم شمال

کے برف پوش پہاڑوں کی سیر کو نکلے تو میں عمران خان کی "ساتھی" تھی جبکہ یوسف صلاح الدین اپنی رفاقت کے لئے ایک طوائف "گڈی" کو ساتھ لے کر گیا تھا۔ (اس موقع پر سیتا نے اخبار نویسوں کو عمران خان کے ساتھ اپنی' یوسف صلاح الدین اور اس کی ساتھی طوائف "گڈی" کی تصاویر بھی دکھائیں۔)

جب سیتا وائٹ سے استفسار کیا گیا کہ کیا عمران خان کے خاندان کو تمہارے ساتھ اس کے تعلقات کا علم تھا؟ تو اس نے انکشاف کیا کہ میں چار ماہ اس کے گھر زمان پارک میں مقیم رہی' اس کے اہل خانہ اور دوستوں کو ہر چیز کا علم تھا۔ عمران خان کے خاندان کو علم تھا کہ میں اس کی گرل فرینڈ ہوں' یہ ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ سیتا وائٹ نے کہا کہ عمران خان کے دو چہرے ہیں۔ پاکستان پہنچتے ہی وہ بہت بڑا قدامت پسند بن جاتا ہے' جو لوگوں پر توجہ نہیں دیتا تھا۔ مجھے بار بار کہتا' لوگوں کی طرف مت دیکھو...... میرے پیچھے چلو...... کار میں بھی اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ یہاں تک کہ جہاز میں بھی مجھے عمران خان نے پچھلی نشست پر بٹھایا۔ لیکن لندن پہنچتے ہی دوسرا عمران نمودار ہو جاتا' جہاں میں اس کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر کھلے بندوں گھوم پھر سکتی تھی اور اس سے طویل گفتگو کرتی تھی۔ اس طرح پاکستان میں وہ مجھے لمبے بازوؤں والا لباس پہننے پر مجبور کرتا تھا۔ ایک بار میں نے وہاں "شارٹ سکرٹ" پہنچی تو اس نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا' یہ تم کیا کر رہی ہو۔ انہی دنوں عمران خان نے بتایا کہ میں نے کرکٹ سے ریٹائر ہو کر پاکستان میں زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے' اس لئے اب ہمیں اپنی راہیں جدا کر لینی چاہئیں۔ میں نے اس کی تائید کی اور اس کے ساتھ ویڈیو فلم بنوانے کے بعد پاکستان کو الوداع کہہ کر لندن پہنچ گئی۔ سیتا نے کہا کہ عمران نے اسے بتایا تھا کہ اسلام نے مردوں کو ایک سے زیادہ خواتین کے ساتھ جنسی تعلقات قائم رکھنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس کے علاوہ عمران خان نے مجھے پاکستان میں اپنی زندگی کے بارے میں مختصر بریفنگ بھی دی تھی اور کہا تھا کہ میں اب سیاست دان بنوں گا۔ پاکستان پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا' یہ ایک غریب ملک ہے جہاں عمران خان کا ایک بادشاہ کی طرح ہر جگہ استقبال کیا جاتا ہے۔ میں یہ دیکھ کر ششدر رہ گئی کہ عمران کے گرد ہر مقام پر ہجوم اکٹھا ہو

جاتا تھا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ وہ لندن میں کرکٹ کھیل کر پاکستان میں شہرت حاصل کر رہا ہے اور وہ ہمیشہ پاکستانیوں کی نظروں میں رہنا چاہتا ہے۔ سیتا وائٹ نے کہا کہ عمران پاکستانی لڑکیوں کے بجائے غیر ملکی خواتین میں زیادہ مقبول رہا ہے اور مجھے علم تھا کہ وہ اپنی دلہن کی تلاش میں تھا' کیونکہ وہ اپنی کئی دوستوں کو پاکستان لے کر گیا کہ وہ پاکستان میں اس کے اہل خانہ کے ساتھ گزارا کر سکتی ہیں یا نہیں۔ اکتوبر 1991ء میں جب عمران لاس اینجلس آیا' اس وقت میری ایک سہیلی بھی آئی ہوئی تھی۔ میں نے عمران خان سے کہا میں اس کے بچے کی ماں بننا چاہتی ہوں' اس نے کہا "بصد شوق مجھے کوئی اعتراض نہیں" عمران نے کہا میں لڑکا چاہتا ہوں جو کرکٹ کھیل سکے' میں نے جواب دیا بہت اچھا دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے۔ اس کے بعد عمران واپس چلا گیا اور چند ماہ بعد اس کا فون آیا تو اسے بتایا" میں امید سے ہوں" تو عمران نے بے تاب ہو کر بار بار دریافت کیا مجھے بتاؤ کیا ہے...... کیا ہے...... کیا ہے۔ چار ماہ بعد ضروری ٹیسٹ کرانے کے بعد میں نے فون پر بتایا کہ لڑکی ہو گی' جس پر عمران بڑا مایوس ہوا اور مجھے کہا کہ تمہیں حمل ضائع کروا کے اس سے جان چھڑا لینی چاہئے۔ اس پر میں نے عمران سے کہا کہ لڑکا نہیں ہوا تو کیا ہے' ہماری بچی ٹینس کھیل سکے گی' وہ اداکارہ بن جائے گی' وہ ہر کام کرے گی' ٹیریان دو سال کی ہوئی تو میں نے اس کی تصویر عمران خان کو بھجوائی' ان دنوں وہ اس بات پر شدید پریشان تھا کہ میں ٹیریان کی تربیت محبت اور نظم و ضبط سے کروں۔ اس وقت تک ہمارے تعلقات میں سرد مہری پیدا ہو چکی تھی اور غالباً 1994ء میں اس نے جمائما سے محبت کا کھیل شروع کر دیا تھا اور پھر اس کی ٹیلی فون کالوں میں طویل وقفے بڑھتے گئے اور جب کبھی میں نے اس کے دفتر فون پر عمران سے بات کرنا چاہی تو میری اس سے بات نہیں کرائی جاتی تھی اور پھر اس نے جمائما سے شادی کر لی۔ ٹیریان کے پیدائشی سرٹیفکیٹ میں والد کے خانے میں عمران کا نام نہ ہونے کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے سیتا نے کہا کہ اس وقت میں نے نام نہیں لکھا تھا لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ میں اب بھی ایسا ہی کروں گی۔ کیونکہ میں چاہتی ہوں کہ "غیرت مند مسلمان" نامی کتاب کا مصنف اور تحریک انصاف کا سربراہ اپنی بیٹی کے ساتھ بھی انصاف کرے اور اسے باپ کا پیار دے۔

مذکورہ بالا واقعات محبوب لیڈر عمران خان کے ذاتی کردار کے عکاس ہیں۔ ہم اپنی پاکبازی کا دعوی نہیں کرتے۔ مگر کیا لیڈروں کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا واقعات سے ظاہر ہوتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ کرکٹ سے ریٹائرمنٹ اور سیاست میں دلچسپی کے دوران خوبرو لڑکیاں اور دوسرے لوگ اپنے سبزباغ عمران خان کے ہاتھوں دیکھنے کے بعد اپنا رستہ بدل گئے۔ ایک روز معروف امریکی صحافی کرسٹینا لیمب عمران کے ساتھ تھی۔

وہ اسے اپنے سیاسی راہنما کے پاس لے گیا اور ان سے ملتجی ہوا کہ وہ اس کی اس دوست لڑکی کو دیکھیں اور اپنی مردم شناسی کی اہلیت کو کام میں لا کر رہنمائی کریں کہ آیا اس صحافی خاتون سے شادی کرنی چاہئے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب جنرل حمید گل اور عمران خان کے درمیان ایک راز ہے۔ جو بات راز نہیں ہے وہ یہ ہے کہ اس دن کے بعد عمران طویل عرصہ کے لئے برطانیہ چلا گیا' پھر ایک روز اخبارات میں خبر شائع ہوئی کہ اس کی منگنی سر جیمز گولڈ اسمتھ کی بیٹی جمائما گولڈ اسمتھ کے ساتھ ہو گئی ہے۔ جو بالاخر شادی پر منتج ہوئی۔



چودھری نثار علی

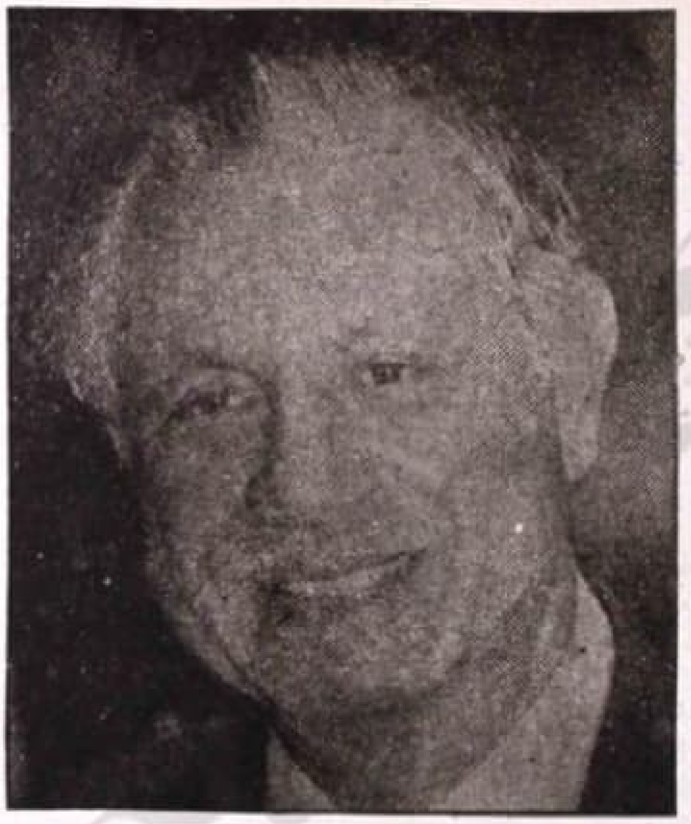
معروف مسلم لیگی رہنما اور "فرزند پاکستان" شیخ رشید اور اعظم ہوتی کی خفیہ بیویوں نے جب اپنے حقوق کے لئے اسلام آباد میں مظاہرہ کیا تو ان "بیگمات" کے ساتھ ایک صائمہ نامی بھولی بھالی لڑکی بھی تھی۔ شہناز اور زیبا نے تو خفیہ شادیوں کا دعوی کیا لیکن صائمہ نے نواز شریف کابینہ کے ایک اہم ترین وزیر چودھری نثار علی کی نام نہاد شرافت کے ڈھول کا پول بیچ چوراہے میں کھول کر رکھ دیا۔ یہ داستان انتہائی شرمناک ہے۔ اور کسی مہذب ملک میں اس قسم کے واقعہ کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی لیکن یہ سب کچھ جس کی یورپی ممالک میں بھی توقع نہیں کی جا سکتی اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہو گیا۔ چودھری نثار علی نواز شریف کابینہ کے وہ رکن تھے جو سب کچھ کرتے ہوئے بھی عوام کی نظروں میں آنے سے بچے ہوئے تھے۔ وہ نسبتاً شریف' سنجیدہ وزیر کی شہرت رکھتے تھے۔ صائمہ نے ان کی سنجیدگی کا ماسک اتار کر اس کے نیچے چھپے ہوئے بھیڑیئے کو بے نقاب کر دیا۔ صائمہ نے الزام لگایا کہ چودھری نثار علی نے نوکری دلوانے کے بہانے مجھے اپنے پاس بلوایا اور زبردستی میری عزت لوٹ لی۔ میں معاش کی خاطر قومی رہنما کے در پر گئی تھی لیکن اپنی

آبرو کا گوہر گنوا بیٹھی۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اتنے حساس عہدے پر فائز رہنے والے چودھری نثار علی اگر بے گناہ تھے اور ان کا دامن کسی قسم کی آلودگی سے پاک تھا تو وہ صائمہ کو عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کرتے۔ تاکہ ان کی عزت پر پڑنے والا دھبہ مٹ جاتا لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ ایسا ہوتا بھی کیسے کیونکہ چودھری نثار بھی اپنے قبیلے کے دیگر بھیڑیوں سے کم نہیں تھے۔ جبکہ دوسری طرف اس سنگین ترین واقعہ کا اس وقت کے وزیر اعظم نواز شریف نے بھی نوٹس نہ لیا۔ حسیناؤں کو دیکھ کر ان کے منہ میں بھی پانی بھر آتا تھا۔ ابھی چند برس پہلے 1992ء کی بات ہے جب معروف پاپ گلوکار نازیہ حسن نے کہا تھا کہ چودھری نثار بری طرح میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ تب یہ بات بھی چند حلقوں میں بڑی شدت سے گردش کرتی رہی کہ چودھری نثار اور نازیہ کے تعلقات بہت حد تک بڑھ چکے ہیں اور وہ عنقریب شادی کے بندھن میں بندھنے والے ہیں۔ چودھری نثار نے نازیہ کو پیار کی نشانی کے طور پر ہیرے کی انگوٹھی بھی تحفہ میں دی۔ بات اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ نازیہ نے اپنی ثقافتی سرگرمیاں ترک کر دیں۔ نازیہ کے ساتھ راہ و رسم بڑھانے کے بعد چودھری نثار کے تعلقات اپنی خاندانی بیوی کے ساتھ کشیدہ ہو گئے اور وہ انہیں چھوڑ کر اپنے میکے چلی گئیں۔ لیکن نازیہ اور چودھری نثار کے پیار کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی اور نازیہ کسی اور کی ہو گئی۔ تاہم اسلام آباد کی سڑکوں پر احتجاج کرنے والی صائمہ آج بھی اپنے وجود پر ہونے والے ظلم پر نوحہ کناں ہے اور انصاف کی منتظر ہے۔



الٰہی بخش سومرو

اکتوبر 1997ء میں قومی اسمبلی کے سپیکر الٰہی بخش سومرو کی ایک تصویر شائع ہوئی جس میں موصوف ایک مصورہ افشاں شعیب سے گلے مل رہے تھے۔ ایک نوجوان مصورہ سے دن دیہاڑے گلے ملنا' پاکستانی معاشرے کے لئے خاصی انوکھی بات تھی۔ ہو سکتا ہے الٰہی بخش سومرو کے لئے یہ معمولی واقعہ یا معمول کا عمل ہو لیکن پاکستان کے سیاسی رہنماؤں خاص طور پر اپوزیشن' نے اس تصویر کے خوب لتے لئے' خاص طور پر علماء کرام نے اس پر جی جان سے لب کشائی کی۔ جے یو آئی کے مرکزی رہنما اور سینٹر حافظ حسین احمد نے یہاں تک کہہ دیا کہ "یہ تصویر سورج کی روشنی میں سومرو کی ایک جھلک ہے۔ قوم خود ہی سوچ لے کر نیم تاریک کمروں میں کیا ہوتا ہو گا؟"



گوہر ایوب

ایوب خان کے قابل فرزند نواز شریف کے دوسرے دور حکومت میں دامن کوہ اسلام آباد میں ایک اہم ادارے کے سینئر افسر کی بیگم سے بوس وکنار میں مصروف تھے کہ اچانک دو نامعلوم ڈاکوؤں نے مداخلت کر کے نہ صرف رنگ میں بھنگ ڈال دی بلکہ ان کی محبوبہ کے گلے کا ہار' قیمتی انگوٹھی اور بھاری رقم لے کر نو دو گیارہ ہو گئے جس کے بعد اس عورت نے وزیر موصوف گوہر ایوب سے اصرار کیا کہ زیور خرید کر دے دو نہیں تو گھر والے باز پرس کریں گے اور معاملہ خراب ہو جائے گا۔ وزیر موصوف نے زیورات خرید کر دینے سے انکار کر دیا جس پر وزیر موصوف کے ایک بچپن کے دوست جو گوہر اور ان کی محبوبہ کو اچھی طرح جانتے ہیں نے اپنے پاس سے زیورات خرید کر اپنے دوست کی محبوبہ کو دیئے۔ گوہر ایوب نے اس واقعہ کو خلاف حقیقت قرار دیا مگر دامن کوہ میں چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر موجود اہلکاروں نے اس کی تصدیق کی جس پر گوہر ایوب کو وزارت خارجہ کے قلمدان سے ہاتھ دھونا پڑے۔

"گوہر ایوب خان ہماری سابق قومی اسمبلی کے سپیکر اور ایک سابق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر مملکت کے بیٹے ہیں۔ ان کا ماضی بھی لوگوں کو اب تک نہیں بھولا تھا مگر حال ہی میں انہوں نے جو نئے گل کھلائے ہیں ان کی وجہ سے ناطقہ سربگریباں ہے کہ اسے کیا کہئے۔

27 اکتوبر 1998ء بروز اتوار ملک کے مختلف روزناموں میں قومی اسمبلی کے سپیکر صاحب کی ایک تصویر چھپی، جس میں وہ ایک غیر ملکی خاتون کے ساتھ ڈانس کر رہے ہیں۔ اس پر لوگوں نے بہت ہی ہلکے رد عمل کا اظہار کیا حالانکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کے سربراہ کا یہ "کارنامہ" انتہائی قابل مذمت تھا۔ دوسرے روز کے اخبارات میں جناب سپیکر نے جو کچھ ارشاد فرمایا "عذر گناہ بدتر از گناہ" کے مترادف ہے۔ انہوں نے کہا "انڈونیشیا کے سفارتخانے میں ڈانس معمول کی بات تھی یہ ایک اسلامی ملک کا روایتی رقص تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کوئی برائی ہے، اس مسئلہ پر میرا ضمیر مطمئن ہے۔"

ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ اس میں اونچے طبقات کی اکثریت مسلمانوں جیسے نام رکھنے کے باوجود اسلام کے ہر شعار کا مذاق اڑانے اور کافرانہ طرز عمل پر اصرار کرنے سے باز نہیں آتی۔ نہ ان میں اتنی جرات ہے کہ کھلے عام اسلام کا انکار کر دیں اور نہ اتنی شرم و حیا ہے کہ اسلام کا مذاق اڑانے کی ریت ترک کر دیں۔ قرآن مجید نے ایسے طبقات کو مترفین کہا ہے اور ہر معاشرے کے فساد اور اس کی تباہی کا ذمہ دار انہی کو گردانا ہے (سورہ بنی اسرائیل آیت 16)

گوہر ایوب نے پتہ نہیں کس ضمیر کا ذکر کیا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ بندہ جب اللہ کی نافرمانی کا راستہ اختیار کر لیتا ہے تو اس کے دل پر تل کے دانے برابر سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ اگر بندے کو توبہ کی توفیق مل جائے تو وہ دھبہ دھل جاتا ہے وگرنہ ہر گناہ کے ساتھ دھبے بڑھتے چلے جاتے ہیں تاآنکہ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے، ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اور برائی پر ٹوکنے کی بجائے چپ سادھ لیتا ہے۔ اس مضمون کو قرآن مجید میں جگہ جگہ بیان کیا گیا ہے۔

گوہر ایوب خاں اپنے دور میں عالمی پارلیمانی یونین کے انتخاب میں شکست سے دوچار

ہوئے۔ جس کی وجہ سے وطن عزیز کی شہرت اور نیک نامی کو دھچکا لگا۔ اس شکست میں قائد حزب اختلاف بینظیر بھٹو کی منفی پروپیگنڈہ مہم کے علاوہ گوہر ایوب کی اپنی شخصیت کا بھی خاصا عمل دخل رہا۔ گوہر ایوب نے ضمیر کے اطمینان کا بڑی دھوم سے اعلان کیا مگر میری درخواست ہے کہ انہیں ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ ضمیر بے چارہ مر چکا ہو۔

مخلوط محفلیں، رقص و سرود اور موسیقی سب غیر اسلامی تہذیبوں اور خصوصاً مغربی ثقافت کے تحفے ہیں۔ مغرب زدہ طبقہ ڈانس کی باقاعدہ تربیت حاصل کرتا ہے اور اس کے رموز و اسرار سے واقفیت پر ان کی مجلسوں میں تفاخر کا اظہار ہوتا ہے۔ مغرب کی نقالی میں یہ بے چارے پتہ نہیں کیا کیا کر گزرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مغرب کے آداب محفل و معاشرت کی خلاف ورزی انسان کو غیر متمدن اور بد تہذیب بنا دیتی ہے۔ فیا للعجب

صدر ایوب دنیا سے جا چکے ہیں۔ اللہ انہیں معاف فرمائے۔ ان کے "نامور سپوت" نے اپنے اعمال سے ایک بار پھر ان کی یادیں تازہ کر دی ہیں۔ (آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ) برطانیہ کا بدترین جنسی سکینڈل جس میں ایک فاحشہ عورت کرسٹائن کیلر اور کابینہ کے وزیر دفاع پروفومیو کے تعلقات منظر عام پر آئے تھے۔ 60ء کے عشرے میں برطانیہ میں خاصا معروف ہوا تھا۔ کیلر کے بیک وقت روسی سفیر اور برطانوی وزیر دفاع سے تعلقات کے انکشاف نے برطانیہ کی رائے عامہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وزیراعظم میکملن نے رائے عامہ کے زبردست احتجاج کے سامنے وزارت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ میکملن کا یہ عمل ان کی جمہوری سوچ اور سیاسی عظمت کی دلیل ہے۔ وہ خود اس سکینڈل میں ملوث نہیں تھے مگر اپنی کابینہ کے ایک وزیر کی بداخلاقی کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے 10 ڈاؤننگ سٹریٹ سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے اقتدار سے محرومی گوارا کر لی مگر اپنی نیک نامی اور شہرت کی قربانی گوارا نہ کی۔

آج گوہر ایوب کے لچھن دیکھ کر مجھے اس سکینڈل کی افسوسناک تفصیل بے ساختہ یاد آ رہی ہے جن کو وقت گزرنے کے ساتھ میں فراموش کر چکا تھا۔ کرسٹائن کیلر مغربی معاشرے کی ماڈل گرل تھی۔ ایک وزارت کا بیڑہ غرق کرنے کے باوجود جناب گوہر ایوب کی



گوہرایوب انڈونیشیا کے سفارتخانے میں ایک غیر ملکی عورت کے ساتھ ڈانس کرتے ہوئے

طرح اس کا "ضمیر مطمئن" ہی رہا۔ اس کے بہت سے انٹرویو چھپے اور لوگوں نے اس پر کتابیں لکھ ڈالیں۔

کرسٹائن کیلر نے ایک انٹرویو میں دنیا کے بہت سے حکمرانوں اور سیاست دانوں کا تذکرہ کیا جو اس کی دہلیز پر حاضر ہوئے یا جنہیں محظوظ کرنے کے لئے اسے ان کے ہاں جانا پڑا۔ مسلمان زعماء میں سے دو ممالک کے سربراہان کا نام سرفہرست تھا۔ کرسٹائن کیلر نے

اگرچہ ان دونوں حضرات کی مردانہ وجاہت اور قوت کو دل کھول کر خراج تحسین پیش کیا تھا مگر اس انکشاف پر دونوں صدور ازحد پریشان اور پشیمان ہوئے۔ وہ دونوں دنیا سے جا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کرے، مگر شاباش ہے گوہر ایوب صاحب کو کہ اپنے کئے پر نہ پریشان ہیں نہ پشیمان۔ متاع کارواں کا لٹ جانا بھی قابل افسوس ہوتا ہے مگر احساس زیاں کا کھو جانا تو اس سے بھی بڑا المیہ ہے۔

مجھے پچھلے دنوں ناروے اور برطانیہ جانے کا اتفاق ہوا۔ میرا یہ دورہ بڑا مختصر اور انتہائی مصروف تھا۔ ارادہ تھا کہ سفر کے تاثرات لکھوں گا مگر پاکستان واپس آکر بھی فرصت بالکل عنقا رہی۔ ان سطور میں ایک بات کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں۔ کوپن ہیگن سے اوسلو جاتے ہوئے سکنڈے نیویا کے جہاز میں ایئر لائنز کا ماہ ستمبر کا شمارہ "سیکنوراما" نظر سے گزرا۔ سکنڈے نیوین ممالک اپنی عریانی اور فحش نگاری میں سارے یورپ کو بہت پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ مذکورہ بالا مجلے کے ٹائٹل پر ہالی وڈ کے معروف ترین ایکٹر اینڈی گارشیا کی تصویر اور اندر کے صفحات میں اس کا تفصیلی تعارف ہے۔ اس ایکٹر نے واشگاف الفاظ میں کہا ہے "میں کسی ایسی فلم میں کام کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا جس میں جنسی بے راہ روی اور ننگی تصاویر کا مطالبہ کیا جائے۔"

مضمون نگار گنار رہلین (Gunnar Rehlin) نے ایکٹر کے خیالات کی جو جھلکیاں پیش کی ہیں وہ انتہائی قابل قدر ہیں۔ ہالی وڈ کے ایکٹر کی زبان سے نکلے ہوئے یہ الفاظ گوہر ایوب اینڈ کمپنی کے لئے تازیانہ عبرت ہیں۔ "میرے لئے ماریوی (Marivi) میری بیوی ہی سب کچھ ہے۔ میں نے کسی دوسری عورت کو کبھی للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھا۔"

گوہر ایوب صاحب نے اپنی سفلی حرکت سے مجلس قانون ساز ہی نہیں بلکہ پوری قوم کا سر شرم سے نیچا کر دیا ہے۔ ان کا سخت ترین محاسبہ ہونا چاہئے مگر محاسبہ کرے گا کون؟ بدقسمتی سے حزب اقتدار اور حزب اختلاف میں ایک ہی قدر مشترک ہے اور وہ ہے مغربی تہذیب کی نقالی اور محبت! بینظیر صاحبہ آئے دن ایسی گوہر افشانی کرتی رہتی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ حقیقت میں وہ بھی بنت مغرب ہیں۔ ایسے عناصر نے تو گوہر ایوب کے اس "کارنامے" پر سکھ کا سانس لیا ہو گا۔

وزیراعظم نواز شریف بلاشبہ مشرقی روایات کی پاسبانی اور رکھ رکھاؤ کا ذاتی حیثیت میں کسی حد تک اہتمام کرتے ہیں مگر ان کے گردو نواح میں ان کے ساتھی، گوہر ایوب ہی کی قماش کے لوگ ہیں۔ امریکہ میں بھیجی جانے والی سیاست داں سفیر بیگم عابدہ حسین بھی ہر روز کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلاتی ہیں۔ یہاں پاکستان میں ان کی "پرفارمنس" دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ واشنگٹن میں وہ کیا کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیتی رہی ہوں گی۔

مغرب میں اب فحاشی و عریانی اور بے حیائی کے سیلاب بلاخیز کا زور ختم ہونے والا ہے۔ وہاں ایسے فورمز میں بھی اب اس طوفان بدتمیزی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنیوالے پیدا ہو رہے ہیں۔ جن فورمز کا مقصد ہی فحاشی و بے حیائی تھا اور جن کی پہچان بھی یہی ہالی وڈ کی ایک مثال اوپر آپ پڑھ چکے ہیں۔

مسلمان ممالک کے عوام کی قسمت اس وقت تک نہیں بدل سکتی' جب تک یہاں مغربی ثقافت کے دلدادہ اور فرنگیوں کے ذہنی غلاموں کا تسلط ختم نہیں کیا جاتا۔ بدقسمتی سے سلطانی جمہور کے دور میں بھی جمہور کے اپنے غلط فیصلوں کی وجہ سے نقش کہن ہی کی غازہ گری ہو رہی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ تہذیب بے خدا کے گندے انڈے اٹھا کر پھینک دیئے جائیں۔ اگر اس وقت بھی ایسا نہ ہوا تو مجھے خدشہ ہے "ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔"

"پچھلے دنوں انڈونیشیا کے سفارتخانے میں قومی اسمبلی کے سپیکر گوہر ایوب صاحب نے ایسا ڈانس کیا کہ ساری کمی پوری کردی۔ خواتین کے مطابق تو ان کی تصویریں ویسے ہی بہت اچھی اترتی ہیں۔ سینٹ ایکسواری نے کہا ہے کہ اس طرح محبت کرو جیسے تو محبت کرتا ہے اور اس طرح مرو جیسے عاشق مرتا ہے۔ کیپٹن گوہر ایوب نے بھی عمر بھر ایسے ہی کیا۔ یہاں تک کہ لوگ انہیں My Go Her Ayub لکھتے۔ صدر ایوب کے لئے ان کے بیٹے ہی پوری دنیا تھے کیونکہ ان کا سنبھالنا ایسا ہی تھا جیسے پوری دنیا کو سنبھالنا۔ رقص کو اعضا کی شاعری بھی کہتے ہیں۔ اس لئے تصویر میں گوہر ایوب صاحب قدم یوں اٹھا رہے ہیں جیسے مصرعے اٹھا رہے ہوں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں اپنے ملک کے لئے کرتے ہیں اور ہمارے ہاں مومنوں کی روایت ہے کہ بچ کے بار کو سنانے سے عزت نہیں گھٹتی۔ یہی طریقہ فلموں

میں بھی رائج ہے۔ ہو سکتا ہے وہ رقص کر کے دوسرے ملکوں کو اور قریب لانا چاہتے ہوں۔ اگرچہ تصویر میں دونوں ملکوں میں چند قدم کا فاصلہ ہی رہ گیا ہے۔"

ناحق رسوا کیا تصویروں نے ہمیں
وگرنہ آدمی تھے ہم بھی بڑے کام کے



بیگم عابدہ حسین

عابدہ حسین جھنگ کا معروف کردار ہے نواز شریف کے پہلے دور حکومت کے دوران امریکی سفیر کے عہدے پر اس نے بل کلنٹن کے عہدہ صدارت سنبھالنے پر ایک محفل میں رقص کیا جس کی جھلکیاں امریکی ٹیلی ویژن پر بھی دکھائی گئیں۔ جبکہ عابدہ حسین کی چھوٹی بیٹی جو امریکہ میں زیر تعلیم ہے۔ سابق چیئرمین پی آئی اے شاہد خاقان عباسی کا اس کے ساتھ افیئر چل رہا ہے۔ اور ایک سال کے اندر سرکاری طور پر وہ 52 دفعہ امریکہ اسے ملنے کے لئے گئے اس سلسلے میں جب ایک اخبار میں اس بات کا انکشاف کیا گیا۔ تو شاہد خاقان عباسی نے اس اخبار کی پی آئی اے میں فروخت اور اس کے عملے کو حاصل سرکاری سہولت ختم کر دی۔



سیف الرحمٰن اور شرمیلا فاروقی

نواز شریف کے دوسرے دور حکومت میں سیف الرحمٰن کو پرانی یاری کی بنا پر بہت سے عہدوں اور اختیارات سے نوازا گیا۔ یار لوگوں کا تو کہنا ہے کہ میاں نواز شریف کی حکومت کی بدنامی اور بلا آخر برطرفی میں سیف الرحمٰن کو ملنے والے بے پناہ اختیارات اور ان کے ناجائز استعمال نے بھی بہت کام دکھایا۔ سیف الرحمٰن کے چہرے سے نقاب اس وقت اترا جب انہوں نے عثمان فاروقی کی بدعنوانی کے پردے میں ان کی نوخیز بیٹی شرمیلا فاروقی پر ہاتھ ڈال دیا۔ اور شرمیلا ان کے لئے لوہے کی گولی ثابت ہوئی جو سیف الرحمٰن کے حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ حالانکہ موصوف اس سے قبل طاہرہ سید کے ساتھ بڑا اچھا بزنس چلا چکے تھے۔ طاہرہ سید ایک چھوٹی سی فرم چلا رہی تھیں جس کو تعمیرات کے ٹھیکے وغیرہ مل جایا کرتے تھے لیکن جب ریڈکو کنسٹرکشن کا کاروباری پھیلاؤ بڑھا تو اس نے اپنے ذیلی کام طاہرہ سید کی فرم کو دینا شروع کر دیئے اور طاہرہ کو ریڈکو میں اہم حیثیت حاصل ہو



مظلوم یا ملزم



شرمیلا فاروقی احتساب بیورو کی حراست میں

گئی۔ لیکن شرمیلا کے سلسلے میں سیف الرحمٰن کوئی مناسب ڈیل نہ کر سکے۔ باپ کے جرائم کے بدلے میں انہوں نے اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے شرمیلا کو اسلام آباد بلانا شروع کر دیا۔ لیکن جب شرمیلا نے اسلام آباد جانے سے انکار کر دیا تو سیف الرحمٰن نے دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ میں تمہارے خاندان کو عبرت کا نشان بنا دوں گا۔ پھر یہی ہوا' شرمیلا اور اس کی والدہ کو گرفتار کر لیا گیا اور شرمیلا کو علیحدہ کر کے تفتیش کی گئی اس تفتیش کے بارے میں شرمیلا نے جو بیان دیا اس نے پوری قوم کا سر شرم سے جھکا دیا۔ شرمیلا نے الزام لگایا کہ مزاحمت کے دوران مجھے وحشیانہ سلوک کا نشانہ بنایا گیا۔ شرمیلا نے کہا کہ سات مردوں کے درمیان میں ایک اکیلی لڑکی تھی۔ آپ خود ہی سوچئے کیا کر سکتی تھی۔ شرمیلا نے الزام تو لگایا' اخبارات نے اس پر خوب واویلا بھی کیا لیکن سیف الرحمٰن نے اس پر کسی مناسب ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ حتیٰ کہ اس وقت کے وزیر اعظم نواز شریف نے بھی کوئی نوٹس نہ لیا۔ جس سے شرمیلا کے حوصلے بڑھتے گئے۔ شرمیلا کہتی ہیں کہ "مجھ پر یہ افتاد آن پڑی تو خیال آیا کہ یہ میری جنگ ہے جو مجھے خود ہی لڑنا ہو گی۔ اس سے پہلے میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا تھا۔ میں دوسری عورتوں کے ایسے واقعات سنتی رہی تھی۔ اور سوچتی تھی کہ یہ سب انصاف کیوں نہیں مانگتیں' چیختی چلاتی کیوں نہیں' بھئی اگر ہم اپنی مدد خود نہیں کریں گے۔ تو اور کون کرے گا؟ میں اگر یہ سوچوں کہ میرے والد باہر نکلیں گے اور وہ میرے لئے لڑیں گے۔ تو کیوں بھئی ـــــ میں خود کیوں نہیں ـــــ میری اپنی لڑائی ہے۔ زیادتی میرے ساتھ ہوئی ہے' میں خود کیوں نہ ان تمام حالات کا سامنا کروں۔" شرمیلا کا کہنا تھا کہ جس ملک میں بیٹیوں کی عزت حکومتی ایوانوں میں لٹ جائے' اس ملک میں وزیر اعظم کو اپنے عہدے پر رہنے کا کوئی حق نہیں لیکن نہ تو وزیر اعظم نے اس واقعے پر کسی ردعمل کا اظہار کیا نہ سیف الرحمٰن اپنے دامن پر لگنے والے اس دھبہ کو مٹا سکے۔ بعد ازاں ایئرپورٹ پولیس نے معطل سینیٹر سیف الرحمٰن کے خلاف حدود آرڈیننس کے تحت مقدمہ بھی درج کیا یہ مقدمہ نمبر 203/99 پولیس نے شرمیلا فاروقی کی رپورٹ پر درج کیا۔ شرمیلا نے اپنی درخواست میں کہا کہ سیف الرحمٰن نے اپنے دور اقتدار میں انہیں اسلام آباد بلا کر ذہنی اور جسمانی تشدد کیا اور غیر اخلاقی حرکات کی تھیں۔



جاوید ہاشمی

"وزیر ویاگرا" کے نام سے شہرت پانے والے نواز شریف کابینہ کے وفاقی وزیر صحت جاوید ہاشمی کا دامن بھی ان آلائشوں سے پاک نہیں رہا۔ بلکہ ہاشمی صاحب بھی ان وزراء میں شامل ہیں جو داد رسی کے لئے آنے والی بے بس خواتین تک کو بھی معاف نہیں کرتے تھے۔ سیمپل چیک کرنے کے بہانے اکثر ویاگرا منگواتے رہتے تھے۔ اور اپنے خاص دوستوں کو اصلی ویاگرا تحفے کے طور پر تقسیم کرتے رہے' جو اس دوا کی منظوری کے لئے دوا ساز ادارے سے بطور سیمپل منگواتے تھے ملازمت کے لئے آنے والی ایک خاتون پر حملہ کرنے کا قصہ تو بعض اخبارات کی بھی زینت بنا۔ لیکن سابق "شریف وزیر اعظم" نے اپنے وزیر کے اس کارنامے پر ان کے خلاف کسی قسم کا کوئی ایکشن نہ لیا۔ اور لیتے بھی کیسے..........!

سلمان تاثیر

دیگر سیاستدانوں کی طرح پیپلز پارٹی کے مرکزی رہنما بینظیر بھٹو کے انتہائی قریبی ساتھی اور پنجاب اسمبلی میں سابق ڈپٹی اپوزیشن لیڈر جناب سلمان تاثیر نے بھی اپنی خفیہ شادی کو چھپانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن ان کی منکوحہ تولین سنگھ راز کا بوجھ نہ سہار سکیں کیونکہ بات صرف ان کی نہیں تھی بلکہ آٹھ سالہ آتش بھی ان کے ساتھ تھا۔ جو سلمان اور تولین کے یادگار دنوں کی نشانی تھا۔ تولین سنگھ کا شمار بھارت کی مایہ ناز خاتون صحافیوں میں ہوتا ہے۔ تولین گئے دنوں کو یاد کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ "والدین کا مجھ سے ایک ہی تقاضا تھا شادی! میرا تعلق ایک قدامت پسند سکھ گھرانے سے تھا لیکن شادی کے معاملے میں میرا نقطہ نظر خاصا مردانہ قسم کا تھا۔ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جو جم خانہ کلب بیٹھ کر "ممی" کا انتظار کرتی ہیں کہ وہ آکر ان کے لئے درست آدمی کا انتخاب کریں۔ رفتہ رفتہ دنیا کی ہر لڑکی کی طرح مجھے بھی شادی کی خواہش ہونے لگی ...... اپنے گھر کی خواہش! انہی دنوں میری ملاقات سلمان تاثیر سے ہو گئی۔ میں اسے دہلی میں ملی۔ اس نے ایک کتاب لکھی تھی، اور اس کی اشاعت کے لئے دہلی آیا تھا۔ میں اس کا انٹرویو کرنے گئی۔ اور اس کی محبت کی اسیر ہو گئی۔ وہ بہت خوبصورت تھا۔ کبھی کبھی چیزیں یوں بھی وجود میں آجاتی ہیں۔ میرے لئے یہ حیران کن احساس تھا۔ یہ تعمیل بھی تھی اور تکمیل بھی۔ شادی پہلی بار میرے لئے کوئی اہم چیز بن کر سامنے آئی۔ میں چاہتی تھی میری شادی ہو

جائے ۔۔۔ لیکن وہ شادی شدہ تھا۔ اس کے بچے تھے۔ اس لئے ہمیں بہت خاموشی کے ساتھ بڑے خفیہ طریقے سے شادی کرنا پڑی۔ میں اس کی محبت میں ڈوب چکی تھی۔"

سلمان نہ صرف ایک بڑی پارٹی کے مرکزی رہنما تھے بلکہ ان کا اپنا خاندان مرتبہ و وقار کے لحاظ سے عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ ایم ڈی تاثیر کے صاحبزادے ہونے کے ناطے سے سلمان کی عزت دھندلا جاتی ہے لیکن ایک سکھ ناری سے خفیہ شادی اور اسے آخر وقت تک خفیہ رکھنے کی کوشش۔ یہ سب سلمان کے اندرون میں چھپی منافقت کا ثبوت تو ہو سکتی ہے کوئی مجبوری نہیں۔

کیونکہ تولین سنگھ کا کہنا ہے کہ ان کی شادی کوئی تین برس تک چلی "ہم دونوں میں ہر چیز مشترک تھی۔ فلموں سے لے کر لکھنے پڑھنے کے موضوعات تک' پھر میں اس کی بیٹی کی ماں بن گئی۔ آتش کو پا کر میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ تب میں 29 سال کی تھی۔ میرے والدین ہماری شادی سے خوش نہ تھے۔ لیکن آتش کی پیدائش کے بعد وہ لندن آئے۔ اور ہمارے ساتھ قیام کیا۔ تب انہیں احساس ہو گیا کہ ہم تو بنے ایک دوسرے کے لئے ہیں۔ قطع نظر اس کے وہ پاکستانی اور مسلمان ہے۔ تولین ماضی کی راکھ کریدتے ہوئے بتاتی ہیں۔ "پھر شادی کا یہ بندھن ٹوٹ گیا۔ میں سمجھتی ہوں جہاں تعلق بہت گہرا ہو جائے' وہاں علیحدگی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ میرے خیال میں دنیا کا سب سے پائیدار رشتہ' دوستی کا رشتہ ہے میری شادی کا انجام تو بہت برا ہوا۔ علیحدگی بہت گندے اور بھدے طریقے سے عمل میں آئی۔ جس میں رتی بھر نفاست نہیں تھی۔ ایک پاکستانی متنازعہ آدمی کے لئے کسی بھارتی لڑکی سے محبت یا شادی کرنا خودکشی کے مترادف ہے۔ یہ اگرچہ ایک المیہ تھا مگر مجھے اس پر کوئی معذرت نہیں۔ وہ میرا بہترین دوست تھا اور اس کی دوستی سے محرومی مجھے سب سے زیادہ محسوس ہوتی ہے۔"

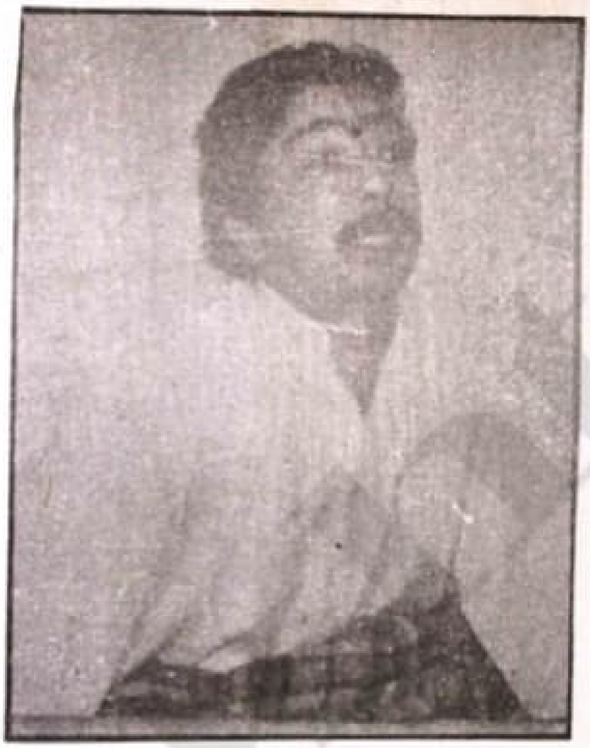
سلمان تاثیر تو باقاعدہ شادی کے بندھن میں بندھے لیکن ان کی اولاد تو اس طرح کا بھی جھنجھٹ پالنے کی روادار نہیں ہے۔ سلمان کے صاحبزادے ایک معروف اداکارہ (ش) کے ساتھ رنگ رلیوں میں مصروف تھے۔ سکیورٹی کے کچھ لوگوں نے چھوٹے تاثیر صاحب کو تو ذرا "سائیڈ" پر کر دیا اور اداکارہ کو اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنا دیا۔ لیکن سلمان تاثیر کی

جانب سے اخبارات میں کہا گیا کہ نوجوان اپنی منگیتر کے ساتھ پھر رہے تھے۔ سکیورٹی والوں نے گھٹیا سلوک کا مظاہرہ کیا۔ لیکن ابھی تک نہ تو چھوٹے تاثیر صاحب نے شادی کی اور نہ منگیتر کا اس کے بعد کبھی کوئی تذکرہ ہوا۔ لیکن یہ ہوتا بھی کیسے کیونکہ وہ منگیتر نہیں' بازار حسن کی (ث) تھی۔ جسے تاثیر خاندان وقتی عیاشی کے لئے بطور ٹشو پیپر تو استعمال کر سکتا ہے' گھر کی رانی نہیں بنا سکتا۔



مولانا کوثر نیازی

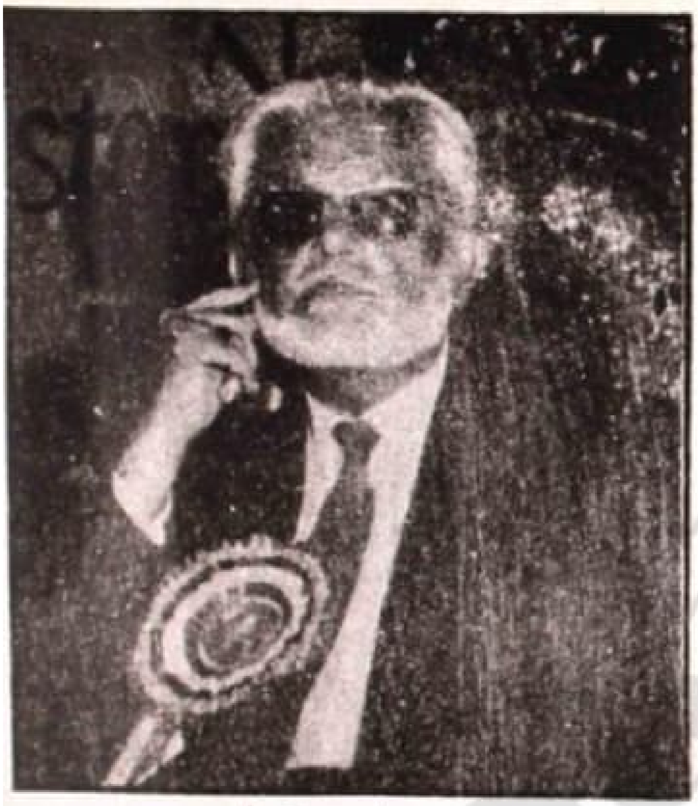
بین الاقوامی اسمگلر اونٹی والا نے کراچی میں مزار قائد اعظم کے قریب عیاشی کا ایک اڈہ بنا رکھا تھا جہاں حفیظ پیرزادہ، جام صادق، ولی جاموٹ، عبدالستار گبول، مولانا کوثر نیازی اور محمد خان جونیجو مستقل آتے تھے۔ یہاں غیر ملکی شراب اور حسین دوشیزائیں پیش کی جاتی تھیں۔ ایک بار بد قسمتی سے اس اڈہ پر ایک نوجوان سب انسپکٹر قاضی محمد ارشد نے چھاپہ مارا مگر جلد ہی اسے اس کی قیمت ادا کرنا پڑی۔ قاضی محمد ارشد اور اس کے عملہ کو ملازمت سے برطرف کر کے ہوم سیکرٹری کی ہدایت پر جیل بھیج دیا گیا۔ مولانا کوثر نیازی کے بارے میں ڈیلی نیوز نے باقاعدہ تصویری کہانیاں شائع کیں۔ ان کی جولانیاں اس حد تک بڑھیں کہ قصر ناز کے کمسن بیروں نے ان کے خلاف ہڑتال کر دی۔



ریما اور جام معشوق

جام صادق علی کا شمار سندھ کے معروف سیاستدانوں میں ہوتا ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی صوبائی اسمبلی میں اکثریت ہونے کے باوجود مسلم لیگ کو وزارت اعلیٰ دلوائے رکھنا انہی کا کام تھا۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ "خوبرو لڑکیوں" اور اچھی گاڑیوں کے رسیا ہیں۔ جبکہ دوا کے بہانے تھوڑی سی پی لینے کے قصے بھی پورے ملک میں ان کی شہرت کا باعث بنے۔ لیکن ان کے صاحبزادے جام معشوق کسی دوا کی خاطر یہ زہر حلق میں نہیں انڈیلتے اب تو ان کے لئے دعا ہی کی جا سکتی ہے۔

جام صادق علی سو رگ باش ہو چکے۔ مگر ان کے بیٹے جام معشوق علی بھی اپنے والد سے کسی طور کم نہیں ہیں۔ کئی گمنام لڑکیوں کو زیر زبر کرنے والے جام معشوق علی کا نام اداکارہ ریما کے سیاسی عاشقوں میں بھی لیا جاتا ہے۔ یہ وہی ریما ہیں جن کے بارے میں قصہ مشہور ہے کہ خلیج میں وہ ایک نجی دعوت میں رقص کر رہی تھی۔ تو ایک عرب شیخ نے جوش میں آ کر ریما کو آفر کی کہ اگر وہ اوپری حصے کو لباس سے بے نیاز کر کے رقص کرے تو وہ اسے 2 لاکھ روپے سلامی میں دے گا۔ جواب میں ریما نے بجلیاں گراتے ہوئے کہا کہ



جام صادق علی



ریما

اگر وہ 2 لاکھ کو 10 لاکھ میں تبدیل کر دے تو وہ مکمل طور پر "فطری لباس" میں بھی رقص کرنے کو تیار ہے۔

جام معشوق علی اور اداکارہ ریما جب یکجا ہوئے تو ریما کی خواہش کا احترام کیا گیا۔ قصہ یوں ہے کہ ریما کراچی میں شوٹنگ کے لے گئی۔ تو جام معشوق علی کی نظر اس پر پڑ گئی۔ سو ریما جب آسانی سے نہ مانی تو اسے باقاعدہ اغواء کروالیا۔ اور رات بھر اس کا "برہنہ ڈانس" دیکھا گیا۔ اس دوران ریما کو انتہائی تکلیف دہ صورت حال کا سامنا کرنا پڑا اور اسے چند روز ہسپتال بھی گزارنا پڑے۔ لیکن یہ ضرور ہوا کہ جام معشوق نے اس "محنت و مشقت" کے عوض ریما کے بینک بیلنس میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔ بعد ازاں نجی محفلوں میں وہ یہ کہتی بھی سنی گئی۔ فلموں سے تو کچھ حاصل نہیں ہوتا جبکہ ایک رات کے "رقص" میں 10 فلموں کا خرچہ نکل آتا ہے۔ اس طرح جام معشوق علی ریما کے بند کمرے میں "مجرے" دیکھتے رہے۔



اعجاز الحق

مسلم لیگ کے سینئر نائب صدر اعجاز الحق کے بارے میں انکشاف ہوا ہے کہ ان کے اداکارہ ارم حسن سے تعلقات رہے ہیں۔ جسے اعجاز الحق کو ایک معروف اخبار نویس نے تحفے میں پیش کیا تھا۔ یہ انکشاف اخبار میں شائع ہونے کے باوجود جناب اعجاز الحق نے نہ تو اس کی تصدیق کرنا مناسب سمجھی اور نہ ہی تردید یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان کے والد کے ایک قریبی شخص کا کہنا ہے کہ جنرل ضیاء الحق نے ملک بھر میں فحش فلموں کے خلاف انتظامیہ کو خصوصی مہم چلانے کا حکم دیا تھا اور بعض دفعہ موصوف مذکورہ پکڑی جانے والی فلمیں منگوا کر بڑے انہماک سے دیکھتے اور اس پر اپنی مادری زبان میں تبصرے کرتے۔

نواز شریف کی آٹوبائیوگرافی "ماڈل ٹاؤن کا بیٹا" میں ایم شریف لکھتے ہیں:

"جنرل ضیاء الحق کبھی کبھی ایوان صدر سے پراسرار طور پر غائب ہو جاتے۔ ایک دفعہ جنرل صاحب کے سیکورٹی افسر نے میاں نواز شریف کو بتایا کہ وہ ایوان صدر سے غائب ہو کر بیگم عطیہ عنایت اللہ کی "پناہ" میں چلے جاتے ہیں۔"

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اسلام کے نام پر پاکستان پر گیارہ برس تک حکمرانی کرنے والے موصوف کے دور حکومت میں پہلی دفعہ پاکستانی اداکارہ انیتا ایوب نے عالمی مقابلہ



اداکارہ و گلوکارہ ارم حسن



لاہور میں ایک ادارے کے سالانہ عشائیہ کی تقریب میں اداکارہ و گلوکارہ ارم حسن گا رہی ہیں' اعجاز الحق بڑے انہماک سے ارم کو دیکھ رہے ہیں



اعجاز الحق فلمی اداکاروں کو ایوارڈ دیتے ہوئے

حسن میں شرکت کی۔ اور کراچی کے ایک ہوٹل میں فیشن شو کے نام سے مقابلہ حسن منعقد کیا گیا اور پاپ میوزک کو بھی انہی کے دور میں فروغ حاصل ہوا یہاں تک کہ پاکستان ٹیلی ویژن پر لڑکے اور لڑکیوں کے مشترکہ ڈانس دکھائے جانے لگے۔ تاہم بعد ازاں مذہبی جماعتوں کے پرزور احتجاج پر پی ٹی وی میں دوپٹہ پالیسی کا انعقاد اور لچر پروگراموں پر عارضی طور پر پابندی عائد کی گئی۔



فیصل صالح حیات

بینظیر بھٹو جب طویل جلاوطنی کی زندگی بسر کر کے واپس وطن پہنچیں تو جن لوگوں نے ان کے قدم سے قدم ملائے، ان میں فیصل صالح حیات بھی شامل تھے۔ ان کا شمار بینظیر کے انتہائی قریبی ساتھیوں میں ہوتا ہے۔ اسی قربت کے باعث یار لوگوں نے بینظیر اور فیصل صالح حیات میں شادی کی افواہیں اڑانا شروع کر دیں تھیں۔ حالانکہ فیصل کا اصل معاشقہ تو معروف ٹی وی آرٹسٹ خالدہ ریاست کے ساتھ چلا۔ خالدہ ریاست نے ایک عرصہ تک فیصل کے دل پر حکومت کی۔ لیکن ایک اداکارہ کی ایک جاگیردار سے محبت کتنے روز تک چل سکتی تھی۔ اس کا ہر ایک کو بخوبی اندازہ ہے خالدہ ایک پڑھی لکھی خاتون تھی، فیصل نے روایتی بے وفائی سے کام لیا تو بے چاری کینسر جیسے موذی مرض کا شکار ہو گئی۔ خالدہ نے اپنے آخری ایام نہایت کربناک عالم میں بسر کئے۔ یار لوگوں کا کہنا ہے کہ خالدہ پر جتنی تکالیف آئیں، ان سب کا ذمہ دار فیصل صالح حیات ہے لیکن اس کے باوجود خالدہ نے کبھی فیصل صالح حیات کو ان تکالیف کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا تھا۔



فخر زمان

پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے بینظیر بھٹو کے دوسرے دور میں ناہید خان، جہانگیر بدر اور حسین حقانی کے خلاف پمفلٹ چھاپا۔ جس میں ان کے کرتوتوں کا پردہ چاک کیا گیا تھا۔ پمفلٹ میں کہا گیا تھا کہ ناہید خان کی بہن کا معاشقہ حسین حقانی کے ساتھ عرصہ دراز سے چل رہا تھا جبکہ وہ نواز شریف کا اس وقت دست راست تھا۔ اور مسلم لیگ حکومت کی تمام کمزوریاں ناہید خان تک پہنچ رہی تھیں۔ جبکہ ناہید خان پر الزام لگایا کہ وہ پیپلز پارٹی کی "گولڈ امیئر" ہے اور شراب کی رسیا ہے اور ہر روز ایک آدمی کا "ڈنر" کرتی۔ اور بینظیر بھٹو سے ملاقات کے متلاشی افراد سے سونے کی چوڑیوں کا مطالبہ کرتی تھی۔ اس کے علاوہ جو سب سے خوفناک انکشاف سامنے آیا۔ اس کے مطابق وہ گورنر ہاؤس لاہور میں خوبرو اور صحت مند لڑکوں سے مل کر بہت "خوش" رہتی تھی۔ پمفلٹ شائع ہوا تو فخر زمان جو اپنی گاڑی پر تندرست "جیالے" ڈھونڈ کر لانے کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ انہیں اپنے تین ساتھیوں پر شک گزرا کہ یہ بات انہی میں سے کوئی باہر کر سکتا ہے۔ جس پر انہوں نے مصطفیٰ قریشی کے گھر انہیں ماں بہن کی گالیاں دیں۔ اس نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ تمہیں ناہید خان کی مصروفیات کا زیادہ علم تھا اب وہ انتقام پر اتر آئی ہے اور تمہارا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے گی۔

پیپلز پارٹی میں بینظیر کے بعد جس خاتون کا حکم چلتا تھا اس کا نام ناہید خان تھا۔ میر مرتضیٰ بھٹو نے ایک مرتبہ واضح الفاظ میں کہا تھا کہ پیپلز پارٹی کو ناہید خان اور مشتاق اعوان سے بچانا چاہتا ہوں۔ میر صاحب کے بیان کی گونج ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ اعلیٰ قیادت نے مشتاق اعوان کو پنجاب کا صدر نامزد کر دیا اور یہ سب کچھ ناہید خان کے کہنے پر کیا گیا۔ ناہید خان کے سامنے جب کارکنوں کے ناک دم ہو گئے تو باغی ارکان نے پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت اور عوام کے سامنے ناہید کے کارناموں اور کالے کرتوتوں کا پنڈورا باکس کھول کر رکھ دیا جس وقت پیپلز پارٹی پنجاب نے جہانگیر بدر کے خلاف احتجاج کیا تو فخر زمان کو صدر بنا دیا گیا۔ موصوف جہاں بھی جاتے پارٹی عہدیداروں سے "کاکی" اور شراب کا مطالبہ داغ دیتے۔ کچھ لوگ اہتمام کر بھی دیتے جو انکار کرتے وہ پھر اپنی بد قسمتی کو روتے رہتے۔ فخر زمان کا اصرار ہے کہ اسے شاعر اور ادیب بھی تسلیم کیا جائے۔ انہیں اس وقت شہرت ملی جب ان کا نام اپنی ہی بیوی کے قتل کے الزام میں سامنے آیا۔ بہر حال فخر زمان نے اپنی حیثیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس الزام سے بریت حاصل کر لی شعر و ادب کے حوالے سے انہوں نے ریڈیو پروڈیوسر شائستہ جبیں کو دل کی ملکہ بنا لیا اور اسے دلہن بنا کر گھر لے آئے۔



جہانگیر بدر

’’محکمہ انکم ٹیکس کے اہل کار ٹیکس وصول کرنے کے لئے ملکہ ترنم نور جہاں کی کوٹھی میں داخل ہوئے تو وہاں ان کی ملاقات جہانگیر بدر سے ہو گئی۔ انہوں نے اہلکاروں کو میڈم پر ’’ہتھ ہولا‘‘ رکھنے کا کہا لیکن اہلکاروں نے جہانگیر بدر کو لفٹ نہ کرائی جس پر انہوں نے اہلکاروں پر رعب ڈالنے کے لئے ناہید خان کو فون کیا کہ ناہید خان میں جہانگیر بدر بول رہا ہوں۔ ابھی بات شروع ہی ہوئی تھی کہ ایک سرکاری اہلکار نے فون چھین لیا اور کہا کہ ملکہ ترنم کو اسلام آباد لے جاؤ وہاں جا کر شکایت کرنا اور ساتھ یہ بھی بتا دینا کہ حنا کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے اور یہ بھی کہ ایک صوبائی وزیر حنا کو روزانہ ایک لاکھ روپے کی ادائیگی کیوں کرتا ہے۔ میڈم نور جہاں نے مداخلت کی اور کہا حنا کے عاشقوں کے نام مت لو میں ٹیکس ادا کر دوں گی۔‘‘

جہانگیر بدر کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ حنا تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ وہ ملکہ ترنم کی بڑی بیٹی ظل ہما جسے طلاق ہو چکی ہے سے بھی شادی کے امیدوار رہے ہیں۔ جبکہ پیپلز پارٹی کا ایک کارکن اختر‘ جہانگیر بدر کو لڑکیاں سپلائی کرتا تھا۔ جہانگیر بدر صاحب اولاد ہونے کے باوجود اختر سے یہ تقاضا کرتے کہ تیرہ چودہ سال کی لڑکی لانا اس زیادہ کی نہیں۔ بدر صاحب کے رازداروں کا کہنا ہے کہ مسلا ہوا پھول پسند نہیں کرتے اس لئے اختر کو ان کے لئے کنواری کنیا اور کلیاں ہی ڈھونڈ کر لانا پڑتی تھیں۔



یوسف رضا گیلانی

کنیرڈ کالج میں تقریب تقسیم انعامات تھی۔ سابق سپیکر قومی اسمبلی یوسف رضا گیلانی تقریب کے مہمان خصوصی تھے۔ بیگم رمضان نامی طالبہ نے کالج کے مقابلوں میں پہلی پوزیشن حاصل کی اور جناب یوسف رضا گیلانی سے انعام وصول کیا۔ گیلانی صاحب نے اس تقریب میں آفر کر دی کہ آپ جیسی ہونہار لڑکیوں کی قومی اسمبلی سیکرٹریٹ میں ضرورت ہے۔ آپ کو وہاں نوکری دی جا سکتی ہے۔ بیگم رمضان کو اور کیا چاہیے تھا' صرف گریجوایشن کے بل پر ایک اچھی ملازمت کا اشارہ مل رہا تھا لہٰذا اس نے فوراً" رضامندی ظاہر کر دی۔ گیلانی صاحب نے سترھویں (17) سکیل کی ملازمت کا پروانہ جاری کر دیا۔ بیگم رمضان نے کچھ دن ملازمت کی پھر مزید تعلیم کا کہہ کر گیلانی صاحب کے ذریعے ایک سال کی چھٹیاں منظور کرا لیں اور لاہور آ کر یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ گیلانی صاحب کی یہ نوازشات صرف بیگم رمضان تک محدود نہیں تھیں بلکہ ملک کی معروف شاعرہ شبنم شکیل کی صاحبزادی ملاحت احمد بھی ان سے مستفید ہو چکی تھیں موصوفہ کو گریڈ 16 میں قومی اسمبلی میں بطور ریسرچ آفیسر تعینات کیا گیا۔ تھوڑے عرصہ بعد انہوں نے گیلانی صاحب

Holiday Inn
Islamabad

No. 202261

Arrival Date 17 . 4 .

Departure Date 13 . . .

Mr./Mrs./Miss TASKEEN FARHAT.

Surname / Middle Name / First Name

Company Name C/O Mr. Yousuf Raza Gilani

Home Address Minister, Housing & Works (Tourism).

Passport No.

Date/Place of Issue

Nationality PAK.

Profession

Visa/IMM Reg. No

Coming From

Next Destination

Safe Deposit boxes are available with the Front Office Cashier.
The Management regrets it cannot accept any liability for valuables left in your Room.

MODE OF PAYMENT

1. Cash
2. Credit Card
3. Company Account
4. Travel Agent
5. Airline Account

CHARGE

Purpose of Visit

Tourism

Rawalpindi

Islamabad

Yusuf Raza

Guest's Signature

CHECKOUT TIME :- 12 NOON

ROOM NO	PERSONS	RATE	MARKET SEGMENT	RESERVATION BY CLERK
1104	02	1800 +70%	Local / Crew / Foreign / Group / Conf / Misc.	W/S AC Fee

(Mr. Safei)

Holiday Inn International

CHARGE

GUEST SIGNATURE

CHARGE TO MINISTRY OF HOUSING & WORKS

NAME C/O Mr. Yousaf Raza Gilani

ADDRESS

VOUCHER NO

AUTHORISED BY

Holiday Inn LONG DISTANCE TELEPHONE CALL 274458

18 . 4 . 9

Mr. Farhat 1104

Holiday Inn LONG DISTANCE TELEPHONE CALL 274456

18 — 4 — 9

MS Taskeen 1104

یوسف رضا گیلانی کی ہالی ڈے ان اسلام آباد میں ٹھہرنے والی مہمانوں کے بل جو محکمہ
ہاؤسنگ سے ادا کیے گئے

سے گزارش کی کہ میرا منگیتر گریڈ 17 کا افسر ہے لہٰذا مجھے بھی اس کے ہم پلہ بنا دیا جائے۔ یوسف رضا گیلانی صاحب ضرورت مند تھے' ان کے اشارے پر ملاحمت احمد کو 17 واں سکیل دے دیا گیا۔ اس کے لئے کسی قانون ضابطے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی۔ گیلانی صاحب کی مہمانداری ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ ایک مرتبہ "ہالی ڈے ان" میں مس تسکین فرحت نامی حسینہ کو ٹھہرایا گیا۔ ہوٹل کے کارڈ پر یوسف رضا گیلانی کے دستخط تھے۔ اور کمرہ میں دو افراد کے رہنے کے لئے بکنگ کرائی گئی تھی۔ لیکن مس فرحت ہوٹل سے اچانک ایسے غائب ہوئیں کہ ہاؤس کیپر نے انتظامیہ کو اطلاع دی کہ کمرہ خالی پڑا ہے' کمرہ کا بل 2187 روپے بنا جو محکمہ ہاؤسنگ کو ارسال کیا گیا۔ کیونکہ یوسف رضا گیلانی اس وقت اس محکمہ کے وزیر تھے۔ خاتون مہمان کے اس طرح اچانک آنے اور غائب ہونے پر سب کو حیرانی ہوئی لیکن یہ معاملہ عوام کی نظروں میں نہ آ سکا کیونکہ یوسف رضا گیلانی وزارت کے منصب پر فائز تھے۔ دوسرا ہوٹل والے اپنے مستقل گاہکوں کو پریشان نہیں کرتے۔ کاروبار جو ہوا ——— !



حامد ناصر چٹھہ

مسلم لیگ جونیجو گروپ کے سربراہ حامد ناصر چٹھہ جن کی شہرت بھی محمد خان جونیجو کی طرح نہایت شریف النفس انسان کی ہے اور یہ بھی اسی طرح کے شرفاء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ یحییٰ خان کی محبوبہ اقلیم اختر عرف (جنرل رانی) کی بیٹی عروسہ عالم کے ساتھ چودھری صاحب کی جذباتی ملاقاتیں اب کوئی راز نہیں رہیں۔ پیپلزپارٹی کے دور حکومت میں جب حامد ناصر چٹھہ کی نہایت قلیل نشستوں والی پارٹی پنجاب میں برسراقتدار تھی تو چودھری صاحب کی سفارش پر ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ نے جنرل رانی کے بیٹے محمد بلال شاہین کو دس کنال کی اراضی قواعد و ضوابط سے ہٹ کر الاٹ کر دی۔ محکمہ ہائی ویز کی یہ زمین ننانوے سال کے پٹہ پر دی گئی۔ 15 لاکھ روپے کنال کی یہ زمین چودھری صاحب کے اثر و رسوخ کے باعث صرف 5250 روپے فی کنال کے حساب سے عروسہ عالم کے صدقہ میں بلال شاہین کے سپرد کر دی گئی۔

پیر بنیامین کے کارنامے

پنجاب کے عاشق مزاج سابق وزیر پیر بنیامین رضوی کے تشدد اور شکی ہونے کی بنا پر ان کی بیوی غزالہ نے چھٹکارا حاصل کر کے انہی کے چپڑاسی سے شادی رچالی اور پیر بنیامین منہ دیکھتے رہ گئے تفصیل اس اجمال کی کچھ یوں ہے کہ پیر بنیامین رضوی جو پھالیہ ضلع منڈی بہاؤ الدین کے رہائشی ہیں۔ ان کے والد پیر محمد یعقوب بہت نیک اور بزرگ تھے اور اہل علاقہ ان کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے پیر بنیامین رضوی کی شادی ان کی ماموں زاد زہرہ بی بی سے کر دی۔ جن سے ایک لڑکا فاروق یعقوب پیدا ہوا۔ فاروق کی پیدائش کے بعد پیر بنیامین رضوی لاہور منتقل ہو گئے اور سکندر بلاک علامہ اقبال ٹاؤن میں رہائش اختیار کر لی اور وہیں پر کتابوں کی چھوٹی سی دکان کھولی۔ پیر صاحب کی وہیں پر سکندر بلاک کی رہائشی لاہور کالج برائے خواتین کی ایک طالبہ غزالہ سے ملاقات ہوئی اور غزالہ کے بقول پیر نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اس کا دل موہ لیا۔ یوں یہ رومانس شروع ہو گیا۔ غزالہ کے عشق میں مبتلا ہو کر پیر نے اپنی خاندانی بیوی اور شریف عورت زہرہ بی بی کو طلاق دے دی اور غزالہ کے گھر پیغام بھیجا۔ غزالہ کے گھر والوں نے شروع میں تو پیغام مسترد کر دیا لیکن آخر کار غزالہ کے اصرار اور بغاوت کی دھمکی نے گھر والوں کو پیغام منظور کرنے پر مجبور کر دیا۔ غزالہ سے شادی کے بعد پیر بنیامین رضوی کے گھر میں دو بیٹیاں شہر بانو اور اقصیٰ پیدا ہوئیں۔ غزالہ کے بقول دونوں بچیوں کی پیدائش کے بعد پیر نے اس پر

ناجائز سختی شروع کر دی۔ بات بات پر تشدد کرنا' غلیظ گالیاں دینا اور کردار پر انگلی اٹھانا ان کا معمول بن گئے۔ غزالہ کا کہنا ہے کہ وزیر بننے کے بعد پیر نے راتوں کو گھر سے باہر رہنا شروع کر دیا۔ پیر کے حلقہ میں لوگ اس کو "استانی شاہ" کے نام سے پکارنے لگے۔ غزالہ کا کہنا ہے کہ سہیل ضیا بٹ اور اشرف باوا پیر کے ذاتی دوست ہیں جن کے ساتھ پیر کی محفلیں جمنے لگیں۔ پیر نے اپنی بیوی کو قید تنہائی میں ڈال دیا وہ اسے کسی تقریب میں ہمراہ نہ لے کر جاتے۔ حتیٰ کہ ٹیلی فون آپریٹر کو ہدایت کی گئی کہ وہ ٹیلی فون پر بھی غزالہ کو نہ بلوایا کریں۔ وزیر بننے کے بعد پیر نے محکمہ سوشل ویلفیئر کے ملازمین کو اپنا ذاتی ملازم بنالیا۔ وہ جس کو چاہتے گھر میں ڈیوٹی کے لئے بلوا لیتے۔ میڈیکل سوشل ویلفیئر آفیسر مینٹل ہسپتال کے دفتر میں تعینات چپڑاسی جمیل احمد کو بھی پیر نے اپنے گھر ڈیوٹی پر بلوایا تھا مگر جمیل احمد نے پیر کے گھر آ کر خدمات انجام دینی شروع کیں تو اس نے دیکھا کہ پیر کا رویہ اپنی بیوی سے بہت خراب ہے چنانچہ جمیل احمد کو مجھ سے ہمدردی ہو گئی اور وہ میری دلجوئی کرنے لگا۔ پیر کے مظالم سے تنگ اور تنہائی کی ماری ہوئی غزالہ کو اور کوئی ہمدرد ملا تو وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی اور بچوں کی ماں ہونے کے باوجود جمیل کے عشق میں گرفتار ہو گئی۔ رفتہ رفتہ یہ عشق پروان چڑھ گیا اور غزالہ کے دل میں پیر سے نفرت بڑھتی گئی۔ ایک روز پیر نے کسی معمولی بات پر غزالہ پر بہت تشدد کیا اور گھر سے نکال دیا۔ غزالہ پیر کے گھر سے اپنے بھائی کے گھر چلی گئی اور پیر سے طلاق کا مطالبہ کیا۔ پیر نے عزت کے خوف سے طلاق دینے سے انکار کر دیا اور ٹال مٹول سے کام لیا لیکن غزالہ اصرار کرتی رہی اس مسئلے کو حل ہونے میں ایک سال گزر گیا آخر کار پیر نے اشٹام پر لکھ کر طلاق دے دی اور بذریعہ عدالت طلاق دینے سے انکار کر دیا کہ اس طرح بات پھیل جائے گی اور ایک وزیر ہونے کی حیثیت سے اس کی بدنامی ہو گی۔ پیر نے غزالہ کو دھمکی دی کہ اگر اس نے کسی جگہ پیر کے بارے میں کچھ بتایا تو وہ ان کو قتل کروا دے گا۔ غزالہ نے طلاق حاصل کرنے کے بعد سبزہ زار جمیل ٹاؤن میں نکاح خواں جان محمد کے پاس جا کر جمیل احمد سے نکاح کر لیا۔ غزالہ کو گھر سے نکالتے وقت پیر نے بچیاں چھین لی تھیں۔ اس وقت غزالہ چھ ماہ کی حاملہ تھی۔ بعد ازاں اس نے پیر کے بیٹے حسین یعقوب کو جنم دیا جو آج کل جمیل اور غزالہ کے پاس

ہے۔ غزالہ ہفتہ میں ایک مرتبہ بڑی مشکل سے منت سماجت کر کے اپنی بچیوں سے ملاقات کرتی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ وہ اپنی بچیوں کو حاصل کرنا چاہتی ہے آج کل جمیل لاہور کی ایک آبادی جمیل ٹاؤن میں رہائش پذیر ہے جو سبزہ زار میں واقع ہے مکان کرائے کا ہے جس کا کرایہ سولہ سو روپے ماہوار ہے۔

پیر بنیامین کی سابقہ بیوی غزالہ نے بتایا کہ اس کو اپنے کئے پر کوئی شرمندگی نہیں، کیونکہ اسے پیر کے ساتھ گزارے ہوئے دن ایک بھیانک خواب لگتے ہیں۔ غزالہ نے بتایا کہ پیر صاحب شروع میں پولی ٹیکنیک کالج میں کلرک تھے اور پارٹ ٹائم کتابوں کی چھوٹی سی دوکان بنائی تھی، میں نے خاندان کی مخالفت کے باوجود پیر صاحب کو اپنایا، مگر اس نے امیر ہوتے ہی آنکھیں بدل لیں اور مجھ پر شک کرنا شروع کر دیا۔ بات بات پر بہانہ بنا کر مارنا پیٹنا اس نے معمول بنا لیا۔ وہ بچوں کی بھی پروا نہیں کرتا تھا۔ غزالہ نے بتایا کہ اس نے ساری زندگی پیر کو نماز ادا کرتے یا قرآن پڑھتے نہیں دیکھا اور وہ بہت بڑا بہروپیا ہے۔ وزیر تو سوشل ویلفیئر اور وومن ڈویلپمنٹ کا تھا لیکن خواتین سے بات کرنے کی اسے بالکل تمیز نہیں تھی۔ غزالہ نے بتایا کہ اکثر دو نمبر خواتین سے پیر کے مراسم تھے اور بڑے ہوٹلوں میں راتیں گزارنا اس کا معمول بن چکا تھا۔ ایک سوشل ویلفیئر افسر رحمت علی جو ہینکر ہے اس کا کار خاص تھا اور بطور سٹاف افسر ساتھ رہتا تھا اور ہر قسم کی برائی میں شریک تھا۔ غزالہ نے بتایا کہ پیر نے اس سے اپنی پچھلی شادی چھپائی تھی، ورنہ وہ کبھی پیر سے شادی نہ کرتی۔ غزالہ نے بتایا کہ پیر کے والدین بہت نیک اور باعزت لوگ ہیں اور پیر کی کوئی بات بھی اپنی فیملی کے ساتھ نہیں ملتی۔ غزالہ کے نئے شوہر جمیل نے بتایا کہ وہ ایک چپڑاسی ضرور ہے لیکن دل بھی رکھتا ہے کہ پیر اس کو مروا بھی سکتا ہے لیکن پیر کے غزالہ پر مظالم دیکھ کر وہ برداشت نہیں کر سکا اور اس سے عشق کر بیٹھا۔ جمیل نے بتایا کہ اس کے ذرائع آمدن محدود ہیں لیکن وہ کوشش کرے گا کہ غزالہ کو خوش رکھے۔ اس نے بتایا کہ وہ نوکری کے علاوہ پارٹ ٹائم رکشہ بھی چلاتا ہے۔

ممتاز بھٹو

ممتاز بھٹو جب سندھ کے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ اس وقت وزیر اعلیٰ ہاؤس میں بلیو فلمیں بڑے اہتمام سے دکھائی جاتیں۔ موبائل پبلسٹی کے لئے خاندانی منصوبہ بندی کی گاڑیوں کا اس سے بہتر اور استعمال کیا ہو سکتا تھا؟ کے ڈی اے کے ایک افسر نے قسم کھا کر کہا "سندھ کے ایک ریسٹ ہاؤس میں ایک دفعہ میری موجودگی میں عبدالحفیظ پیرزادہ اور ممتاز بھٹو دو لڑکیوں کو لے کر آئے۔ وہ سینٹ جوزف کالج کی یونیفارم پہنے ہوئے تھیں۔ کتابیں ان کے ہاتھوں میں تھیں، مگر جلد ہی انہیں اس "بوجھ" سے نجات مل گئی۔"

ممتاز بھٹو نے داد عیش دینے کے لئے لاڑکانہ میں ایک نہایت عالیشان کمرہ تعمیر کرایا۔ جن لوگوں نے انگریزی فلم "ایڈو ینچرز" دیکھی ہو یا "ہیرالڈ رو نبز" کا یہ ناول پڑھا ہو وہ اس کمرے کی ہیئت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہ کمرہ مجسموں سے مزین تھا۔ ان کے ذریعے مرد و زن کے اختلاط کے درجنوں مناظر دکھائے گئے عموماً یہاں غیر ملکی مہمانوں کی تواضع کی جاتی تھی۔

ممتاز بھٹو کے عہد حکومت میں کراچی اور حیدر آباد کے اندر پہلی بار لسانی فسادات ہوئے۔ اسے بھٹو اپنا ٹیلنٹڈ کزن کہا کرتے تھے۔ بھٹو کے اس کزن کے اندر بہت سی "خوبیاں" ہوں گی۔ ان کی سب سے بڑی خوبی عورتوں کا شوقین ہونا تھی۔ عیاش عورتوں کا رسیا ہونا سندھ کے اکثر وڈیروں کی خوبی ہے۔ اس خوبی اور شوق کا حق ادا کرنے کے لئے اکثر سندھی وڈیرے بیرون ملک آتے جاتے رہتے ہیں۔ اندرون ملک عیاشی کے لئے

کراچی، لاہور اور اسلام آباد ان کی محفوظ پناہ گاہیں ہیں۔ سندھ کا یہ وڈیرہ سندھ میں ہی "لسانی فسادات" کو ہوا دینے کا ذمہ دار نہیں تھا بلکہ پنجابیوں کے خلاف اس کے ذہن میں بھرپور نفرت پائی جاتی تھی۔ بھٹو کے دور میں اس وڈیرہ کو اقتدار و اختیار کی مرکزیت حاصل رہی۔ وہ پہلے سندھ کے وزیر اعلیٰ پھر وفاقی وزیر بنے۔ ریلوے کے وفاقی وزیر ہونے کے ناطے وہ اکثر لاہور میں قیام کرتے۔ اس قیام کے دوران اس وقت کے ایک چیف سیکرٹری کی بیوی ان کی کمزوری بن چکی تھی۔ اس سابق چیف سیکرٹری کو پنجاب میں اہم عہدہ اس کی بیوی کے انتہائی خوبرو ہونے کی بنا پر دیا گیا۔ یہ خاتون انتہائی بھرپور دلکش سراپا اور متناسب قد کاٹھ رکھنے کے باعث حکمرانوں کے دل کی ملکہ رہیں۔ سندھ کا سابق وزیر اعلیٰ لاہور میں اس خاتون کے ساتھ دل بہلانے کے علاوہ ادھر ادھر بھی منہ مار لیا کرتا۔ پنجاب کے کئی سرکاری افسران اس وڈیرے کی عیاشی کا اہتمام کیا کرتے۔ جب یہ سندھی وڈیرہ لاہور میں ہوتا تو مراعات حاصل کرنے کے لئے اکثر سیاست دان اور سرکاری افسران اس کے لئے جسم فروش "لڑکیاں" ڈھونڈتے اور فائیو سٹار ہوٹلوں میں لڑکیوں کی منڈی لگا دی جاتی۔ ایک دفعہ سندھی وڈیرے نے نشہ کی حالت میں ریلوے کے ایک مزدور لیڈر کو ہوٹل طلب کیا۔ یہ مزدور لیڈر بھی شراب و شباب کا رسیا رہ چکا ہے۔ دونوں شراب پی رہے تھے کہ سندھی وڈیرہ آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے مزدور لیڈر سے باتیں کرتے ہوئے کہا "پنجابی بے غیرت ہوتے ہیں" مزدور لیڈر نے سندھی وڈیرے سے کہا کہ وہ اپنے الفاظ واپس لیں اور "پنجابی" کو گالی نہ دیں۔ جواباً" سندھی وڈیرہ الفاظ واپس لینے کے بجائے اپنے موقف پر اصرار کرنے لگا۔ اس سندھی وڈیرے نے کئی سرکاری افسران کے نام لے لے کر بتایا کہ وہ پنجابی ہیں اور ترقی حاصل کرنے کے لئے اسے اپنی عزیز ترین لڑکیاں سپلائی کرتے ہیں۔ سندھی وڈیرے اور مزدور لیڈر کے درمیان تلخ کلامی بڑھ گئی بات "تو تو میں میں" سے ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ مزدور لیڈر نے سندھی وڈیرے کے منہ پر تھپڑ دے مارا اور ہوٹل سے گھر آ گیا۔ اس رات جبکہ سندھی وڈیرہ فائیو سٹار ہوٹل میں سرکاری افسران کی فراہم کردہ لڑکیوں کے ساتھ رنگین رات سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ فائیو سٹار ہوٹل سے چند قدم پر واقع تھانہ سول لائن کی حوالات میں پولیس اہلکار "مزدور

لیڈر" پر تشدد کر رہے تھے۔ اس مزدور لیڈر کو سندھی وڈیرے کے آگے زبان کھولنے کی گستاخی کرنے پر کئی ماہ جیل میں رکھا گیا۔ کئی ماہ بعد اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو معلوم ہوا تو ان کی مداخلت پر مزدور لیڈر کی رہائی عمل میں لائی گئی۔ رہائی کے بعد جب مزدور لیڈر نے ذوالفقار علی بھٹو کو رام کہانی سنائی تو بھٹو نے کہا کہ اصل بے غیرت تو تم اور سندھی وڈیرہ تھے۔ اس میں پنجابیوں اور سندھیوں کا کوئی جرم نہیں' مزدور لیڈر کو بھٹو کی یہ بات پسند نہ آئی مگر وہ مفادات کی خاطر سرکاری جماعت سے منسلک رہا۔ جب اقتدار ختم ہوا تو یہ سندھی وڈیرہ اور مزدور لیڈر دونوں بھٹو سے الگ ہو گئے۔ کیونکہ ان کی وفاداریاں اقتدار اور عیاشی کے ساتھ تھیں۔



الطاف حسین

ایک پیر صاحب کے بارے میں مشہور تھا کہ جب بھی کوئی خاتون قبول صورت ان سے جھاڑ پھونک کروانے یا تعویز وغیرہ لینے آتی تو پیر صاحب فوراً تخلیہ کا حکم صادر کرتے اور فریادی خاتون کو ازار بند کھولنے کا کہتے۔ خاتون تعمیل ارشاد کر دیتی تو پیر صاحب کی پانچوں گھی میں ہوتیں اگر کوئی "گستاخ و بے ادب" خاتون برہمی کا اظہار کرتی تو پیر صاحب فوراً پینترا بدلتے ہوئے کہتے "میں تو وہ سامنے کھونٹی پر بندھے ازار بند کی بات کر رہا تھا۔ (ڈرامہ کو حقیقی رنگ دینے کے لئے انہوں نے واقعی سامنے کی دیوار پر کھونٹی سے آزار بند بندھا رکھا ہوتا)

پاکستان کی سیاست بھی اس طرح کے شعبدہ باز پیروں سے بھری پڑی ہے۔ ان بازی گروں میں ایک نام ایم کیو ایم کے رہنما الطاف حسین کا بھی ہے۔ ظاہری طور پر کنوارے لیڈر کی اصلی زندگی کا دامن بے شمار' بے بس حسیناؤں کی عزتوں کے خون سے داغدار ہے۔ الطاف حسین آج کل لندن میں خود ساختہ جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لیکن

جب ان کے قدم کراچی کی سرزمین پر اٹھا کرتے تھے، لاتعداد لڑکیوں کے دل دھل جایا کرتے تھے۔ خود کو قائد انقلاب کہلوانے والے الطاف حسین نے پارٹی میں خواتین کی ممبر سازی کے لئے مذکورہ پیر صاحب کی طرح نہایت شرمناک طریقہ کار رکھا ہوا تھا۔ ایم کیو ایم کی ایک خاتون کارکن نے "قائد انقلاب" کے بارے میں انکشاف کیا کہ جس لڑکی کو ایم کیو ایم میں داخل کیا جاتا تو اسے نائن زیرو قائد انقلاب کے سامنے پیش کیا جاتا اور اس سے قائد کی وفاداری کا حلف اٹھوایا جاتا۔ اور پھر پوچھا جاتا کہ تم قائد کے لئے کیا کر سکتی ہو۔ نو وارد کارکن جوش میں کہتی کہ جان بھی قربان کر سکتی ہوں۔ تو الطاف حسین کہتے کہ اچھا پھر قمیض اتارو۔ کارکن عمل کر دیتی تو پھر باقی لباس بھی درجہ بدرجہ اتروا دیا جاتا اور پھر ننگ وطن رہنما اس جانثار و بے لباس لڑکی سے کیٹ واک کی فرمائش کرتے۔ اگر کوئی باضمیر لڑکی قائد کے حکم پر بے لباس نہ ہوتی تو الطاف حسین فوراً شاہی انداز میں تالیاں بجا کر اسے داد دیتے۔ اور کہتے پارٹی کو تمہارے جیسی باعصمت اور پاک باز لڑکیوں کی ضرورت ہے۔ جو اپنی عصمت پر حرف نہ آنے دیں اور اگر کوئی لڑکی انکار کر دیتی تو الطاف حسین فوراً کہتے میں تو آزما رہا تھا۔ کراچی یونیورسٹی کے یونین الیکشن سے لے کر لندن جلاوطنی تک ان کی اپنی پارٹی پر "گرفت" قابل تعریف ہے۔ ان کے پارٹی کارکن آج بھی ان کے ایک شارے پر اپنا "تن من دھن" قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ مرکزی عہدیدار سے لے کر عام کارکن تک سب کی سرگرمیوں کی رپورٹس انہیں لندن بیٹھے موصول ہو جاتی ہیں۔ ان کی جماعت کا معروف ترین نعرہ ہے "جو قائد کا غدار ہے، وہ موت کا حقدار ہے" آیئے! ذرا ان کے رخ روشن سے نقاب اٹھا کر دیکھیں کہ شیخ رشید کے بعد دوسرے معروف کنوارے سیاستدان کس حال میں ہیں۔ "قائد انقلاب" کی زندگی کے یہ پوشیدہ پہلو شاید ہمارے سامنے نہ آتے لیکن بھلا ہو ایم کیو ایم کے باغی لیڈروں کا جنہوں نے "قائد انقلاب" کی خفیہ صلاحیتوں، کو سربازار عریاں کر دیا۔

ایم کیو ایم الطاف حسین کے باغی گروپ کے لیڈروں نے انکشاف کیا کہ سلیم شہزاد اور عمران فاروق الطاف حسین کو لڑکیاں سپلائی کیا کرتے تھے۔ ان کی یہ بات تو الزام بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن لوگوں کو یہ معلوم ہونے پر کوئی حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ الطاف حسین کی

سالگرہ کی ایک تقریب میں اداکارہ ریما نے کراچی کی جدید آبادی کی ایک کوٹھی میں رقص کیا تھا۔ اس مقصد کے لئے جب الطاف حسین کے دو قریبی ساتھی کراچی سے لاہور آئے تو ریما نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ ریما کو کسی نے بتایا تھا کہ ایم کیو ایم والے لڑکیوں کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کرتے۔ ریما بعد میں اس یقین دہانی پر ایک رات مجرا کرنے کے لئے آمادہ ہو گئی کہ مجرا کرتے وقت نہ اس کی تصویر بنے گی اور نہ ہی ویڈیو فلم اور اس میں عام لوگوں کو شریک نہیں کیا جائے گا۔ اطلاعات کے مطابق الطاف حسین کے دوستوں نے ریما کو "مجرا" کے لئے ایک لاکھ ایڈوانس دیا تھا۔ خود ریما بعد میں اپنے قریبی حلقوں کے اندر بڑے فخریہ انداز میں یہ ذکر کیا کرتی تھی کہ اس نے الطاف حسین کی سالگرہ کے موقع پر رقص کا مظاہرہ کر کے لاکھوں روپے کمائے تھے۔ یہ خصوصی تقریب جو کراچی کی ایک جدید آبادی میں منعقد ہوئی تھی اس کا اہتمام غیر سرکاری طور پر کیا گیا تھا لیکن اس میں ایک سابق وزیر اعلی کے علاوہ سندھ کی ممتاز سیاسی اور سرکاری شخصیتوں نے شرکت کی تھی۔

الطاف حسین کے باغی ساتھیوں نے انکشاف کیا کہ سالگرہ کی اس خصوصی تقریب کے شرکاء سرمایہ دار، صنعت کار، جاگیردار اور سرکاری افسر تھے جنہوں نے شراب کے نشے میں لاکھوں روپے (بظاہر) الطاف حسین پر لیکن حقیقتاً ریما پر) نچھاور کر دیئے۔

"قائد انقلاب" کے نقش قدم پر باقی ایم کیو ایم بھی چل رہی ہے۔ برطانیہ کی شہریت رکھنے والی ایک لڑکی ریٹا کی کہانی کو بیرونی ذرائع ابلاغ نے بہت اچھالا۔ ریٹا نے بتایا ہے کہ وہ کراچی کی تفریح گاہ ہاکس بے کا نظارہ کرنے کے لئے صبح صبح سمندر پر گئی۔ اس نے کراچی کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں رہائش رکھی ہوئی تھی۔ وہ ہاکس بے پر سمندر کا نظارہ کر رہی تھی کہ چار نوجوان میری طرف آئے۔ وہ بہت پڑھے لکھے معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے نہایت سلجھے ہوئے انداز میں انگریزی زبان میں اپنا تعارف کروایا۔ میں یہ سن کر حیران ہو گئی کہ وہ میرے ہوٹل اور میرے کمرہ نمبر تک سے آگاہ ہیں۔ لیکن جب انہوں نے بتایا کہ وہ لاہور سے آئے ہیں اور اس کے ساتھ والے کمرہ میں رہائش پذیر ہیں تو میں نارمل ہو گئی۔ انہوں نے مجھے "انجوائے" کرنے کی غرض سے نہایت سلیقہ سے دعوت دی

جو میں نے قبول کر لی۔ چاروں نوجوان خوش پوش اور خوش شکل تھے اور ان کے پاس پجارو تھی۔ یہ نوجوان مجھے اپنے ساتھ لے گئے لیکن جب وہ پجارو جیپ سے اتر کر تنگ و تاریک گلیوں کی طرف چلنے لگے تو میں نے دریافت کیا کہ "ہم لوگ کدھر جا رہے ہیں؟" پوچھنے کا یہ انداز ان لوگوں کو پسند نہ آیا اور وہ غصے میں کہنے لگے جو کچھ ہم کہتے ہیں کرتی جاؤ ورنہ گولی مار دیں گے۔ جب میں نے دیکھا کہ ان کے ارادے اچھے نہیں ہیں تو میں خاموش ہو گئی۔ ہم سیڑھیاں اترتے ہوئے ایک تہہ خانے میں داخل ہو گئے۔ جہاں بالکل اندھیرا تھا۔ ایک نوجوان نے بلند آواز میں کہا "ٹونی ...... ہم ہیں۔" اچانک روشنی ہوئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں کسی جاسوس کے کمرے میں آ گئی ہوں یا کسی قتل گاہ میں' ارد گرد انسانی کھوپڑیاں پڑی ہوئی تھیں...... میری چیخ نکلی اور بے ہوش ہو گئی...... تھوڑی دیر کے بعد مجھے ہوش آیا تو ان میں سے ایک نوجوان میرے پاؤں سہلا رہا تھا جبکہ دوسرے نوجوان شراب پی رہے تھے۔ میں سمجھی کہ میں اغواء ہو چکی ہوں اور پاکستان کے انگریزی اخبارات کی وہ شہ سرخیاں میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگیں۔ جو "اغواء برائے تاوان" سے متعلق ہوتی تھیں میں نے ہمت کر کے نوجوان سے پوچھا "کیا مجھے تاوان کی غرض سے اغوا کیا گیا ہے۔" نوجوان نے نہایت تحمل سے جواب دیا.... "نہیں ہم صرف انجوائے" کرنا چاہتے ہیں۔ یوں کئی دنوں تک یہ نوجوان "انجوائے" کرتے رہے۔ اور میں یہ سوچتی رہی کہ نہ جانے یہ لوگ مجھے زندہ بھی چھوڑیں گے یا نہیں' میں انتہائی خوفزدہ تھی۔ میں سیرو سیاحت کی دنیا سے تعلق رکھتی ہوں۔ قید کا ایک لمحہ بھی میرے لئے اذیت کا باعث تھا۔ چار روز کے بعد مجھے وہی نوجوان ہاکس بے چھوڑ آئے جب مجھے نجات ملی تو میں نے پاکستان میں دیگر مقامات کی سیر کا تصور چھوڑ دیا اور واپس برطانیہ چلی آئی" ...... ریٹا بتاتی ہے کہ وہاں رادھا' تانی اور شبانہ نام کی لڑکیاں بھی تھیں...... عیاشی کرنے والے ان نوجوانوں کی تعداد بھی ایک درجن سے زیادہ تھی ..... وہ دن کے وقت اکثر غائب رہتے تھے جبکہ رات کو شراب اور کھانے پینے کی دیگر اشیاء لے کر آ جاتے تھے۔ دن کے وقت ہم لڑکیوں کے اکٹھے بیٹھنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ ان کے لباس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ قید کے دوران انہوں نے کسی لڑکی سے غالباً

اس لئے بدتمیزی نہیں کہ کسی لڑکی نے ان کی پیش کش قبول کرنے سے انکار نہیں کیا تھا۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی مشکل محسوس نہیں ہوئی کہ رادھا' تانی اور شبانہ کو بھی میری طرح ہی چکمہ دے کر یہاں لایا گیا ہے۔ تانی نے بتایا کہ وہ حیدر آباد کی رہنے والی ہے اور اپنے محبوب کے ساتھ ایک ہوٹل میں تفریح کے لمحات گزار کر گھر جا رہی تھی کہ اسے کسی نے اغواء کر لیا۔ وہ کئی دنوں تک اندرون سندھ ایک دیہاتی مقام پر رہی۔ دیہات سے مجھے ایک شخص نے ڈاکوؤں کے حوالے کر دیا وہ مجھے جنگل میں لے گئے۔ جہاں سے میں بھاگ نکلی اور سڑک پر آئی تو چند نوجوانوں کے ہتھے چڑھنے کے بعد اس "حیرت انگیز" جگہ پر پہنچ گئی۔ رادھا ایک ہندو لڑکی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ ایم کیو ایم کے ایک کارکن دلشاد اختر کی محبوبہ تھی۔ دلشاد کی بجائے میرے والدین نے میری شادی چچا زاد رتن سے کر دی۔ مجھے رتن پسند نہیں تھا۔ میں دلشاد کے ساتھ گھر سے بھاگ نکلی۔ بعد میں دلشاد نے ایم کیو ایم کے باغی گروپ سے رابطہ کر لیا تو نہ جانے کن لوگوں نے مجھے اغواء کر کے اس کمرے میں محبوس کر دیا اور میری آبرو ریزی کرتے ہیں۔ اب میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔ ریٹا کا کہنا ہے کہ اغواء کرنیوالوں نے رادھا کو بھی رہا کر دیا ہو گا۔ اگر وہ آزاد نہیں ہوئی تو مر گئی ہو گی کیونکہ وہ اکثر کہا کرتی تھی کہ اس زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ ریٹا کا کہنا ہے کہ شبانہ اکثر خاموش رہتی تھی۔ اس کے بارے میں مجھے رادھا نے بتایا کہ وہ اپنے بارے میں کسی کو کچھ بتانے کے لئے تیار نہیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی اچانک صدمے کے باعث دماغی توازن کھو بیٹھی ہے۔

ایم کیو ایم کے قائدین کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ چند غیر معروف لڑکیاں کے اچانک مشہور ہونے کی وجہ وہ تھے۔ وہ اخبارات والوں کو ان کے انٹرویو کرنے کا حکم دیتے تھے اور زبردستی ان کے شوز کے ٹکٹ بکواتے۔ اور انہیں بھارت کے دورے کروائے جاتے تھے۔ غالباً جاسوسی کے نقطہ نظر سے۔ زاہدہ رخسار کے بارے میں پتہ چلا کہ اس نے ایم کیو ایم کی قیادت کے نزدیک بڑی اہمیت حاصل کر رکھی ہے اور ایک انتہائی ذمہ دار عہدیدار اس کی زلفوں کے اسیر تھے۔ رخسار نے فرزانہ کے نام سے بھارت کا دورہ بھی کیا۔ اکثر محفلوں میں وہ ایم کیو ایم کے لیڈروں کے سامنے رقص کرتی رہی۔ اس ضمن میں پتہ

چلا کہ بسا اوقات ایسے پروگرام بنائے جاتے جس میں کئی لڑکیاں اور لڑکے کھلم کھلا عیش و عشرت میں مشغول ہوتے۔ کراچی کے ثقافتی حلقوں میں یہ باتیں زبان زدعام تھیں کہ آخر زاہدہ رخسار، سمیعہ ناز اور اس کی والدہ ثریا ناز آئے روز بیرون ملک کیوں جاتی ہیں۔ مگر ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن کے دوران زیادہ تر کال گرلز روپوش ہو گئیں یا انہوں نے اسلام آباد میں اپنے "عزیزوں" کے پاس پناہ لے لی۔ سچ کہتے ہیں برے وقت میں ہمیشہ "اپنے" ہی کام آتے ہیں۔

ایم کیو ایم کے ایک مرکزی رکن اور خصوصی معاون خالد ندیم نے انکشاف کیا کہ الطاف حسین نہ صرف ایک سفاک اور خطرناک انسان ہے بلکہ الطاف حسین نے لاتعداد عورتوں کو بھی جنسی تشدد کا نشانہ بنایا لیکن تشدد کا شکار ہونے والی عورت اور اس کا خاندان اس خوف کی وجہ سے خاموشی اختیار کر لیتے کہ زبان کھولنے کی صورت میں شاید الطاف حسین کو نقصان تو نہ پہنچایا جا سکے لیکن ان تمام کو الطاف حسین کے جانثار ختم کر دیں گے۔ خالد ندیم نے الطاف حسین پر الزام لگایا کہ جو مہاجر لڑکیاں ایم کیو ایم کے لئے کام کرنے آتیں، الطاف حسین ان میں سے چند کا انتخاب کر لیتے اور جب وہ کسی ایک لڑکی کے لئے اپنے مسلح ساتھیوں کو اشارہ کرتے تو اسی وقت اس بدنصیب لڑکی کو الطاف حسین کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا۔

خالد ندیم نے دعویٰ کیا کہ وہ الطاف حسین کے ذاتی ملازم کی حیثیت سے بھی ان کے قریب رہا۔ الطاف حسین اس کے ذریعے لڑکیوں کو بلاتے بلکہ کراچی کی معروف پیشہ ور عورتوں ناہید، شہناز، سلطانہ اور ثریا وغیرہ کو خود الطاف حسین کے لئے لے کر آتا تھا جبکہ ان عورتوں کے گھروں میں بھی الطاف حسین کا آنا جانا تھا۔

خالد ندیم کے مطابق اسلام نبی کے گھر میں کراچی کی حسین و جمیل لڑکیاں الطاف حسین کے سامنے پیش کی جاتی رہیں۔ خالد ندیم نے شعیب عرف شعیبی کے قتل کا ذمہ دار بھی الطاف حسین کو ٹھہرایا۔ خالد ندیم کے بقول شعیب عرف شعیبی کا گناہ صرف یہ تھا کہ اس نے الطاف حسین کو ایک معروف پاپ گلوکارہ کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھ لیا تھا اور جب اس سے یہ "گناہ" سرزد ہو گیا تو اس کو محسوس ہو چکا تھا کہ اب اس کی

زندگی صرف چند لمحے ہے' اس لئے وہ اپنی جان بچانے کے لئے چھپنے کی بے سود کوشش کرنے لگا۔

لیکن اس کو اتنی بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا کہ ایسے لوگوں کو عبرت حاصل ہو جو "قائد" کی نجی زندگی میں جھانکنے کی جسارت کرنے کا سوچتے ہیں۔

الطاف حسین حسن و فن کے دلدادہ ہیں۔ اور کسی کو "پرموٹ" کرنے کے میدان میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ جس حسینہ سے خوش ہو جائیں' اسے راتوں رات ملک کی معروف اداکاراؤں' ماڈلز' یا گلوکاروں کی فہرست میں شامل کرا دیا جاتا ہے۔



ناہید خان

پیپلزپارٹی میں بے نظیر بھٹو کے بعد جس خاتون کا سب سے زیادہ حکم چلتا تھا اس کا نام ناہید خان ہے۔ ناہید خان نے ارکان پارلیمنٹ، کارکنوں حتیٰ کہ وزیروں مشیروں کے ناک میں دم کر رکھا تھا جس پر پیپلزپارٹی کی اعلیٰ قیادت اور عوام کو ناہید خان کے کارناموں سے باخبر رکھنے کے لئے ایک پمفلٹ شائع کیا گیا جس میں ناہید خان پر جہاں مالی بدعنوانیوں کے الزامات لگائے گئے وہاں یہ بھی بتایا کہ شراب کی رسیا ناہید شباب کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ نوجوان صحت مند کارکن اس کی کمزوری ہیں پمفلٹ شائع ہوا تو فخرزمان جو ناہید خان کے دست راست کی حیثیت رکھتے تھے، نہایت پریشان ہو گئے کیونکہ صحت مند نوجوانوں والی بات صرف ان کو اور ان کے چند ساتھیوں کو معلوم تھی۔

پیپلزپارٹی کی چیئرپرسن بے نظیر بھٹو کی پولیٹیکل سیکرٹری ناہید خان عرف "باجی" نے پیپلزپارٹی کے پہلے دور حکومت میں صفدر عباسی سے شادی کر لی تھی۔ تاہم ان دونوں نے اپنے اہل خانہ کے متوقع ردعمل سے بچنے کے لئے اپنی شادی کو خفیہ رکھا پیپلزپارٹی کے اندرونی ذرائع کے مطابق صفدر عباسی کی والدہ بیگم اشرف عباسی نے اپنے بیٹے کی شادی

اپنے خاندان میں طے کر دی تھی لیکن صفدر عباسی بے نظیر بھٹو کی پولیٹیکل سیکرٹری ہونے کی وجہ سے اس کے انتہائی قریب آ گئے اور انہوں نے خفیہ شادی کر لی۔ اس بات کا انکشاف اس وقت ہوا جب صفدر عباسی کے ایک قریبی دوست نے ان کی والدہ بیگم اشرف عباسی کو اس خفیہ شادی کے بارے میں مخبری کر دی جس سے صفدر کی والدہ سخت ناراض ہوئیں تاہم موصوف نے اس کی تردید کر کے وقتی طور پر اپنی جان چھڑوالی۔ واقفان حال کا کہنا ہے کہ دونوں راہنماؤں نے اپنے خاندانوں کو بڑی مشکل سے رضامند کر لیا تاہم انہوں نے ابھی تک اپنی شادی کو چھپایا ہوا ہے اور نئے سرے سے نکاح کھیلیں گے۔



جس طرح سابق لیگی صوبائی وزیر ملک سلیم اقبال کہتے ہیں "حسن میری کمزوری ہے" اسی طرح معروف مسلم لیگی رہنما اور سابق سینیٹر امیر عبداللہ روکڑی کہتے ہیں "میں زمانہ طالب میں نالائق ترین سٹوڈنٹ تھا۔ میرے دوست میرے پیپرز حل کیا کرتے تھے اور میرے کمرے میں عموماً شراب کی محفل سجا کرتی تھی۔ اپنی عیاشیوں کا اعتراف کرنا بھی بڑی جرات کا کام ہے کیونکہ بعض لوگ تو ایسے بھی ہیں جب سب کچھ کرنے کے بعد بھی خود کو پاک باز ثابت کرنے کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ انہی میں سے ایک نام "باجی" ناہید خان کا بھی ہے۔



شاہد خاقان عباسی

شاہد خاقان عباسی اکثر کوشش کرتے تھے کہ رنگین محفلیں ملک سے باہر جا کر ہی جمائی جائیں۔ اداکارہ ریشم کے ساتھ وقت گزارنے کے لئے انہوں نے لندن کو ہی منتخب کیا۔ ریشم کے نئی ہنڈا سوک اور گھر میں ، فرش کی تعمیر کے لئے برطانیہ سے قیمتی پتھر اور دیگر قیمتی گھریلو سامان کی برآمد بھی عباسی صاحب کی ریشم پر نظر التفات کا ہی نتیجہ تھی۔ معلوم ہوا ہے کہ ریشم نے گارڈن ٹاؤن میں اپنی رہائش کے ساتھ خالی پلاٹ باغ بنانے کے لئے خریدا جس میں انہوں نے ایک آبشار اور بیرون ملک سے آنے والا مذکورہ قیمتی پتھر بھی لگایا یہ بھی انکشاف ہوا کہ شاہد خاقان عباسی کی طرح ریشم کی کئی بڑے لوگوں سے ملاقات' شمیم مرزا کے گھر پر ہوتی رہی۔ ریشم فلم انڈسٹری میں آنے سے قبل اپنی بڑی بہن کے ہمراہ گارڈن ٹاؤن میں شمیم مرزا کی رہائش گاہ پر "مخصوص محفلوں" میں شرکت کیا کرتی تھی جہاں ریشم کی بیوروکریٹس اور پیسے والے لوگوں سے ملاقات ہوا کرتی تھی۔ پی آئی اے کی ایک ایئر ہوسٹس کے ساتھ بھی شاہد خاقان عباسی کے معاشقے کو خصوصی شہرت ملی لیکن عباسی صاحب دھن کے پکے تھے۔ یہ تو بھلا ہو بیگم عابدہ حسین کی امریکہ میں پڑھنے والی صاحبزادی کا جنہوں نے عباسی صاحب کی تمام تر توجہ اپنی جانب مبذول کرالی وگرنہ عباسی



اداکارہ ریشم

صاحب ایئر ہوسٹس ہی کے ہو کر رہ جاتے۔ شاہد خاقان عباسی ایک سال میں 52 مرتبہ صرف بیگم عابدہ حسین کی بیٹی کو ملنے کے لئے امریکہ گئے اور یہ تمام دورے سرکاری کھاتے سے ہوئے۔ ایک اخبار نے جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے جب ان 52 سرکاری دوروں کا



بیگم عابدہ حسین کی صاحبزادی

پس منظر بیان کیا تو شاہد خاقان عباسی نے پی آئی اے میں اس اخبار کی ترسیل بند کرا دی لیکن جو بات عوام تک پہنچنا تھی، وہ بلا آخر پہنچ ہی گئی لوگ شاید یہ صحیح ہی کہتے ہیں کہ عشق اور مشک کمذات لاکھ چھپائیں نہیں چھپتا۔



غنویٰ بھٹو

غنویٰ بھٹو کا نام اہل وطن نے پہلی بار 1989ء میں اس وقت سنا جب دمشق میں مرتضیٰ بھٹو سے ان کی شادی کی خبریں ذرائع ابلاغ سے عام ہوئیں۔ بعد ازاں 1993ء میں جب مرتضیٰ بھٹو پاکستان آئے اور انھیں مختلف سنگین مقدمات میں گرفتار کر لیا گیا تو غنویٰ بھٹو 1994ء میں پہلی بار پاکستان آئیں۔ لیکن اس وقت تک ان کے ماضی کے حوالے سے اہل وطن کو کچھ زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکی تھیں۔ 20 ستمبر 1996ء کو جب مرتضیٰ بھٹو اپنی سگی بہن بے نظیر بھٹو کے دور اقتدار میں ایک پولیس مقابلہ میں ہلاک ہو گئے تو غنویٰ بھٹو ایک مظلوم بیوہ کی حیثیت سے منظر عام پر آئیں اور عوامی حلقوں میں ان کے سیاست میں آنے نہ آنے اور نہ صرف یہ بلکہ بھٹو خاندان کی سیاسی وراثت کو سنبھالنے یا نہ سنبھالنے کے حوالہ سے ایک بحث چھڑ گئی اور اس بحث کا خاتمہ اس وقت ہوا جب غنویٰ بھٹو نے ایک پریس کانفرنس میں اپنے سیاست میں آنے اور پاکستان پیپلز پارٹی (شہید بھٹو گروپ) قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔

غنویٰ بھٹو کی ذاتی زندگی اور ان کی مرتضیٰ بھٹو سے شادی کے حوالہ سے اہل وطن کی معلومات اب بھی نہایت محدود ہیں۔ اور اتنا عرصہ سیاست میں رہنے کے باوجود زیادہ تر

لوگوں کے نزدیک وہ مرتضیٰ بھٹو کی بیوہ اور ذوالفقار علی بھٹو کی بہو ہیں اور بس۔ غنویٰ بھٹو بیروت کے ایک متوسط طبقہ کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں' ان کے والد عبود عتیادی بیروت ایئرپورٹ پر افسر کی حیثیت میں ملازم تھے' جہاں سے 1983ء میں ریٹائر ہوئے۔ عبود عتیادی کی کوئی نرینہ اولاد نہیں' صرف چار بیٹیاں ہیں' سب سے بڑی بیٹی رشا امریکہ میں بیوٹی پارلر چلاتی ہے' دوسری بیٹی خلود' امریکہ میں ڈاکٹر ہے اور تیسری بیٹی زینت نے کیمیاوی سائنس میں ڈاکٹریٹ کی ہے۔ غنویٰ ان کی چوتھی بیٹی ہے جو میٹرک سے آگے تعلیم حاصل نہ کر سکی تاہم فنون لطیفہ سے دلچسپی اور شعری ذوق اسے پیدائشی طور پر ملا ہے' یہی وجہ ہے کہ اس نے بیروت کے ایک ایسے سکول میں داخلہ لیا جہاں ناچ گانے کی خصوصی تعلیم دی جاتی ہے۔ غنویٰ نے یہ فن نہایت توجہ اور محنت سے سیکھا اور رقص میں خصوصی مہارت حاصل کر لی۔

اسی دوران لبنان کی خانہ جنگی نے غنویٰ کے والدین کو شام کی طرف نقل مکانی پر مجبور کر دیا' دمشق میں غنویٰ اپنے حسن و جمال اور فنی کمال کی وجہ سے بہت جلد متمول لوگوں میں شہرت پا گئی کچھ ہی عرصہ میں اس نے دمشق میں فرانس کے دفتر ثقافت کے تعاون سے رقص کی تعلیم کا اپنا سکول کھول لیا' مغرب زدہ لوگ اس سکول میں اپنے بچوں کو رقص کی تعلیم کے لئے داخل کرانے لگے' یوں ان کی غنویٰ سے راہ و رسم کی سبیل بھی پیدا ہو جاتی۔

یہ 1984ء کا واقعہ ہے۔ میر مرتضیٰ بھٹو' ضیاء الحق مارشل لاء کے دور میں' اپنی پہلی افغان نژاد بیوی کے ساتھ دمشق میں خود ساختہ جلاوطنی کے دن گزار رہا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی فاطمہ کو بھی رقص کی تعلیم کے لئے غنویٰ کے سکول میں داخل کرایا۔ غنویٰ بھٹو' ذوالفقار علی بھٹو کی پوتی ہونے کی بنا پر فاطمہ پر خصوصی توجہ دیتی اور پیار اور محبت کا برتاؤ کرتی۔ ممکن ہے اس کے پیش نظر متمول خاندان کی بیٹی ہونے کے ناطے مالی منفعت بھی رہی ہو۔ غنویٰ کی مرتضیٰ بھٹو سے پہلی ملاقات دمشق کے علاقہ محاید میں واقع انٹرنیشنل ہوٹل شیرٹن میں ہوئی' اس ملاقات میں دونوں ایک دوسرے کی ظاہری شخصیت کے سحر کا شکار ہو گئے اور پھر گاہے بگاہے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ پانچ سال تک جاری رہا۔ اس دوران

1985ء میں مرتضیٰ کے چھوٹے بھائی شاہ نواز بھٹو کو فرانس میں قتل کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے مرتضیٰ بھٹو کو اپنی زندگی کے بارے میں لاحق تشویش میں اضافہ ہو گیا مگر وہ غنویٰ کی زلف گرہ گیر کا بری طرح اسیر ہو چکا تھا اور غنویٰ بھی اپنا مستقبل مرتضیٰ کی جوانی و رعنائی اور دولت سے وابستہ کر چکی تھی لہٰذا وہ ہر قسم کے خوف و خطر سے بے نیاز رنگین خوابوں کی دنیا میں کھوئے رہے۔

دونوں کے یہ خواب 1989ء میں شرمندہ تعبیر ہوئے جب ان کا نکاح ہو گیا' جلد ہی ان کے ہاں ایک بیٹے نے جنم لیا جس کا نام اس کے مرحوم دادا ذوالفقار علی بھٹو کے نام پر ذوالفقار علی بھٹو جونیئر رکھا گیا اور بظاہر جلاوطنی کے دن گزارنے والا یہ خاندان دمشق میں نہایت خوش و خرم زندگی گزارتا رہا۔

غنویٰ عیتاوی جو اب غنویٰ بھٹو بن چکی تھی' یہ تصور بھی نہ کر سکتی تھی کہ وہ کبھی پاکستان میں رہائش اختیار کرے گی' مگر وقت عجب عجب تماشے دکھاتا ہے 1993ء میں مرتضیٰ بھٹو پاکستان گئے تو انہیں متعدد سنگین مقدمات میں گرفتار کر لیا گیا' اس دوران غنویٰ کو مجبوراً پاکستان آنا پڑا۔ 94ء میں وہ پہلی بار پاکستان آئی۔ ان دنوں مرتضیٰ بھٹو کی بہن' بینظیر بھٹو پاکستان کی حکمران تھی' مرتضیٰ کو اس سے بہت فائدہ پہنچا' وہ تقریباً تمام مقدمات سے بری ہو کر سندھ اسمبلی کا رکن بھی بن گیا مگر وہ میر مرتضیٰ بھٹو تھا' جبکہ بنظیر اب زرداری بن چکی تھی اور یہیں سے بہن بھائی کے درمیان اختلافات کی خلیج پیدا ہوئی جو وقت کے ساتھ وسیع ہوتی چلی گئی۔ تاآنکہ 20 دسمبر 1996ء کو مرتضیٰ بھٹو پولیس مقابلہ میں ہلاک ہو گیا۔

اس پولیس مقابلے کو کئی رنگ دیئے گئے اور یہاں تک ہوا کہ بینظیر بھٹو کو وزارت عظمیٰ سے ہاتھ دھونا پڑے۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مرتضیٰ بھٹو کے دوست علی سنیارا اور غنویٰ کے درمیان "تعلقات" کے عینی شاہد ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ اس قتل میں علی سنیارا کی رقابت بھی شریک حال رہی ہے۔

لبنان کی ایک کامیاب رقاصہ' جو کبھی سیاست اور وہ بھی پاکستانی سیاست میں آنے کا سوچ بھی نہ سکتی تھی' اپنے شوہر کی ہلاکت کے بعد اس مخمصہ کا شکار ہو گئی کہ وہ پاکستان

میں رہے یا اپنے وطن شام واپس چلی جائے۔ مسئلہ یہ درپیش تھا کہ اگر وہ واپس جاتی ہے تو بھٹو خاندان، اپنے اکلوتے وارث کو لے جانے کی اجازت نہیں دے گا، جس کی متحمل ایک ماں کی ممتا نہیں ہو سکتی تھی۔ دوسری جانب بھٹو خاندان کی وسیع جاگیر اور شاندار وراثت سامنے تھی، مگر پاکستان میں مستقل قیام ممکن نہ تھا کیونکہ وہ پاکستانی شہریت نہیں رکھتی تھی اور بینظیر حکومت میں اس کا حصول ممکن نہیں تھا۔ مگر بعد ازاں نواز حکومت میں لبنان کے حکمران رفیق حریری اور وزیر خارجہ فارس بونیر کی مداخلت سے، یہ مسئلہ حل ہو گیا ہے اور غنویٰ بھٹو کو پاکستانی پاسپورٹ جاری کر دیا گیا اور معروف لبنانی رقاصہ اب پیپلز پارٹی (ش ب) کی سربراہ کی حیثیت میں مستقل طور پر پاکستان میں رہیں گی۔

راجہ بشارت

سابق صوبائی وزیر اطلاعات و نشریات راجہ بشارت کی معروف ٹی وی آرٹسٹ کنول کے ساتھ نکاح کی خبریں بہت عرصہ تک اخبارات کی زینت بنی رہیں گو کہ راجہ بشارت کی طرف سے اس سلسلے میں وضاحتیں پیش کی جاتی رہیں لیکن کہنے والے اپنے موقف پر قائم رہے ان کا کہنا تھا کہ راجہ صاحب نے کنول کو اسلام آباد میں کروڑوں روپے مالیت کی کوٹھی خرید کر دی۔ گاڑی اور موبائل بھی راجہ صاحب کی محبت کا تحفہ ہی تھا۔ کنول کو ڈراموں کے سلسلے میں جب کبھی اسلام آباد سے لاہور جاتیں۔ تو جہاز کا ٹکٹ بھی راجہ صاحب ہی ادا کرتے۔ اتنا سب کچھ یا محبوبہ کے لئے ہوتا ہے یا بیوی کے لئے ...... آخر کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے ...



عبدالحفیظ پیرزادہ

عبدالحفیظ پیرزادہ بھٹو کے چارمنگ وزیر تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے ایک جرمن خاتون سے شادی کی، مگر جلد ہی علیحدگی ہو گئی۔ سعدیہ ان کی دوسری بیوی اور یہ ان کے دوسرے شوہر ہیں۔ پیرزادہ سے شادی سے 17 سال قبل سعدیہ کی ہارون جعفر سے شادی ہوئی تھی۔ ہارون جعفر اور پیرزادہ بہترین دوست تھے۔ پیرزادہ اکثر ان کے پاس آتے رہتے۔ سعدیہ پر ریجھے اور اسے لے کر بھاگ گئے۔ فرار کے دو ہفتے بعد سعدیہ کا پاؤں بھاری ہو گیا۔ سعدیہ واپس آئی تو ہارون جعفر نے اسے اپنے ہاں رکھنے سے انکار کر دیا طلاق طلب کرنے پر شرط رکھی کہ سعدیہ تمام زیورات اور مکان واپس کر دے، جسے منظور کر لیا گیا اور طلاق ہو گئی۔ پیرزادہ نے اس سے شادی کر لی۔

مسز سعدیہ کو خوبصورت زیورات پہننے اور اسمارٹ کاریں رکھنے کا بے حد شوق تھا۔ اپنی لگژری کار میں وہ ایک بار گودی پر گئیں، تو انہیں ایک لگژری کیپری پسند آ گئی۔ اسے ڈرائیو کرتے ہوئے وہ گھر لے آئیں۔ ڈپٹی کلکٹر فیض محمد نے درخواست کی۔

"محترمہ گاڑی واپس کر دیجئے ابھی تو کلیئر بھی نہیں ہوئی۔ اگر آپ کو ایسی ہی پسند ہے، تو اس کے مالک سے بات کر لیجئے۔"

"تمہاری یہ جرات کہ مجھ سے اس طرح بات کرو" سعدیہ نے بھپرتے ہوئے جواب دیا۔ فیض محمد کو سخت محکمہ جاتی کارروائی کا سامنا کرنا پڑا اور بالاخر اسے ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا۔

کہنے والوں کی زبان کو کون روک سکتا ہے۔ سعدیہ کی ملنے جلنے والی بلا تامل کہہ دیتی ہیں کہ وہ بڑی "بے باک" تھی ان کے ساتھ پیرزادہ صاحب کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے۔ وزارت ملنے کے چند دنوں بعد وہ کراچی آئے' تو فلیگ کار میں ہی اداکارہ بابرہ شریف سے ملنے "نیپئر روڈ" میں چلے گئے' اگرچہ اس پر انہیں بھٹو کی ڈانٹ بھی کھانی پڑی۔

پیرزادہ کی تیسری شادی کے بارے میں بعض لوگ وثوق سے کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک سرکاری افسر ڈاکٹر الف۔ و کی صاحبزادی ثمینہ سے کی تھی۔ پیرزادہ کو بندوق کی نوک پر اس لئے شادی کرنا پڑی کہ ثمینہ حاملہ ہو چکی تھی۔ سعدیہ کی سہیلیوں کا کہنا ہے کہ ثمینہ کے ہاں بچہ بھی پیدا ہوا۔ بہرحال بعد میں طلاق ہو گئی تھی۔

بھٹو عوامی جمہوریہ کوریا کے دورے سے واپس تشریف لائے تو انہوں نے اعلان کیا کہ پاکستان میں بھی جسمانی تربیت اور جمناسٹک کے مظاہرے کے ایک قومی پروگرام پر عمل کیا جائے گا۔ حکم شاہی کی تعمیل ہوئی اور نیشنل یوتھ آرگنائزیشن قائم کر دی گئی جس کا سربراہ اس وقت کے ثقافت اور تعلیم کے وفاقی وزیر جناب عبدالحفیظ کو مقرر کیا گیا۔

بھٹو کے اس منہ چڑھے وزیر نے جو بھٹو کے دور اقتدار میں خاصا بااثر تھا اس تنظیم کو اپنے "محمد شاہی" مزاج کی تسکین کے لئے استعمال کیا۔ وزیر تعلیم ہونے کے ناطے مسٹر پیرزادہ کی خواتین اساتذہ اور لیکچراروں سے ملاقات ہوتی رہتی تھی ان میں سے پشاور کی حسین و جمیل مس ثمینہ ان کے دل کو بھا گئی۔ پیرزادہ نے اشارہ کیا اور مس ثمینہ اس کے قریب آ گئی وقت گزرنے کے ساتھ دونوں کے تعلقات مزید گہرے ہوتے گئے۔ جب نیشنل یوتھ آرگنائزیشن بنائی گئی تو پیرزادہ نے اپنی محبوب نظر مس ثمینہ کو اس کا ڈپٹی ڈائریکٹر مقرر کر دیا۔ اس دوران ملاقاتیں بڑھ گئیں دن کی بجائے دونوں کی راتیں بھی اکٹھی گزرنے لگیں جس کا اہتمام ایک ڈائریکٹریس مسز مجتبیٰ کے گھر میں ہوتا تھا بات بڑھ گئی اور عشق کا رنگ چوکھا چڑھ گیا تو ثمینہ نے پیرزادہ سے شادی کا مطالبہ کیا۔ وہ راضی ہو

گئے لیکن ان کی اپنی حسین و جمیل بیوی سعدیہ آڑے آگئی وہ مسٹر پیرزادہ کے مقابلے میں مسٹر بھٹو کے زیادہ قریب اور بااثر تھی۔ وہ یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ شوہر اس کا کہلائے اور شادی کسی اور سے کرے چنانچہ پیرزادہ کے عشق کی یہ بیل بوجوہ منڈھے نہ چڑھ سکی۔

"پوکٹ ای پوکٹ" فیم نوید شہزاد کے ساتھ بھی پیرزادہ کے خاص تعلقات زبان زدعام اور دونوں بدنام ہو گئے تھے۔ مسٹر پیرزادہ نے نوید شہزاد کو بھی (جو لاہور ٹیلی ویژن کے کئی پروگراموں میں آتی رہی ہے۔) نیشنل یوتھ آرگنائزیشن کا ڈپٹی ڈائریکٹر مقرر کر دیا۔ نوید شہزاد کی پیرزادہ سے بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ وہ اسے فون پر حفیظ کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھی۔ نوید شہزاد جب "سں تھیں" اور ایک لیکچرار ہوا کرتی تھی اس نے اپنی تنہائی اور سماجی حیثیت کو سہارا دینے کے لئے ایک بے سہارا شاگرد مسٹر شہزاد سے شادی کرلی تھی جو کبھی اس کا ایم اے انگریزی کا طالب علم رہا تھا۔

پیپلز پارٹی کے ایک مقامی رہنما سلیمان بروہی جو حکومت سے قبل سلیمان زکریا کے نام سے چاکیواڑہ اور ڈرگ روڈ تھانے کا معروف ہسٹری شیٹر تھا۔ سابق وفاقی وزیر تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ کو عیاشی کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچاتا تھا وہ حفیظ پیرزادہ کو شفیع جاموٹ کے بنگلے پر مشہور فلمی ہیروئن بابرہ شریف اور اس کی بہن فاخرہ شریف کو پہنچایا کرتا' جہاں مسٹر پیرزادہ اکثر راتیں ان کے ساتھ ہی گزارا کرتے تھے۔ اس خدمت کے عوض حفیظ پیرزادہ نے سلیمان بروہی کو نیشنل سیمنٹ کو خام مال سپلائی کرنے کا ٹھیکہ دلایا تھا۔ جہاں سے وہ ہر ہفتے 40 سے 50 ہزار روپے کا بل وصول کرتا تھا۔ واضح رہے کہ سلیمان بروہی 1970ء سے قبل ایک ٹوٹے ہوئے مکان میں رہتا تھا جبکہ اب وہ ایک عالیشان بنگلے کا مالک ہے جس میں لفٹ بھی لگائی گئی ہے۔ سلیمان بروہی بھٹو صاحب کے ہر جلوس میں ان کے ٹرک کے بونٹ پر بیٹھا کرتا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ چرس کی سمگلنگ میں پیپلز پارٹی کے شفیع جاموٹ کا پارٹنر بھی رہا ہے۔



ولی خان

اسلام اور اس کی مقدس شخصیات کا مذاق اڑانے کے نتیجہ میں قدرت نے ولی خان کو جو عبرتناک سزا دی ہے، اسے پڑھ کر رتی برابر غیرت رکھنے والے انسان کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

"ولی خاں نہ صرف صوبہ سرحد بلکہ پاکستان کی ایک نامور شخصیت اور سیاست دان ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ ان کے اپنے ایک گھریلو ملازم افسر علی (جب وہ کم عمر تھا) کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔ بعدازاں جب ان کی بیٹی فلک ناز نے افسر علی سے شادی کرنے کی اجازت طلب کی تو خان صاحب آپے سے باہر ہو گئے اور شادی کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تاہم انہوں نے افسر علی کو ملازمت سے برطرف نہ کیا اور وہ ان کی بیٹی سے آزادانہ ملتا رہا۔ جب فلک ناز حاملہ ہو گئی اور دوبارہ اپنے والد سے شادی کی اجازت طلب کی تو خان صاحب نے پھر انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے لڑکا اور لڑکی نے اپنا گاؤں چھوڑ کر کسی دوسرے گاؤں جا کر شادی کر لی اور وہیں بس گئے۔ ولی خان کی خاندانی عزت و شرافت اس بات کا مطالبہ کرتی تھی کہ گھر سے بھاگنے کے جرم میں جوڑے کو قتل کر دیا جائے۔ ولی خان کے خاندان کے لوگ ان کو پکڑ کر اپنے گاؤں لے آئے اور مقامی امام مسجد اور لوگوں کے

ہجوم کے سامنے ان دونوں کو ایک درخت سے باندھ کر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ یہ سب کچھ کسی قبائلی علاقے میں نہیں بلکہ صوبہ سرحد کے ضلع مردان کے ایک گاؤں میں واقع ہوا۔

حیرت کی بات ہے کہ ہماری انسانی حقوق کی تنظیمیں اس واقعہ پر بالکل خاموش رہیں جو کہ ایک مجرمانہ فعل تھا۔ چونکہ ولی خان اور ان تنظیموں کے سرکردہ افراد ایک ہی طبقہ (Class) سے تعلق رکھتے تھے' اس لئے انہوں نے دانستہ طور پر اس اہم واقعہ کو عوام سے چھپایا۔ اگر یہ واقعہ کسی مولوی سے سرزد ہوتا تو یہ تنظیمیں آسمان سر پر اٹھا لیتیں اور پوری دنیا میں اس کا چرچا ہوتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تنظیمیں انسانی حقوق سے متعلق عوام کا شعور بلند کرنے کی بجائے صرف سیمینار اور رپورٹس مرتب کرنے تک محدود ہیں جو پوری دنیا میں لائبریریوں کی زینت بنتی ہیں۔"

ولی خان ہی نہیں بلکہ ان کے خاندان کے بہت سے افراد کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ " باچہ خان اسلام سے اتنے بیزار تھے کہ 1942ء میں ولی خاں کے تایا اور باچہ خان کے بھائی ڈاکٹر خان کی بیٹی مریم نے ایک سکھ سردار جسونت سنگھ سے شادی کر لی۔ مسلمانوں کے احتجاج کرنے پر انہوں نے کہا کہ میری بیٹی نے اپنی پسند کی شادی کی ہے' مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں' میرا اشیرباد اس کے ساتھ ہے' ڈاکٹر خان کے بیٹے سعد اللہ خان نے ایک پارسی لڑکی صوفیہ سوم جی سے شادی کی جبکہ ڈاکٹر خان کی بیوی انگریز عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی تھی۔ خود ولی خان کے والد عبدالغفار خاں کا بیان ہے کہ انہیں کبھی باقاعدہ مسلمان نہیں کیا گیا۔ انہیں اس کی پوری آزادی حاصل ہے کہ ان کا جو عقیدہ ہو' اس کی پیروی کریں۔"



میر افضل خان

میر افضل خان جو پہلے سے شادی شدہ تھے کہ 1957ء میں انہیں ایک گانے والی نسیم جان پسند آ گئی۔ نسیم جان ریڈیو پر گایا کرتی تھی۔ میر صاحب نے سنا تو دل دے بیٹھے۔ نسیم جان کے والد کو رشتہ بھیجا اور شادی رچالی لیکن اپنا سیاسی کیریئر بچانے کی غرض سے شادی کا راز فاش نہ ہونے دیا۔ نسیم بھی کوئی پڑھی لکھی نہیں تھی۔ لہٰذا جس طرح میر صاحب گزارا کرنے کو کہتے، اس پر عمل کرتی۔ جب شادی ہوئی تو نسیم کوئی 17-16 برس کی تھی۔ میر صاحب اسے دل و جان سے چاہتے تھے۔ رفتہ رفتہ محبت کا جوش ختم ہو گیا۔ 1980ء میں میر افضل خان نے نسیم کو طلاق دے دی۔ جواباً نسیم نے بھی آغا نامی شخص سے شادی کرلی۔ لیکن جب میر صاحب نے دیکھا کہ ان کی نسیم کسی دوسرے کی ملکیت میں چلی گئی تو ان سے برداشت نہ ہو سکا۔ انہوں نے نسیم جان کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ نسیم نے بالآخر آغا سے طلاق لے لی اور دوبارہ میر صاحب کے عقد میں آ گئی۔ یہ نکاح مارچ 1998ء میں مولانا کوثر نیازی نے اپنے گھر ایف سکس میں پڑھایا۔

اس نکاح کے کچھ عرصہ بعد میر صاحب دار فانی سے کوچ کر گئے تو جائیداد کے جھگڑے شروع ہو گئے۔ کیونکہ میر افضل کے بچوں اور ان کی بہن کی جانب سے نسیم جان کو میر صاحب کی بیوی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ جبکہ جواب میں نسیم جان نے عدالت عالیہ کے دروازے پر دستک دی۔



اعظم خان ہوتی

1977ء کی نظام مصطفیٰ تحریک میں شامل صف اول کی رہنما بیگم نسیم ولی کے بھائی اور سابق وفاقی وزیر، اعظم ہوتی کے پاکستانی فلم انڈسٹری کی اہم اداکاراؤں سمیت بھارت کی اداکاراؤں ہیما مالنی، ریکھا اور جوہی چاولہ کے ساتھ بھی تعلقات تھے، یہ انکشاف اعظم ہوتی کی مبینہ بیوی زیبا خان نے ایک خصوصی انٹرویو میں کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اعظم ہوتی سے میری ملاقات لاہور کے فلیٹیز ہوٹل میں کتابوں کی ایک نمائش میں ہوئی تھی، پہلی ملاقات میں ہی اس نے میرے گھر والوں سے ملنے کی خواہش ظاہر کی اور میرے گھر رشتہ لے کر پہنچ گیا، وہ پکا جھوٹا اور فراڈیا ہے۔ مجھ سے کہا کہ میں بہت مظلوم آدمی ہوں، میری بیوی مجھے چھوڑ کر چلی گئی، گیارہ سال سے تنہا ہوں۔ نسرین (ولی خان کی بیٹی) نے مجھے بڑا دکھ دیا ہے، میں متاثر ہو گئی اور گھر والوں کو بتائے بغیر 12 اکتوبر 92ء کو مردان میں اعظم سے خفیہ نکاح کر لیا جہاں سے وہ مجھے فرنٹیئر ہاؤس اسلام آباد لے آیا، وہاں وہ مجھے ایک کمرے میں بند رکھتا۔ میں ضرورت کی چیزیں انٹرکام پر ملازمین سے منگواتی تھی، وہ اس وقت وزیر تھا

اس کا پرائیویٹ سیکرٹری مشتاق اور شاہ جہاں میرے پاس آیا کرتے تھے' اعظم اکثر میرے پاس آنے کے بجائے ساتھ والے کمرے میں رہ جاتا اور کہتا میں میٹنگ کر رہا ہوں' بعد میں ملازمین سے پتہ چلتا کہ وہاں لڑکیاں آئی تھیں۔ پھر وہ مجھے یہ کہہ کر میں عمرہ کرنے جا رہا ہے۔ دبئی چلا گیا اور وہاں سے لندن گیا جہاں بھارتی اداکاراؤں کے ساتھ عیاشیاں کرتا رہا' وزارت کے بعد اعظم نے مجھے ایف ایٹ اور آئی ٹین میں رکھا اور ایک مرتبہ میں اس کے پاس ایف ایٹ گئی تو اس کے بیڈ روم میں ایک عورت لیٹی ہوئی تھی' اس نے مجھے دیکھتے ہی ڈانٹنا شروع کر دیا' بعد میں ملازمین نے بتایا کہ اعظم کی بیوی طلعت ہے' وہ فرسٹ ویمن بنک کی وائس پریزیڈنٹ ہے۔ طلعت نے مجھ سے میرے گھر کا پتہ لیا اور بتایا کہ اعظم نے اس طرح کئی شادیاں کر رکھی ہیں اور آئے روز نئی لڑکیوں کے ساتھ گھومتا ہے' بعد میں ہم دونوں نے مل کر اس پر چھاپہ مارا' اعظم مجھے نوشہرہ لے گیا' وہ بچے نہیں پیدا کرنا چاہتا تھا' میں نے ضد کی تو اس نے مجھ پر تشدد کیا اور پولیس بلا کر مجھے تھانے بھیج دیا کہ یہ عورت میری خود ساختہ بیوی بن کر مجھے نقصان پہنچانا چاہتی ہے۔ زیبا خان نے کہا کہ میں ثابت کر کے رہوں گی کہ اعظم نے مجھ سے نکاح کیا ہے' میں اس کی بیوی ہوں' مجھے اعظم کے غنڈوں سے ڈر ہے اس لئے روپوش زندگی گزار رہی ہوں۔

زیبا خان کے بارے میں مزید معلومات ملی ہیں' ذرائع کے مطابق اعظم ہوتی نے زیبا خان کو پہلی دفعہ دیکھتے ہی اپنی مادری پشتو میں اپنے ساتھ کھڑے ایک پٹھان کو کہا "بجلی ہے بجلی" مختلف ذرائع نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اعظم ہوتی اس بجلی کے گرتے ہی وزیر اعظم نواز شریف کے ابتدائی ایام میں لاہور کے ہو کر رہ گئے اور اکثر زیبا کو رات کے کھانے پر مدعو کرتے بعد ازاں اسلام آباد آنے اور وزیر بننے کے بعد اعظم ہوتی نے بار بار لاہور جانے اور "بجلی" پر اپنا وقت ضائع ہونے سے بچانے کے لئے زیبا خان کو مستقل خود پر گرانے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر زیبا خان اعظم ہوتی کو تڑپانے اور خود پر پیسے لٹوانے کے لئے اعظم ہوتی کو ادائیں دکھا کر غائب ہونے لگی جس پر اعظم ہوتی نے "بجلی" سے مکمل طور پر محفوظ ہونے کے لئے اس سے وقتی شادی کا فیصلہ کر لیا۔ اعظم ہوتی کی نجی محفلوں کے مختلف ذرائع اور ان کے ایک قریبی دوست کے مطابق اعظم ہوتی نے جب زیبا خان کو

شادی کی آفر کی تو زیبا خان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ ایک وفاقی وزیر اور صوبہ سرحد کا اہم سیاسی "شہزادہ" اس سے شادی کر لے گا۔ ذرائع نے یہ بھی انکشاف کیا کہ زیبا خان کو اس بات کا بھی علم تھا کہ اعظم ہوتی پہلے سے شادی شدہ ہونے کے علاوہ ایک عاشق مزاج شخص ہے۔ زیبا کی خواہش تھی کہ اعظم اسے برملا اپنی بیوی تسلیم کرے لیکن اعظم ہوتی نے نہ صرف اس حقیقت سے انکار کر دیا بلکہ زیبا پر طرح طرح کے الزامات لگانے شروع کر دیئے۔ ڈرایا دھمکایا حتیٰ کہ اس کے خلاف تھانوں میں مقدمات تک درج کرانے سے بھی گریز نہ کیا۔ زیبا سے جب کوئی بات بن نہ پڑی تو اس نے عدالت سے رجوع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ 1998ء کے اوائل میں زیبا عاصمہ جہانگیر سے ملی اور تمام صورت حال سے اسے آگاہ کیا۔ تب جا کر لوگوں کو معلوم ہوا کہ شراب و شباب کے گناہ آلود کھیل میں ایک نام اعظم ہوتی کا بھی شامل ہے۔

زیبا نے اپنا حق حاصل کرنے کے لئے عدالت سے بھی رجوع کیا لیکن وہاں بھی اسکی شنوائی نہ ہوئی حالانکہ زیبا نے دعویٰ کیا تھا کہ اگر اعظم ہوتی اسے اپنی بیوی تسلیم نہیں کرتا تو اس کے خلاف زناء کا مقدمہ قائم کیا جائے مگر عدالت عالیہ نے رٹ Dispose Off کر دی۔ بس اس کے آگے ہم کچھ کہیں گے تو مبادا توہین عدالت' ہو جائے اس لئے چپ ہی بھلی ----- اگرچہ بقول شاعر۔

جو چپ رہے گی زبان خنجر
لہو پکارے گا آستیں کا

خفیہ شادی پر وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ

وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس میاں محبوب احمد، جسٹس فدا احمد اور جسٹس اعجاز یوسف پر مشتمل تین رکنی فل بنچ نے عائلی قوانین میں طلاق، دوسری شادی اور وراثت سے متعلق دائر کی جانے والی 37 مختلف درخواستوں پر اپنا مختصر فیصلہ جاری کیا اور کہ کہ ایک سو سے زائد صفحات پر مشتمل تفصیلی فیصلہ بعد میں جاری کیا جائے گا وفاقی شرعی عدالت نے قرار دیا ہے کہ خفیہ نکاح غیر اسلامی ہے اور نکاح کی رجسٹریشن نہ کروانے والوں کی پہلے سے موجود سزا میں دوگنا اضافہ کر دیا۔ ا. یہ سزا تین ماہ سے بڑھ کر چھ ماہ کر دینے کے لئے قانون میں ترمیم کرنے کا حکم جاری کیا ہے۔ عدالت نے اپنے فیصلہ میں قرار دیا ہے کہ اسلام میں خفیہ شادی کی کوئی گنجائش نہیں۔ نکاح کی رجسٹریشن لازمی کرنا قرار دی گئی ہے اس سلسلے میں وفاقی شرعی عدالت نے لاہور ہائی کورٹ کے ایک فیصلہ کا بھی حوالہ دیا جس میں خفیہ شادی کو خلاف اسلام قرار دیا گیا۔ شرعی عدالت نے اپنے فیصلہ میں شوہر کی جانب سے بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کرنے پر قرار دیا کہ بیوی کے والدین اور خود بیوی بھی اس شوہر سے نان نفقہ کے لئے دعویٰ کر سکتے ہیں۔ جمعیت علماء اسلام کے مرکزی کونسل کے اراکین مولانا عبدالمالک، حاجی احسان الحق، حاجی محمد ایوب مممند، مولانا محمد امین اور صوبائی جنرل کونسل کے رہنماؤں مولانا عبداللطیف اور مولانا عبدالسلام نے وفاقی شرعی عدالت کے تاریخی فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ خفیہ نکاح حرام ہے تو پھر اعظم ہوتی، شیخ رشید، چودھری نثار، پیر صابر شاہ اور شہباز شریف کی خفیہ شادیوں کو منظر عام پر لایا جائے اور نکاح تجدید کرایا جائے۔ جمعیت کے رہنماؤں نے یہ بھی کہا کہ متاثرہ خواتین کو اسلامی حقوق کے مطابق ان کا نان و نفقہ دیا جائے اور مذکورہ بالا افراد کو وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے مطابق حسب جرم سزا دی جائے۔



غلام مصطفیٰ جتوئی

جاگیرداروں کے ہاتھوں عورت کی عزت پامال بھی ہو تو وہ اپنے لٹنے پر آہ و زاری بھی نہیں کر سکتی کیونکہ اس کی چیخ و پکار جاگیروں کے آہنی قلعوں کے اندر گھٹ کے رہ جاتی ہے۔ اور اگر جاگیردار بھی غلام مصطفیٰ جتوئی جیسا ہو تو پھر پرندے کی بھی کیا مجال کہ بغیر پوچھے پر مار سکے۔ غلام مصطفیٰ جتوئی آج بھی سندھ کے سب سے بڑے جاگیردار ہیں۔ موصوف جن دنوں وزارت اعلیٰ کے مزے لوٹ رہے تھے ان دنوں وزیر اعلیٰ ہاؤس بھی رنگینیوں میں ڈوبا رہتا تھا۔ نسرین منہاس کو تو لوگ اب تک نہیں بھول پائے۔ جن پر جتوئی صاحب کی نوازشات کی بارش ہوا کرتی تھی۔ لیکن جتوئی سے یارانے کا سب سے زیادہ مزہ تو معروف پاپ سنگر نازیہ اور زوہیب کی والدہ منیزہ نے لوٹا۔ جتوئی صاحب بھی عمر کے پچھلے پہر میں محترمہ کو نہیں بھولے، جب وہ عبوری دور میں وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے تو منیزہ کو اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندہ بنا دیا گیا۔



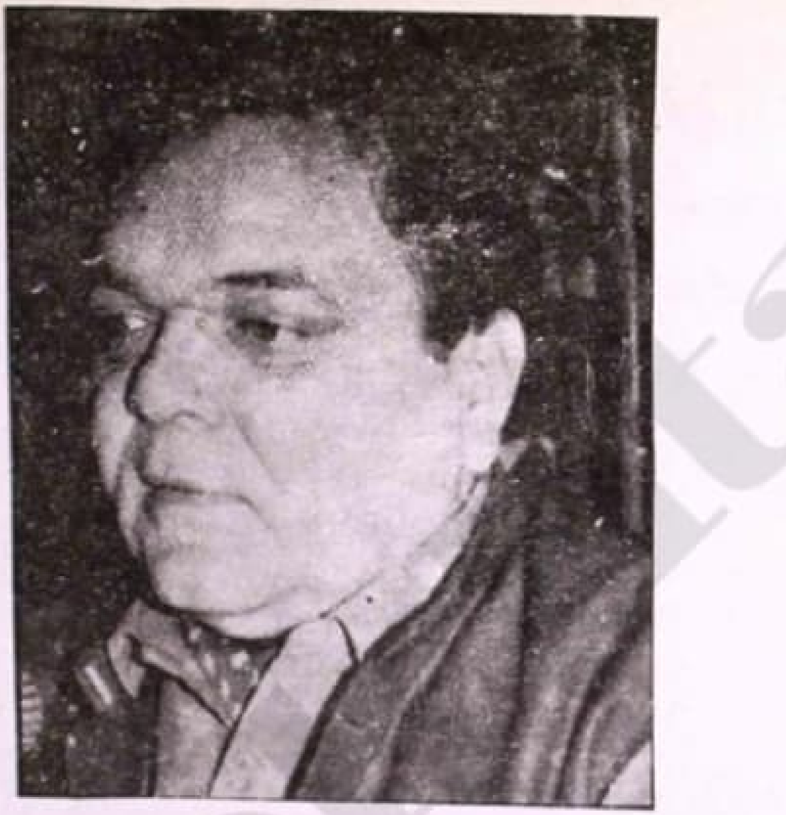
نواب صادق علی خان عباسی

سیاستدانوں کی بداعمالیاں جب عروج پر ہوں تو نوابزادے کس طرح پیچھے رہ سکتے ہیں۔ ریاست بہاولپور قیام پاکستان کے وقت اس اسلامی مملکت میں شامل ہونے والی سب سے بڑی ریاست تھی۔

انگریزی زبان کے معروف مصنف وی ایس نیپال نے حال ہی میں پاکستان کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا عنوان (Beyond Belief) ''ناقابل یقین'' رکھا ہے اس میں ایک باب بہاولپور کے سابق حکمران نواب صادق علی خان عباسی کے بارے میں ہے جو واقعی ناقابل یقین معلوم ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''1954ء میں ریاست کے پاکستان میں ضم ہو جانے تک انہوں نے بہاولپور پر حکومت کی۔ اس کے بعد وہ برطانیہ چلے گئے اور اپنی موت تک وہاں مقیم رہے۔ نواب صاحب کا رنگ کالا تھا مگر وہ گوری عورتوں کے بہت شوقین تھے۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ ان کے بچے گورے رنگ کے ہوں۔ بہاولپور کے ایک صحافی نے جس کی رسائی بہاولپور کے حرم تک تھی مجھے بتایا کہ محل میں انگریز عورتوں اور بچوں کے لئے الگ عمارت مخصوص تھی۔ ہندوستانی بیویاں تو انگریز بیویوں کے بارے میں آگاہ تھیں جبکہ انگریز بیویوں کو ہندوستانی بیویوں کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ ہندوستانی بیویوں کے پاس جانا ہوتا تو وہ کہتے

کہ دورے پر جا رہے ہیں اور قافلہ کے سامنے روانہ ہو کر محل کے پچھلی جانب چلے جاتے۔ نواب صاحب کے حرم میں 340 عورتیں تھیں جن میں اکثر کو نواب صاحب سے صرف ایک بار "ملنے" کا موقع ملا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں سے کئی بعد میں ہسٹریا کی مریض بن گئیں۔ جب فوج نے دربار محل پر قبضہ کیا تو بے شمار فحش میگزین ملے جن سے وہ لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ فوج نے ایک گڑھا کھود کر ان تمام بے ہودہ رسائل کو دفن کر دیا۔



مختار اعوان

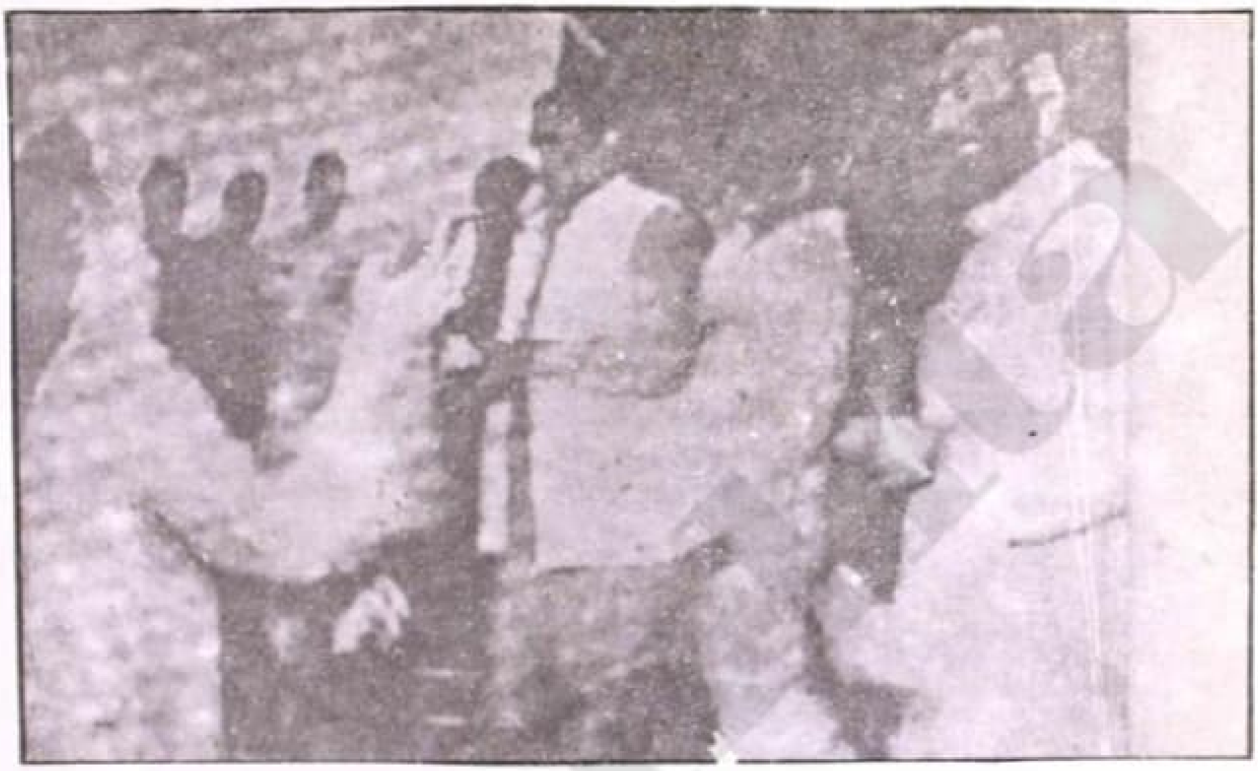
مختار اعوان پیپلز پارٹی کے بڑے اہم رہنماؤں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور سے پارٹی سے وابستہ تھے۔ "عشق نے نکما کر دیا" کے مصداق عیش پرست طبیعت نے انھیں سرعام رسوا کر دیا۔ ان کے ساتھ جو ہوا' وہ شاید بہت کم مردوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہوا یوں کہ بینظیر کے دور حکومت میں مختار اعوان جو ان دنوں صوبائی وزیر کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تھے۔ اسلام آباد کے ایک اعلیٰ ہوٹل میں معروف ماڈل گرل کے ساتھ اپنی تھکن اتارنے میں مصروف تھے۔ کسی ظالم نے اس کارروائی کی اطلاع ان کی بیگم کو کر دی۔ موصوفہ نہایت دبدبے اور جلال والی خاتون ہیں' "فوراً" ہوٹل کے کمرے میں جا پہنچی' شوہر کو ناشائستہ لباس میں ہی گھسیٹتے ہوئے ہوٹل کی لابی میں لے آئیں اور جوتوں کی بارش کر دی موقع پر موجود درجنوں لوگ اس بروقت احتساب پر بہت حیران ہوئے۔ تاہم اعوان صاحب کو جان بچانے کے لئے جوتی چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔



چودھری شیر علی

چودھری شیر علی نواز شریف کے قریبی عزیزوں میں سے ہیں۔ میاں صاحب کی چچا زاد یعنی طارق شفیع کی بہن چودھری شیر علی کے گھر ہے۔ دوسری جانب میاں طارق شفیع اور شہباز شریف ہم زلف ہیں۔ اس حوالے سے بھی شہباز شریف اور چودھری شیر علی میں خاصی قربت پائی جاتی ہے۔

چودھری صاحب تو ابتداء ہی سے عیش پرست واقع ہوئے تھے لیکن جوں جوں وہ سیاسی منازل طے کرتے ہوئے اقتدار کی سیڑھیاں چڑھتے گئے ان کی شرانگیزیاں بھی بڑھتی گئیں۔ خاص طور پر چودھری صاحب نے اپنی جوانی کے ایام فیصل آباد کے بازار حسن کی نذر کر دیئے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب فیصل آباد (تب لائل پور) میں الماس بائی کے بڑے چرچے تھے کیونکہ اس کی تین بیٹیاں نسیم امتیاز' زرینہ اور عشرت تھیں۔ قیامت خیز حسن کے باعث ضلع بھر کے تماش بین الماس بائی کے کوٹھے کے پھیرے لیتے دکھائی دیتے تھے۔ ان پھیرا بازوں میں ایک نام چودھری شیر علی کا بھی ہے۔ چودھری صاحب عشرت عرف اچھو بائی کی زلف گرہ گیر کے اسیر تھے۔ عشرت کی شادی ہو چکی تھی اور اس میں سے



عامر شیر علی ٹن حالت میں طوائف پر نوٹ نچھاور کرتے ہوئے

اولاد بھی تھی لیکن چودھری شیر علی سب کچھ جانتے ہوئے بھی عشرت کو اپنانے کی خواہش رکھتے تھے' اس حوالے سے چودھری صاحب شاید نیک جذبات رکھتے تھے کہ اللہ نے ان کی سن لی اور چودھری صاحب عشرت کو بیاہ کر گھر لے آئے لیکن شریف خاندان کی بیٹی نے سوتن اور وہ بھی کوٹھے کی' کو برداشت کرنے سے انکار کر دیا۔ چودھری شیر علی نے عشرت کو گھر والوں کے ساتھ رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن تمام کاوشیں بے سود ثابت ہوئیں۔ بعد ازاں چودھری صاحب نے عشرت کو گلستان کالونی فیصل آباد میں نیا مکان خرید کر دے دیا اور یوں عشرت نے چودھری صاحب کے طفیل گھریلو زندگی کا آغاز کر دیا اس نیکی کے باوجود بھی چودھری صاحب نے گھر کے علاوہ منہ مارنا ختم نہیں کیا اور رنگینیاں جاری رکھیں۔ جس کا اندازہ ان کے بیٹے چودھری عامر علی کی شادی پر منعقد کئے گئے مجرے سے کیا جا سکتا ہے جس میں جناب شہباز شریف کی سفارش سے اداکارہ ریما کو خصوصی طور پر بلایا گیا۔ تماش بینوں کو لٹو کی طرح گھمانے والی ریما نے ایک عدد پلاٹ اور لاکھوں روپے کے عوض برہنہ رقص کیا۔ اور میزبانوں کے دل جیت لئے۔ باپ کی جانب سے وراثت میں ملنے والے عیاش رویئے نے چودھری عامر علی پر بھی بھرپور اثر ڈال رکھا ہے۔ ان کے

قصے بھی فیصل آباد کے شہریوں نے ازبر کئے ہوئے ہیں شاید یہی وجہ تھی کہ جب جماعت اسلامی کے زیر اہتمام لاہور پریس کلب میں ان مجروں کی ویڈیو دکھائی گئیں جن میں چودھری عامر علی طوائفوں پر ٹن ہو کر نوٹ نچھاور کر رہے ہیں تو لوگوں نے ویڈیو فلم دیکھ کر کہا تھا کہ اس میں کون سی نئی بات ہے۔ بیٹے نے آخر باپ پر ہی تو جانا تھا۔ نواز شریف کے ہر دور میں چودھری شیر علی نے خوب چھکے لگائے اور ایک بار جب نواز شریف کے آخری



چوہدری شیر علی کی اہلیہ عشرت چوہدری

وزارت عظمیٰ میں شیر علی کے خلاف ایک ریفرنس سیف الرحمان کے حوالے سے احتساب بیورو کو بھیجا گیا تو شیر علی نے قومی اسمبلی کے ایوان میں یہ دھمکی دے کر ساری کارروائی رکوا دی کہ مجھ پر الزامات لگانے والے خود شیشے کے گھر میں بیٹھے ہیں۔ ان کا اشارہ خود شریف فیملی کی مالی اور اخلاقی بے قاعدگیوں کی طرف تھا۔ اس دھمکی کے بعد خاموشی چھا گئی بقول شاعر۔

پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی



مشتاق اعوان

وزیر یا تدبیر کے ایک کردار مشتاق اعوان ہیں۔ جن کے بارے میں میر مرتضیٰ بھٹو نے ایک بار کہا تھا کہ میں پیپلز پارٹی کو ناہید خان اور مشتاق اعوان سے بچانا چاہتا ہوں۔ یہ بات مشتاق اعوان کے کھاتے میں خوبی کے طور پر لکھی گئی اور اسے ناہید خان کی سفارش پر صوبائی صدر بنا دیا گیا۔ 1992ء کے انتخابات کے دوران اس نے میاں شہباز شریف سے اپنی پارٹی کے امیدوار امیر علی بھٹی کو ہرانے کے لئے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ جس کی تصدیق امیر علی بھٹی کے بھانجے اور ڈوگر مرحوم کے بھائی نے بھی کی۔ ان دنوں مشتاق اعوان رات کے وقت شراب کے نشے میں مست ہو کر انتخابی دفتر آتے اور گھنٹوں ناہید خان سے گپ شپ کرتے رہتے۔ انھیں نشہ کی حالت میں امیر علی بھٹی سے بار بار یہ کہتے سنا گیا کہ "کڑیاں کتھے نیں" آج تک ان کڑیوں کا تو معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں البتہ مشتاق اعوان کے بارے میں پتہ ہے کہ وہ جیل میں ہیں۔

حاجی مقصود بٹ

سابق رکن پنجاب اسمبلی حاجی مقصود بٹ شاہ عالم مارکیٹ میں عام سے دکاندار ہوا کرتے تھے۔ پھر وہ انجمن تاجران کی سیڑھی چڑھ کر ملکی سیاست میں وارد ہوئے تو دولت ان کے گھر کی باندی بن گئی۔ حاجی صاحب نے اللہ کی طرف سے عطا کردہ اس دولت کو صرف اپنے تئیں محدود نہ رکھا بلکہ کئی حسین چہروں کو بھی اپنی اس دولت سے فیض یاب کرتے رہے عورت کو شمع محفل سمجھنے والے حاجی صاحب شمع کو مستقل جلائے رکھنے کے لئے ایندھن کی وفار مقدار فراہم کرتے رہے۔ اس لئے اس سازو آواز کی محفلوں کا سلسلہ کسی نہ کسی تاجر کی کوٹھی پر چلتا رہا اور حاجی صاحب اس محفل میں بہ نفس نفیس جلوہ افروز ہوتے۔ ایک ایسی ہی محفل ڈیفنس میں جاری تھی لال پری کے دور چل رہے تھے۔ نوٹوں کے اشارے پر بازار حسن کی پتلیاں تھرک رہی تھیں کہ کسی ظالم نے ڈیفنس پولیس کو اطلاع کر دی۔ کہ 915 زیڈ بلاک میں دو اشتہاری آکر ٹھہرے ہوئے ہیں اشتہاری تو نہ مل سکے البتہ پولیس نے چند صحافیوں کے ہمراہ کوٹھی پر چھاپہ مارا تو رکن پنجاب اسمبلی حاجی مقصود احمد بٹ سمیت 7 افراد اور 9 حسینائیں ان کے ہتھے چڑھ گئیں۔

پولیس پارٹی نے سب انسپکٹر نقی شاہ کی زیر قیادت یہ کارروائی کی تھی۔ نقی شاہ کہتے ہیں حاجی صاحب کی سجائی گئی محفل کے رنگ میں بھنگ ڈالنے کے جواب میں مجھے اتنے دباؤ کا سامنا کرنا پڑا کہ بیان سے باہر ہے۔ جتنی دھمکیاں مجھے اس کارروائی کے بدلے میں ملیں، بڑے سے بڑے مجرم کی گرفتاری میں بھی کبھی مجھے ان کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ اور نتیجتاً" ایک سب انسپکٹر اپنے افسران کے آگے ہار گیا۔ اور ان مجرموں کو بغیر مقدمہ درج کئے راتوں رات باعزت بری کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ کوٹھی کے مالک ناصر کے خلاف بھی صرف شراب رکھنے کا مقدمہ درج کیا گیا۔

مخدوم احمد محمود

سابق رکن قومی اسمبلی مخدوم احمد محمود نہ صرف سحرش خان کو دل دے بیٹھے بلکہ ان کو جہاز اڑانا بھی سکھاتے رہے۔ ایک روز والٹن ایئرپورٹ پر فضا میں محو پرواز ہوا ہی تھا کہ ہچکولے کھاتا ہوا رن وے کے بجائے ایک کھیت میں اتر گیا۔ خوش قسمتی سے طیارے کا صرف ایک پہیہ تباہ ہوا تاہم موجودہ سواریاں بال بال بچ گئیں۔ ان سواریوں میں مخدوم احمد محمود' سحرش خان اور کیپٹن شاکر موجود تھے۔ حادثہ کا شکار ہونے والا یہ طیارہ مخدوم صاحب نے حال ہی میں خریدا تھا۔ تربیتی پرواز میں دو سے زائد افراد سفر نہیں کرسکتے لیکن اس طیارے میں تین افراد سوار تھے۔ جن میں ہواباز عقبی نشست پر تھا۔ جبکہ مخدوم صاحب جن کے پاس سٹوڈنٹ لائسنس ہے' طیارہ چلا رہے تھے۔ اور ان کے ساتھ انسٹرکٹر کے بجائے سحرش خان براجمان تھیں۔ دل کے ہاتھوں مجبور بندہ اور کیا کرتا .... کیونکہ یہ تو صرف جہاز اور اس کی ڈرائیونگ کی بات تھی۔ ورنہ تو یار لوگوں نے کروڑوں روپے کی جائیدادیں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر برباد کر دیں۔

احمد کمال

جہاں سیاستدان اپنی عیاشیوں میں مصروف رہے۔ وہاں بیرون ملک سفارتکار بھی اس سلسلے میں پیچھے نہ رہے۔ اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب احمد کمال نے اس حوالے سے خاصا نام کمایا ہے۔ انہوں نے تو اپنی رہائش گاہ پر دیکھی جانے والی فحش فلموں کا کرایہ بھی سرکاری خزانے سے ادا کیا۔ 18 نومبر 1996ء کو سیکرٹری خارجہ نجم الدین شیخ

افغانستان کے حوالے سے ایک کانفرنس میں شرکت کے لئے امریکہ تشریف لائے تو احمد کمال کے گھر بطور مہمان رہائش پذیر ہوئے۔ ان کے قیام کے دوران فحش ٹی وی چینل "پلے بوائے" کے ذریعے دو گھٹیا ترین فلمیں دیکھی گئیں۔ ؟ س کا بل 9 ڈالر 90 سینٹ حکومت پاکستان کے کھاتے سے ادا کیا گیا۔

معین جان مقیم

1994ء میں برطانیہ میں پاکستانی ہائی کمشن کے ڈپٹی ہائی کمشنر معین جان مقیم نے سرکاری موبائل ٹیلی فون کے ذریعے فحش کالوں پر ہزاروں روپے اڑا دیئے۔ اس بات کا انکشاف اس وقت ہوا جب محترمہ بینظیر بھٹو وزیراعظم کی حیثیت سے برطانیہ کے دورے پر گئیں۔ تب ہائی کمشن نے تمام کارکنوں سے رابطہ رکھنے کے لئے آدم فونز' 5 ڈالفن سکوائر ایڈنسر روڈ لندن سے کچھ موبائیل ٹیلی فون کرائے پر لئے۔ معین جان مقیم صاحب کے پاس 0831-695692 کے نمبر والا فون تھا۔ 27 نومبر 1994ء سے 4 دسمبر 1994ء تک صرف ایک ہفتہ میں اس فون کا 414.74 پاؤنڈ یعنی 30 ہزار روپے بل آیا۔ تحقیقات پر معلوم ہوا کہ ڈپٹی ہائی کمشنر صاحب نے صرف 8 دنوں کے دوران فحش کالوں کے لئے مخصوص نمبرز پر 176 یونٹس ضائع کئے۔

قدرت کا انتقام

بہاولنگر سے تعلق رکھنے والے سابق وفاقی وزیر نواز شریف کے پہلے دور میں اپنی بیگم کے ہمراہ سیر و تفریح کے لئے لندن گئے۔ اس سیر و تفریح کے اخراجات کے لئے انہوں نے ظاہر یہ کیا کہ میری بیگم بیمار ہے۔ اور حکومت اپنے خرچہ پر اس کا علاج کروائے۔ اور خود کو انہوں نے تیمار دار کے طور پر ساتھ جانا ظاہر کیا۔ اسی طرح حکومتی خزانے سے بھاری تعداد میں زرمبادلہ حاصل کیا اور بیماری کے بہانے لاکھوں روپے سیر و تفریح پر خرچ کر

ڈالے۔ کہتے ہیں قدرت جب کسی سے انتقام لینا چاہتی ہے تو انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ اس واقعہ کی دلچسپ بات یہ ہے کہ وزیر موصوف نے کاغذات میں اپنی بیوی کو لاحق جس بیماری کا ذکر کیا وہ یہ تھی کہ "میری بیوی کی بچے دانی ٹیڑھی ہو گئی ہے۔"

چودھری محمد اشفاق

بیان کیا جاتا ہے کہ ناز سینما ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ایک ڈرامہ "نچدے گھنگرو" شروع ہوا جس کے افتتاحی شو کے مہمان خصوصی سابق ایم این اے چودھری محمد اشفاق تھے۔ لاہور سے آنے والی رقاصائیں ڈھول کی تھاپ پر رقص کر رہی تھیں۔ ایک فحش قسم کا انڈین گانا چل رہا تھا نوٹوں کی بارش جاری تھی جس میں سابق ایم این اے چودھری اشفاق احمد پیش پیش تھے مقامی انتظامیہ کو اس پروگرام کی اطلاع ملنے پر اسسٹنٹ کمشنر کی سربراہی میں چھاپہ مارا گیا اور تمام اداکاروں اور اداکاراؤں کو حراست میں لے لیا گیا اس واقعہ کی خبر سنتے ہی شہر میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ علمائے کرام کی طرف سے اس بے حیائی کے پروگرام کی پرزور الفاظ میں مذمت کی گئی۔

طاہر سلطان

طاہر سلطان (ایم این اے) جھنگ کے معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ قومی اسمبلی کے رکن رہے۔ لیکن اللہ کے اتنے کرم کے باوجود "دل پشوری" سے باز نہیں آئے۔ حتیٰ کہ ان کی اہلیہ شیلا جیلانی نے ان کے خلاف کورٹ میں رٹ دائر کر دی۔ جس میں مطالبہ کیا گیا کہ طاہر کو گھریلو اخراجات ادا کرنے کا حکم دیا جائے۔ شیلا کا کہنا تھا کہ 30 مئی 1989 کو میری شادی طاہر سلطان سے ہوئی کچھ عرصہ تو تعلقات بہت اچھے رہے لیکن پھر طاہر کے رویہ میں تبدیلی آنا شروع ہو گئی۔ وہ گھر کم آتے اور باہر زیادہ وقت صرف کرتے۔ میں احتجاج کرتی تو کہتے لوگوں کے کام کاج میں دیر ہو جاتی ہے۔ سیاست کام ہی

ایسا ہے۔ شیلا کہتی ہیں دراصل صورت حال ایسی نہیں تھی طاہر نے غیر عورتوں میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ شراب اور شباب کی خاطر انہوں نے گھر بار تک فراموش کر دیا۔ ان حرکات سے گھریلو زندگی تلخ ہونا شروع ہو گئی۔ شیلا نے طاہر کو ان حرکتوں سے باز آنے کے لئے کہنا شروع کر دیا جس سے آئے روز کا جھگڑا معمول بن گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طاہر نے دو سال قبل شیلا کو دونوں بچوں سمیت گھر سے نکال دیا۔ اور وہ اپنے دونوں بچوں کو لے کر اپنے والدین کے گھر آ گئی۔ اتنے بڑے حادثے کے باوجود طاہر نے اپنے لچھن درست کرنے کے بجائے شمائلہ سے شادی کر لی۔ شمائلہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اکثر مالدار لوگوں سے شادی رچا کر ان سے زمین و جائیداد اپنے نام لکھوا لیتی ہے اور کچھ عرصہ کے بعد طلاق لے لیتی ہے۔ شیلا بتاتی ہیں کہ طاہر کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ شمائلہ نے دو کروڑ کی زرعی اراضی اپنے نام منتقل کرا لی۔ جب طاہر کا ہاتھ تنگ ہونا شوع ہوا تو انہوں نے شیلا کو خرچہ بھیجنا بند کر دیا۔ حالانکہ ان کی بیٹی شرمین سلطان البنات فاؤنڈیشن مین گلبرگ اور بیٹا حیدر سلطان لاہور گرائمر سکول ایم ایم عالم روڈ میں زیر تعلیم تھے۔ جب گھریلو طور پر معاملہ حل نہ ہوا تو شیلا نے عدالت میں دعویٰ کر دیا اور اس طرح ایک معزز گھرانہ سرعام رسوا ہوا۔

رانا حیات

نواز شریف کے ذاتی دوست اور اس وقت کی حکمران جماعت آئی جے آئی کے رکن قومی اسمبلی رانا حیات کا خاندان "بھائی پھیرو کے رانا" کہلاتا ہے اور اس خاندان کے بعض افراد طالبات کے سرکاری سکول میں گھس کر ایک طالبہ فرحانہ سے زیادتی کے الزام میں خاصی شہرت پا چکے ہیں۔ اسکے علاوہ ان کے خاندان کے چند بدمعاشوں نے اپنے خلاف آواز اٹھانے پر ایک ڈاکٹر اسحاق کمجی کے کلینک میں گھس کر اور توڑ پھوڑ کے بعد اسلحہ کے زور پر ڈاکٹر کو ننگا نچوایا' بیٹے کو زدو کوب کیا اور ایک لاکھ روپے تاوان کی ادائیگی کی شرط پر زندہ چھوڑ دیا اس ظلم کی خبریں جب اخبارات میں شائع ہوئیں تو رانا حیات اسمبلی میں

اخبارات پر گرجتے برستے رہے اور وزیراعظم نواز شریف سے آئی جے آئی کے پارلیمانی اجلاس میں بھی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹنے کے مصداق احتجاج کیا کہ اخبارات جھوٹی خبریں چھاپ رہے ہیں۔ ان کی شکایت پر وزیراعظم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا آپ فکر نہ کریں میں جانتا ہوں آپ لوگ شریف آدمی ہیں آپ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو گی کے جواب میں بھائی پھیرو کی شہری انجمن نے کہا کہ اگر رانا خاندان کے دہشت گردوں کو سزا نہ ملی تو سینکڑوں لڑکیاں خود کو آگ لگا کر ہلاک کرنے پر مجبور ہو جائیں گی۔ ان کا کہنا تھا کہ حکمران جماعت کا ایم این اے رانا حیات جھوٹا شخص ہے۔ اس پر درجنوں فوجداری مقدمات ہیں جن میں اغوا برائے تاوان' ٹارچر سیل چلانے اور مارپیٹ کے علاوہ منشیات کے اڈوں کی سرپرستی اور ایک ملزم کو تھانے کے لاک اپ سے زبردستی چھڑانے کا مقدمہ بھی شامل ہیں۔

اخباری اطلاعات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایم این اے رانا حیات کے سگے چچا اور ضلع کونسل کے رکن رانا باغ نے ایک بے سہارا عورت کی 28 ایکڑ زرعی اراضی جعلسازی سے ہتھیا لی اور مقدمہ کرنے پر اسے نکاح کا پیغام بھجوا دیا۔ یہ عورت جو پہلے لاکھوں میں کھیلتی تھی آج کل اپنی دو نوجوان لڑکیوں کے ساتھ چھوٹے سے مکان میں پناہ گزیں ہے اور اس کا ذریعہ آمدنی بھی کوئی نہیں کہ مقدمہ بازی کر سکے۔

سکندر بوسن

اسلامی جمہوری اتحاد کے رکن اسمبلی سکندر بوسن مجرموں کو ملازمت اور پناہ فراہم کرنے کے حوالے سے خاصے معروف ہیں۔ حال ہی میں سکندر بوسن کے باڈی گارڈ عجائب عرف عجیبا اور عباس عرف عباسا نے ملتان کے نواحی گاؤں جھوک وینس میں رہائش پذیر ایک پٹھان مزارع کے گھر میں گھس کر اس کی دو نوجوان بیٹیوں کی گھر والوں کے سامنے آبرو ریزی کی۔ ان لڑکیوں کی چند دنوں بعد شادیاں ہونے والی تھیں۔ پولیس نے مجرموں کو ایم پی اے سکندر بوسن کے گھر سے گرفتار کیا' مگر ایم پی اے کے خلاف مجرموں کو پناہ

دینے کا مقدمہ نہیں بنایا جبکہ اس وقت کے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے متاثرہ خاندان کو ایک لاکھ روپے اور یہ تسلی دے کر خاموش رہنے کا کہا ہے کہ مجرموں کو خصوصی عدالت سے سزائیں دلوائیں گے۔

ارشد میتلا

"پنجاب کے ایک سابق رکن اسمبلی ارشد میتلا نے میری سات سالہ بچی کو جو اس کے گھر میں ملازم تھی غائب کرا دیا۔ جس دن میری بچی غائب ہوئی' اس صبح ارشد میتلا کا ایک پالتو ہرن مکان کی چھت سے گر کر زخمی ہو گیا۔ ارشد میتلا نے میرے پانچ سالہ بچے کو اس واقعہ کا ذمہ دار ٹھہرایا اور اس کے لئے سزا تجویز کی کہ جتنی بلندی اور جس چھت سے اس کا پیارا ہرن گرا ہے' وہیں سے اس "ملزم" بچے کو بھی گرایا جائے۔ بچہ جو صبح سے ارشد میتلا کی حویلی میں قید تھا' اس کو شام کے وقت چھت پر لے جا کر بے دردی کے ساتھ نیچے گرا دیا گیا۔ بچے کی ٹانگ اور بازو ٹوٹ گیا۔ اسی حالت میں میرے معصوم بچے کو ارشد میتلا کے ملازم میرے سامنے صحن میں پھینک گئے۔ رات گزرنے لگی لیکن میری بچی گھر واپس نہ پہنچی تو مجھے فکر لاحق ہوئی۔ میں ارشد میتلا کی حویلی گئی تو مجھے بتایا گیا کہ بچی تو آج آئی ہی نہیں۔ اگلے روز میرے شوہر کے خلاف ایک جھوٹا مقدمہ درج کرایا گیا اور ارشد میتلا کے آدمیوں نے ہمیں گاؤں سے نکال دیا۔ وہ دن اور آج کا دن ہے ہمیں ہماری معصوم بچی نہیں ملی۔ مجھے مکمل یقین ہے کہ اسے زیادتی کے بعد قتل کر دیا گیا ہے۔"

یہ ہولناک انکشاف رواں سال پی ٹی وی کے ایک پروگرام "حوا کے نام" میں اس معصوم لڑکی کی والدہ نے کیا۔ واضح رہے کہ ارشد میتلا کئی بار اعلیٰ عدالتوں میں یہ وعدہ کر چکا ہے کہ اس کو اگر کچھ مہلت دی جائے تو وہ لڑکی کو واپس کر دے گا لیکن یہ وعدہ کبھی پورا نہیں ہو سکا۔ کوئی بھی عدالت اور پولیس اس سے لڑکی کو برآمد نہیں کر سکی۔ وجہ یہ

ہے کہ ارشد میتلا ایک باثر سیاست دان اور بہت بڑا زمیندار ہے اور ماضی کے واقعات کو دیکھتے ہوئے یہ آسانی کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے اثر و رسوخ کے سامنے عدالتیں اور دیگر انتظامی ادارے بے بس ہیں۔

بلور خاندان

بلور خاندان کا ملکی سیاست میں گہرا عمل دخل ہے۔ صوبہ سرحد میں یہ خاندان انقلابی نظریات کا علمبردار شمار کیا جاتا ہے۔ سیکولرازم ان کی رگ رگ میں رچا بسا ہوا ہے۔ اس کے باوجود غلام احمد بلور کھربوں میں کھیلتے ہیں۔ پشاور میں ان کے درجنوں سینما چلتے ہیں۔ جن میں زیادہ تر فحش فلمیں چلائی جاتی ہیں۔ ان کے خلاف کارروائی کرنے کے بجائے انتظامیہ کے بعض اعلیٰ افسر خود ٹوٹے دیکھنے جا پہنچتے ہیں۔ یار لوگوں کا کہنا ہے کہ انہی "ٹوٹوں" کی کمائی نے بلور خاندان کو معاشی استحکام دے رکھا ہے۔

اکرام اللہ خان نیازی

اکرام اللہ خان نیازی ایک معروف مسلم لیگی تھے۔ 1999ء کے آغاز میں انہیں گھر میں گھس کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ظاہری طور پر یہ ایک دیرینہ جھگڑے کا شاخسانہ تھا۔ لیکن میانوالی کے عوام آج بھی نیازی صاحب کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ایک لونڈے کے باعث نیازی صاحب جان سے چلے گئے۔ دراصل نیازی صاحب ایک خوبرو لڑکے کے گرویدہ تھے۔ لیکن وہ کسی اور کی دسترس تھا۔ صرف اس کے حصول میں بات بڑھ گئی جو بالآخر نیازی صاحب کے قتل پر منتج ہوئی۔

حافظ غلام محی الدین

حافظ غلام محی الدین کا نام سیاسی حلقوں میں اچانک اس وقت سامنے آیا جب انہوں نے حلقہ 95 سے میاں محمد نواز شریف کے مقابلے میں الیکشن لڑا۔ حافظ صاحب بھی دیگر سیاستدانوں سے کسی بھی طرح پیچھے نہ رہے۔ نومبر 1998ء کو موصوف اپنی گاڑی I-D-G-7660 میں گلوکارہ شبنم مجید کے ساتھ جا رہے تھے کہ عارف چوک ملت پارک میں کسٹم کے عملے نے انہیں گرفتار کرلیا گرفتاری پر حافظ صاحب منہ سے جھاگ اگلنے لگے۔ بڑی منت سماجت کے بعد شبنم مجید کو تو رہا کر دیا گیا۔ البتہ حافظ صاحب نے یہ کارروائی تھانے جا کر بھگتی۔



گلوکارہ شبنم مجید

یہ "آزاد" کشمیر ہے

آزاد کشمیر، وادی 'لہو لہو' کا وہ حصہ ہے۔ جو آزادی کی نعمت لئے ہوئے ہے۔ جب کہ ان کے بھائی مقبوضہ کشمیر میں اپنی عزتوں اور لہو کی قربانی دے رہے ہیں۔ مگر آزاد کشمیر کے حکمران اپنے بھائیوں کی مدد کرنے کی بجائے مادر پدر آزاد ہو گئے ہیں۔ اسلام آباد میں موجود کشمیر ہاؤس ان کی رنگینیوں اور عیاشیوں کا گواہ ہے۔ جہاں عزتوں کے رکھوالے عزتیں لوٹتے ہیں اور جام و جوانی کے مزے لیتے ہیں۔ 12 اکتوبر 1999ء کو فیض آباد (اسلام آباد) پولیس نے فیض آباد کے پاس ایک گاڑی کو روکا جس میں انہوں نے قیمتی شراب کی 27 بوتلیں پکڑیں، اور ملزمان کو تھانے لے گئے۔ جس پر کشمیر کی ایک با اثر شخصیت نے فون کیا کہ یہ ہمارا مال ہے اس پر ایس پی اپنی نگرانی میں شراب مع ملزمان کے باعزت طور پر کشمیر ہاؤس میں چھوڑ آئے۔

سردار عتیق الرحمٰن

سردار عبدالقیوم کے دور حکومت میں ان کے بیٹے اور ان کے سیاسی جانشین سردار عتیق الرحمٰن کی کشمیر ہاؤس میں رنگ رلیوں کی داستانیں تسلسل کے ساتھ اخبارات میں شائع ہوتی رہی۔ جس کی وجہ سے بعد ازاں انہیں انتخابات میں شرمناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ صورت حال صرف ان تک محدود نہیں۔



بیرسٹر سلطان

جب ملک بھر کے سیاستدان لوٹ مار اور عیاشیوں میں مصروف ہوں تو بھلا آزاد کشمیر کے "رہنما" اپنی "تھکن" اتارنے کا اہتمام کیوں نہ کریں۔ وہ تو پاکستانی سیاستدانوں سے بھی زیادہ "سخت اور کٹھن" کام سرانجام دے رہے ہیں۔ کشمیر کی آزادی کے "متوالوں" کو بھی تو آخر کچھ "آرام و سکون" کی ضرورت ہے۔

اس طرح کا آرام و سکون تلاش کرنے کی خاطر بیرسٹر سلطان محمود نے بھی اپنے کارندے چھوڑ رکھے ہیں۔ جو کہیں نہ کہیں سے اپنے رہنما کے لئے کوئی نہ کوئی مرمریں بدن ڈھونڈ ہی لاتے ہیں۔

"مجھ سے بڑا کنجر کوئی نہیں ہے۔ اگر کوئی ہے تو میرے مقابلے میں ناچ کر دکھائے تابندہ بھی اس میدان میں نووارد ہے۔ کشمیر ہاؤس نواز شریف کے باپ کا نہیں، میں کشمیر کا وزیراعظم ہوں جو چاہوں کروں، کوئی مجھے نہیں روک سکتا، جو لوگ میری پشت پر ہیں، نواز شریف ان کی ہوا سے بھی بھاگتا ہے۔"

شراب و شباب کی محفل عروج پر تھی ریشمی بدن طبلہ کی تھاپ پر تھرک رہے تھے اور آزاد کشمیر کے وزیراعظم سلطان محمود چودھری نشے میں بولتے چلے جا رہے تھے۔ کہتے ہیں نشے میں انسان بہت سی سچی باتیں اگل دیتا ہے۔ وزیراعظم آزاد کشمیر نے بھی مندرجہ

بالا الفاظ شاید نشہ کی زیادتی میں کہہ ڈالے ورنہ ایک سیاستدان سے بر سر محفل اتنی بچی گفتگو کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

بیرسٹر سلطان محمود کے ہاتھوں تباہ ہونے والی لڑکیوں کی فہرست بھی کوئی کم طویل نہیں ہے تاہم شہلا اور شکیلہ کے ساتھ جو ظلم ہوا' وہ تو شاید مقبوضہ کشمیر میں ظالم ہندو بنئے نے بھی مسلمان عورتوں کے ساتھ روا نہ رکھا ہو گا ذرا ملاحظہ کیجئے کہ شکیلہ اور شہلا کے ساتھ کیا کیا ظلم ان کے اپنے آزاد وطن کے ایک وزیر اعظم نے کیا شکیلہ بتاتی ہیں۔ کہ وہ آئی نائن اسلام آباد کی ایک بسکٹ فیکٹری میں کام کرتی تھیں جہاں تقریباً 400 دیگر لڑکیاں بھی ملازم تھیں لڑکیاں جو سپروائزر اور نائٹ شفٹ انچارج تھیں اور اس میں شک نہیں کہ وہ حسن و جمال میں اپنی دیگر ساتھیوں میں یکتا تھیں لیکن انہوں نے ہمیشہ محنت کی عظمت کو ہی مقدم جانا اور اسی اصول کے تابع وہ فیکٹری میں کام کر رہی تھیں۔ اس بسکٹ فیکٹری کا ڈائریکٹر طارق مسعود نامی شخص تھا جس کا بیرسٹر سلطان محمود چودھری سے بڑا گہرا دوستانہ ہے۔ وہ بیرسٹر سلطان محمود چودھری کی طرح شراب وشباب اور حسن و شباب کا رسیا ہے اس کی اس قسم کی حرکات نے بسکٹ فیکٹری کا دیوالیہ کر دیا۔ کارکن بے روزگار ہو گئے' فیکٹری بند ہو گئی' ہم لوگ گھروں کو چلے گئے۔

ایک دن بیرسٹر سلطان محمود چودھری کا سیکرٹری ایاز اور ڈرائیور ارشد اس کے پاس آیا اور کہا کہ تمہیں آزاد کشمیر گورنمنٹ میں سرکاری نوکری دی جا رہی ہے وزیر اعظم سے ملنے چلو۔ اس نے کہا کہ ہر چند کہ میں آپ لوگوں کو جانتی ہوں آپ پہلے بھی فیکٹری میں آتے رہتے تھے لیکن اس طرح آپ کے ساتھ چلنے کو تیار نہیں ہوں۔ اگلے دن وہ جمیلہ آنٹی نامی خاتون کو ساتھ لے کر آ گئے جو بسکٹ فیکٹری میں ہی کام کرتی تھی اور طارق مسعود کے اعتماد کی عورت تھی اس نے آکر کہا کہ جب روزگار کے دروازے تم پر کھل رہے ہیں اور لکشمی دیوی تمہارے گھر چل کر آ گئی ہے تو پھر تم کیوں کفران نعمت کر رہی ہو اٹھو اسی وقت چلو اور وزیر اعظم صاحب سے جا کر ملو پھر میں ان کے ساتھ جمیلہ آنٹی کے ہمراہ اسلام آباد کی کوٹھی نمبر 282 گلی نمبر 3 ایف ٹن 3 میں گئی جہاں وزیر اعظم بیرسٹر سلطان محمود چودھری میرے منتظر تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ تم عجیب لڑکی ہو۔ تمہیں

اپنے مستقبل کی ذرا پروا نہیں۔ مجھے ارشد اور ایاز نے بتایا کہ تم بے روزگاری کے ہاتھوں بری طرح تنگ دستی کا شکار ہو چکی ہو۔ مجھے تمہاری صلاحیتوں کا اعتراف ہے لہٰذا اپنے علاوہ دوسری سہیلی جو نائٹ شفٹ سپروائزر تھی اسے بھی لے آؤ تاکہ تم دونوں کا کیس ایک ساتھ منظور کیا جائے۔ میں حالات کے ہاتھوں تنگ ان کی باتوں میں آ گئی میں اسے مسیحا سمجھ بیٹھی۔ میں سمجھ رہی تھی کہ کشمیر کی آزادی اور اس کی تحریک میں لٹنے والی عصمتوں کا بھرم رکھنے والا وزیر اعظم کتنا بڑا اور شفیق ہے جس نے مجھ جیسی بے سہارا کو روزگار دینے کے لئے کتنا تردد کیا۔ میں اگلے دن وقت مقررہ پر اپنی دوسری ساتھی کو لے کر ارشد کے ہمراہ اسی جگہ پہنچی جس کا ذکر پہلے کر چکی ہوں تو ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا جہاں وزیر اعظم آزاد کشمیر بیرسٹر سلطان محمود کی تصویریں آویزاں تھیں۔ ایک تصویر میں اس کے ہاتھ میں تسبیح پکڑی تھی دوسری تصویر میں وہ جائے نماز پر سجدہ ریز تھا ایک اور تصویر میں بے نظیر کے ساتھ براجمان تھا' چند غیر ملکیوں کی تصویریں ڈرائنگ روم میں تھیں ڈرائنگ روم کے کونے پر غلاف میں لپٹا قرآن پاک بھی موجود تھا۔ قرآنی آیات پر مشتمل قالین بھی دیوار پر آویزاں تھے۔ ایسا لگا جیسے ہم بہت بڑے صوفی کی بیٹھک میں آ گئے ہیں۔ ہم دونوں بے روزگار سہیلیاں ابھی ان خیالات میں کھوئی بیرسٹر سلطان محمود چودھری کو دیوتا سمجھ کر ان کے بارے میں ایک تصوراتی خاکہ بنا رہی تھیں کہ بیرسٹر سلطان محمود چودھری کمرے میں داخل ہوئے ہم احتراماً" کھڑی ہو گئیں انہوں نے کہا کہ نہیں آپ بیٹھیں آپ دونوں بہادر لڑکیاں ہیں۔ پختون ہونے کے ناطے آپ جراتوں اور ہمتوں کی داستانیں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ڈرائیور ارشد 3 گلاس شربت لے کر آ گیا ایک بیرسٹر سلطان محمود چودھری کو' دو ہمیں دے دیئے گئے ہم نے گھونٹ بھرا تو وہ شربت کڑوا تھا ہم نے کہا کہ ہم یہ نہیں پئیں گی جس پر انہوں نے کہا دراصل یہ پیپسی ہے جو اونچی محفلوں میں پی جاتی ہے۔ وزیر اعظم سے کم تر مرتبے کا آدمی اسے افورڈ نہیں کر سکتا۔ تم خوش قسمت ہو کہ وہی پی رہی ہو جو شاہوں کی محفلوں میں پیا جاتا ہے انکار مت کرو۔ بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے ارشد سے کہا کہ جب یہ پیپسی پی چکیں ان کی فائلیں کمرے میں لاؤ تاکہ ان کی پریشانیاں دور کریں۔ بیرسٹر سلطان محمود چودھری کے اٹھ کر چلے جانے کے

بعد ڈرائیور ارشد کہنے لگا کہ تم کتنی خوش نصیب ہو کہ بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے تمہارے لئے صرف نوکری کا ساماں نہیں کیا بلکہ کتنی چاہت سے تمہیں پیپسی پینے کو کہا' پھر ارشد نے بھی اپنا معذرت خواہانہ انداز اپناتے ہوئے کہا کہ پیو نا تاکہ تمہارے کیس ان تک پہنچا دوں پھر ہم نے کڑوا گھونٹ نگل لیا اس وقت شام کے چھ بجے تھے جب ہماری آنکھ کھلی تو رات کے گیارہ بج چکے تھے پیپسی کی آڑ میں وسکی کے جام ہم انڈیل چکی تھیں جب حواس ہمارے قابو نہ رہے تو بیرسٹر سلطان محمود چودھری کے کارندوں نے ہمیں بے لباس کر دیا ہماری ویڈیو فلم بنائی گئی' تصویریں کھینچی گئیں اور جب ہم ہوش میں آئیں تو کمرے میں موجود ٹیلی ویژن پر فلم چلا کر دکھائی گئی پھر پولر رائیڈ کیمرے سے بنائی گئی تصویریں ہمیں دکھائی گئیں اس کے ساتھ ہی کمرے میں رکھا ہوا قرآن بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے باری باری ہمارے سر پر رکھ کر کہا کہ آج کی ملاقات کا ذکر کسی سے نہ کرنا اس میں تمہاری بہتری ہے۔

ہم جب برباد ہو چکیں ہماری عصمتوں بھرا آنگن لٹ گیا' ہم بوجھل قدموں سے گھر کی طرف نکلیں تو ارشد ہمارے راستے میں آ کھڑا ہوا اور کہا کہ میں تم لوگوں کو گھر اتار دیتا ہوں۔ ہم نے اس سے کہا کہ ارشد تم پر خدا کی لعنت' ہم محنت کار لوگ تھے ہمیں تو نے بدکار بنا دیا۔ وہ کہنے لگا کہ میں حلفاً" کہتا ہوں کہ تمہارے ساتھ غنودگی کے عالم میں کوئی بے ہودگی نہیں کی گئی صرف تصویریں بنائی گئی ہیں۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ اس سارے کھیل کی کیا ضرورت تھی ہم اتنے بااثر لوگ نہیں تھے پھر کس چیز کا انتقام لیا گیا تو گاڑی میں موجود بیرسٹر سلطان محمود چودھری کا سیکرٹری ایاز بول اٹھا کہ تم دونوں جب کسی لڑکی کو بیرسٹر سلطان محمود چودھری سے فری نہیں ہونے دیتی تھیں تو انہیں اس بات کا رنج پہنچتا تھا انہوں نے وہ بات ذہن نشین کر لی تھی۔ میں بیرسٹر سلطان محمود چودھری سے کہوں گا وہ تمہیں تمہاری تصویریں اور ویڈیو واپس کر دیں گے۔ وہ جیب کی طرح دل کے بھی غنی ہیں اس طرح چند دنوں بعد اس امید پر ارشد ہمیں ساتھ لے کر چلا گیا کہ ہمیں تصویریں واپس کر دے گا وہ ہمیں ایف ٹن 3 والی اسی کوٹھی میں لے گیا تو بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں شکیلہ نامی اس لڑکی نے بیرسٹر سلطان

محمود چودھری سے گزارش کی کہ آپ ہوش میں نہیں ہیں میں آپ سے تصویریں لینے آئی ہوں عمر بھر کا نبھاہ کرنے نہیں۔ بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے اپنے ڈرائیور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جاؤ جاؤ مولوی پکڑ لاؤ اور اسے کشمیر ہاؤس لے جاؤ وہاں ہم نے نکاح کرنا ہے۔ میں نے اس کی منت سماجت کی کہ کل آ جاؤں گی۔ آپ ہوش میں نہیں ہیں۔ یوں میں وہاں سے بھاگ نکلی ایاز نے پیچھا کیا لیکن میں ٹیکسی کار میں بیٹھ کر گھر پہنچ گئی۔ چند دنوں بعد میں دوسری ساتھی شہلا کو ساتھ لے کر بیرسٹر سلطان محمود چودھری کے وعدے کے مطابق تصویریں لینے گئی تو اس نے کہا کہ تصویریں وغیرہ نہیں ملیں گی میرے دوستوں کو خوش رکھو جن سے میں نے کام نکلوانے ہوتے ہیں۔ شہلا اور شکیلہ دونوں نے یک زبان کہا کہ بیرسٹر سلطان محمود چودھری ڈانس تو بہت اچھا کر لیتا ہے مگر اس وقت بڑا بے ہودہ نظر آتا ہے جب بے لباس ہو کر ناچتا ہے۔

ایک اور واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ وہ ہمیں کشمیر ہاؤس لے گیا۔ بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ہم دونوں کو دائیں بائیں بٹھا لیا۔ کشمیر ہاؤس میں داخلے کے جواز پر بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے ترنگ میں آ کر کہا کہ میں کشمیر کا وزیر اعظم ہوں' کشمیر ہاؤس میرا ہے۔ نواز شریف کے باپ کا نہیں۔ یوں تصویروں کے مطالبے کی آڑ میں ہم کئی بار کشمیر ہاؤس گئیں کئی دفعہ گاڑی کی ڈگی میں بٹھا کر لے جایا گیا اور ہمیں وہاں بیرسٹر سلطان کے دوستوں کا دل بہلانے کے دوزخ میں جھونک دیا جاتا۔ اکثر ڈانس کی محفلوں میں فلم ڈانسر تابندہ بھی بیرسٹر سلطان کے ساتھ محور رقص ہوتی جو ٹی وی سیریل مسٹر جے میں کام کرتی رہی ہے۔ ہم اپنے گھر والوں سے بھی ذکر کرنے سے خوف زدہ تھیں۔ معاشرہ اور حالات بھی ہمیں اجازت نہیں دیتے تھے کہ اپنے لٹنے کی داستان سنا سکیں۔ عرصہ تک مختلف اخبارات کے ایڈیٹرز کو ٹیلی فون کیۓ بعض دفعہ کئی ایک کے پاس گئیں لیکن ہماری شکایت کو کم اور جسموں پر نظریں زیادہ جا ٹھہرتیں۔

وہ دونوں جب یہ داستان سنا چکی تھیں تو ان کے چہرے مارے شرم کے زمین ناپنے میں لگے ہوئے تھے ان دونوں نے بیرسٹر سلطان سے آخری ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ 13 دسمبر 1998ء کی ایک سرد شام تھی جب بیرسٹر سلطان کا سیکرٹری ایاز اور ڈرائیور

ارشد ہمارے پاس آئے اور کہا کہ بیرسٹر سلطان نے حلفاً" کہا ہے کہ آپ آئیں اور تصویریں لے جائیں۔ ہم اس کے ساتھ چلی گئیں۔ وہ مکان نمبرA-273 ایف ٹن 4 میں ہمیں لے گئے وہاں بیرسٹر سلطان کے علاوہ برطانیہ سے آئے ہوئے اس کے دوست چودھری حمید اور ایک اخبار نویس توصیف احمد بھی موجود تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی انہوں نے کہا کہ وہ آگئیں جن کا انتظار تھا۔ پھر اس کے ساتھ ہی بیرسٹر سلطان نے کہا کہ آپ لوگ گپ شپ لگائیں میں آپ کے لئے مرغا پکاتا ہوں۔ بیرسٹر سلطان اس گھر میں موجود کچن میں مرغا پکانے چلے گئے۔ ایک بار ہاتھ میں چمچہ اٹھائے ڈرائنگ روم تک آیا اور کہا کہ ابھی تک آپ نے باقاعدہ گپ شپ شروع نہیں کی اور پھر اونچی آواز میں ڈیک لگا کر اچھلتا کودتا کچن کی طرف چلا گیا جبکہ شکیلہ' توصیف احمد کے پاس بیٹھی رہی۔ توصیف نے جب شکیلہ سے فرینک ہونے کی کوشش کی تو اس نے جھٹک دیا جس پر توصیف نے کہا کہ میں بیرسٹر سلطان کا دوست بھی ہوں اور مہمان بھی اور اس کے مہمانوں کا خیال نہ رکھنے والے لوگ گھاٹے میں رہتے ہیں تم نے میرا ہاتھ جھٹک کر اچھا نہیں کیا۔ ہم دونوں کے درمیان جب تو تکار بڑھی تو ڈیک کی آواز میں ہماری دیگر آوازیں بھی دب کر رہ گئیں کہ اچانک ارشد کمرے میں داخل ہوا اور بیرسٹر سلطان کو صورت حال سے آگاہ کیا تو اس نے آکر بے وقوف مت بنو اٹھو اور ناچو اس نے ساتھ والے دروازے پر دستک دی اور شہلا اور حمید کو بھی باہر بلوا لیا سب کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ایک زنجیر بنائی اور ڈیک کی تان پر ناچنے لگے وہ کبھی میرا ہاتھ توصیف کے ہاتھ میں دیتا کبھی توصیف کے ہاتھ شکیلہ کی طرف کھینچتا اور کبھی اپنے ہاتھ ہمارے جسموں میں دیتا۔ وہ باولا ہوا جاتا تھا کہ ہم احتجاجاً" وہاں سے باہر نکل آئیں بیرسٹر سلطان اندر رک گیا ارشد اور ایاز بھاگے ہوئے آئے اور کہا کہ تم لوگوں نے اپنے لئے خود بدنامی کے راستے اختیار کئے ہیں۔ ہم جب یہ تصویریں کل مارکیٹ میں پھینکیں گے تو تم لوگوں کے ہوش ٹھکانے لگ جائیں گے۔ بس اس وقت ہم نے تہیہ کر لیا کہ تصویریں پھینکیں یا ویڈیو ہم مزید بلیک میل نہیں ہوں گی۔ ہر چیز کی حد ہوتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ جن لوگوں سے کام نکلوانا ہو وہاں ان جیسی لڑکیوں کو بطور نمائندہ دل پشوری کرنے بھجوا دیتا ہے۔ تیسری لٹنے والی لڑکی شازیہ نے بھی ان کے

ساتھ آفس آنا تھا لیکن اسقاط حمل کے باعث وہ نہیں آ سکیں البتہ اس نے اپنا بیان حلفی ٹیلی فون گفتگو اور چند دیگر شواہد پہنچا دیں "حرمت" نے تینوں لڑکیوں کی روداد کی تصدیق کے لئے جب سلطان ذی وقار کے قریبی حلقوں سے رابطہ قائم کیا تو وہ چونکہ آزاد خطے کے وزیر اعظم ہیں، اس لئے آزادی ان کا بنیادی حق ہے چاہے وہ مادر پدر آزادی ہو یا کوئی اور اس لئے وہ اپنے بنیادی حق سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ ان حلقوں نے یہ بھی بتایا کہ جب وہ ترنگ میں آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آزاد خطے میں ایک آزاد معاشرہ کا قیام عمل میں لایا جانا چاہئے اگر ہم آزاد معاشرہ قائم نہیں کریں گے تو بین الاقوامی برادری ہمارے آزادی کے نصب العین کو کیسے سمجھے گی۔

ممتاز راٹھور:

پیپلزپارٹی کے سابق وزیر اعظم ممتاز راٹھور کی مصروفیات بھی بہت دلچسپ اور رنگ رنگیلی تھیں۔ موصوف نے اسلام آباد میں ایک گیسٹ ہاؤس میں ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ جو کہ انھوں نے آزاد کشمیر میں اپنے عہد اقتدار کے دوران "کشمیر فنڈ" سے بنایا تھا۔ اس گیسٹ ہاؤس میں کشمیر کی آزادی کے نعرے، حسیناؤں کی زلفوں اور شراب کی محفلیں سجا کر لگائے جاتے تھے۔ ممتاز راٹھور کی مصروفیات کچھ بھی ہوں۔ وہ وزیر اعظم آزاد کشمیر تھے تب بھی سرشام اپنے گیسٹ ہاؤس میں محفل سجا کر بیٹھ جاتے تھے۔ سرشام شراب کے جام چلتے تھے اور حسیناؤں سے دل بہلانے والے آزاد کشمیر اور پاکستان کے سیاسی کرداروں کے دل مچلتے تھے۔ آزاد کشمیر کی تقدیر کے مالکوں کے گیسٹ ہاؤس کے ہر کمرے میں مغربی موسیقی چلتی تھی اور اس پر حسیناؤں کی زلفیں بکھرتی اور جسم تھرکتے پائے جاتے تھے۔ یہ شیطانی کھیل رات بھر جاری رہتا تھا۔ صبح ہوتے ہی کشمیر کی آزادی کی جنگ لڑنے والے اپنے اپنے حصے کے فنڈز حاصل کرنے کے لئے پاکستان کے حکومتی ایوانوں اور مختلف سفارت خانوں میں پہنچ جاتے تھے۔ اس ضمن میں برطانوی سفارتخانہ کی ایک تقریب خاص طور پر قابل ذکر ہے جہاں پیش آنے والے واقعہ کی تفصیلات یوں ہیں۔

برٹش ہائی کمیشن اسلام آباد میں ڈپٹی ہائی کمشنر کی جانب سے کشمیری راہنماؤں کے اعزاز میں دی جانے والی ایک پر تکلف محفل میں اس وقت عجیب بدمزگی اور مضحکہ خیز

صورت حال پیدا ہو گئی جب آزاد کشمیر کے ایک معروف سیاسی لیڈر نہ صرف "پی پی" کر پوری طرح دھت ہو گئے بلکہ ایک گوری سفارت کار کا بوسہ لینے کی کوشش میں مذکورہ سفارت کار سے انہیں جھڑک بھی سننا پڑی۔ اس سے قبل کہ معاملہ زیادہ بگڑ جاتا۔ بعض دوسرے سنجیدہ سیاسی راہنماؤں نے صورت حال کو سنبھالا دیا اور معاملہ بگڑنے سے بچالیا۔ البتہ باقی سارا وقت غیر ملکی سفارت کار ناک منہ چڑھائے رہے۔ ڈپٹی ہائی کمشنر برطانیہ نے آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر سے آنے والے زعماء کے اعزاز میں ایک عشائیہ دیا جس میں ان کے علاوہ برطانوی اور امریکی سفارت کار بھی موجود تھے۔ جہاں آزاد کشمیر پیپلزپارٹی کے ایک معروف رہنما بیرسٹر سلطان محمود انگلش شراب کے جام چڑھاتے ہوئے آؤٹ ہو گئے انہوں نے کم و بیش 8 گلاس اپنے حلق میں انڈیلے اور اسی مدہوشی کے عالم میں ایک امریکی سفارت کار "مسزلیزا" کے پاس جا کر زور دار قہقہہ لگایا اور انگریزی میں کہا کہ

"Mrs.Liza I am next prime Minister of Azad Kashmir"

اس پر بعض دوسرے سیاسی رہنما خصوصاً حریت کانفرنس کے دو لیڈروں نے ان کی اس حالت پر سخت اعتراض کیا اور کہا کہ اس وقت جب کہ انڈیا میں برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر پاکستان میں برطانیہ کے ہائی کمشنر، پولیٹیکل اتاشی، امریکی اتاشی، پریس قونصلر موجود ہیں اور یہیں خالصتاً" کشمیر کے مسئلہ پر ہماری آرا کے لئے دعوت دے دی گئی۔ ایک ذمہ دار اور سیاسی لیڈر کی جانب سے اس قسم کی حرکت غیر ملکی سفارتکاروں پر کیا تاثر چھوڑے گی علاوہ ازیں اس موقع پر آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کے سابق سپیکر صاحبزادہ اسحاق ظفر کو بیرسٹر سلطان نے کہا کہ جناب خدا کے لئے آپ مجھے معاف کر دیں اور میرے راستے میں دیوار نہ بنیں جس پر صاحبزادہ اسحاق ظفر نے انہیں باتوں میں لگا لیا۔" بعدازاں وہ جموں و کشمیر پیپلزپارٹی کے سربراہ سردار خالد ابراہیم کے پاس چلے گئے اور ان سے بھی اس قسم کی باتیں کرنے لگے بعد میں وہ ایک برطانوی سفارت کار کی اہلیہ کے پاس گئے اور ان کے منہ سے منہ لگانے کی کوشش کی تو اس نے انہیں بری طرح جھڑک دیا جس پر وہ جھلا گئے اور زور زور سے قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ ایسی صورت حال بن گئی جس نے دوسرے سیاسی

اور اس کے رفقائے کار نشے میں بدمست' لاہور سے عیاشی کے لئے لائی گئی چار لڑکیاں' عیاش طبع افراد کا دل بہلا رہی تھیں۔ اتنے میں پولیس پارٹی سادہ کپڑوں میں ملبوس اندر داخل ہوئی اور اس نے نشے میں بدمست افراد کو جب گرفتار کرنا شروع کیا تو ایک فرد نے کھڑے ہو کر پولیس پارٹی کے سربراہ سے کہا کہ میں آزاد کشمیر کا وزیر زراعت ہوں۔ اس پر پولیس چھاپہ مار پارٹی کے سربراہ نے کہا کہ بادشاہو! اب تو وزیر مشیر کی شناخت تھانے چل کر ہوگی۔ پولیس تمام افراد کو پکڑ کر تھانے لائی تو راستے میں وزیر زراعت' پولیس تھانہ گولڑہ کے عملے کی منت سماجت کرتے رہے کہ مجھے بچالو میرا سیاسی کیریئر تباہ ہو جائے گا۔ وزیر زراعت جب آپریشن ٹیم اور فوٹوگرافر کے روبرو ہوئے تو انہوں نے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ کر پورے کمرے میں دوڑ لگانا شروع کر دی۔ فوٹوگرافر ان کے پیچھے رہا جس پر شاہد حمید نے اسسٹنٹ کمشنر اور ایس ایچ او سے کہا۔ دیکھو یہ کہاں کی شرافت ہے مجھے ان سے بچاؤ چودھری شاہد حمید سے گولڑہ تھانے میں جب "اسسٹنٹ کمشنر سٹی اسلام آباد چودھری محمد علی نے دریافت کیا کہ کیا واقعہ ہوا تو اس نے کہا چودھری صاحب' زندگی کی بڑی غلطی ہوگئی ہے۔ ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ میں نے تو ابھی بہت کچھ دیکھنا ہے۔ آپ آج مہربانی کر دیں اور کبھی زندگی میں اس فقیر کو آواز دے کر دیکھیے گا' یہ فقیر دست بستہ ساری زندگی حاضر رہے گا۔ چودھری شاہد حمید نے کہا کہ مجھے تو جاوید اختر پیرزادہ کی دوستی نے ڈبو دیا۔ میرا اس محفل میں شریک ہونے کا پروگرام نہ تھا۔ تھانے میں جب فوٹوگرافر آپریشن میں پکڑے جانے والوں کی تصاویر بنا رہا تھا' اس وقت پکڑے جانے والوں میں سے ایک شخص ظہور احمد نے سینہ تان کر کہا یہ سب مرد نہیں ہیں' میں مرد ہوں' میری تصویر بناؤ۔ کچھ لمحہ قبل شراب کے نشے میں بدمست رنگ رلیوں میں مصروف مرد و خواتین گرفتاری کے بعد رنج و غم اور مظلومیت کی تصویر دکھائی دینے لگے۔ ایک وزیر سمیت اس مکروہ محفل میں شامل تمام افراد اس قدر گھگیانے اور گڑگڑانے لگے گویا کہ ان سے بڑا کوئی مظلوم اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ گرفتار ہونے والی اکثر لڑکیوں نے موقع پا کر اپنے چہرے چھپالئے اور خود دوڑ کر پولیس کی گاڑی میں گھس گئیں۔ ایک نے کہا' ہمیں ان فوٹو گرافروں سے بچالو۔ ایک لڑکی نے کہا خدارا میری تصویر مت بناؤ اگر یہ چھپ گئی تو میری

ماں مر جائے گی، جبکہ دیگر لڑکیاں بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ محفل میں شریک تمام لڑکیوں کا تعلق لاہور سے تھا۔ ایک خاتون نے جو پشتو بولتی تھی اور جس کا تعلق درہ آدم خیل سے تھا کہنے لگی مجھے معاف کر دیں، میری تصویر نہ بنوائیں۔ میرے گھر والے مجھے گولی مار دیں گے۔ ایک لڑکی نے کہا روزے ہیں مجھے معاف کر دو۔ اس پر وہاں موجود پولیس والوں نے کہا تم تو روزے میں بڑا نیک کام کر رہے تھے تمہارا روزوں سے کیا تعلق۔ تم لوگوں کو تو روزوں میں بھی شرم نہیں آتی۔ پولیس نے موقع سے جہاں شراب، گلاب اور دوسری چیزیں برآمد کیں وہاں چودھری شاہد حمید کا پاک ٹیل فون بھی قبضے میں لے لیا جب ان کی گاڑی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو چودھری شاہد حمید نے کہا مجھے تو پجارو ڈراپ کر کے چلی گئی تھی۔ شراب کے نشے میں مدہوش آزاد کشمیر کے وزیر زراعت چودھری شاہد حمید نے وہاں موجود اخبار کے ایک رپورٹر کو کہا کہ مجھ سے چاہے جتنے پیسے لے لو مگر اپنے ایڈیٹر کو کہو کہ میری خبر نہ چھاپے۔ میں ساری زندگی ان کا مشکور رہوں گا اور ساری زندگی "خدمت" کرتا رہوں گا۔

سردار اصغر آفندی

مجاہدوں کی اخلاقی حمایت کرنے والے یہ "حکمران" اخلاقیات سے کس قدر گرے ہوئے ہیں اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگا سکتے ہیں۔

آزاد کشمیر کے وزیر صحت سردار اصغر آفندی نے میرپور سے براستہ کوٹلی واپس اپنے آبائی گھر عباس پور جاتے ہوئے تتہ پانی ریسٹ ہاؤس میں قیام کیا اور یہاں پر محکمہ صحت کوٹلی کے افسران کی میٹنگ رکھی۔ میٹنگ کے بعد وزیر صحت جونہی کمرے سے باہر نکلے تو شراب کے نشے میں مدہوشی کے باعث مختلف کاموں کے سلسلے میں آئے ہوئے لوگوں کو گالیاں دینا شروع کر دیں اور پھر سب کے سامنے ریسٹ ہاؤس کے صحن میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع کر دیا اور لوگوں سے کہنے لگے کہ دیکھو میں کتنا اچھا زگ زیگ بنا رہا ہوں۔ شاید سائلوں سے جان چھڑانے کا یہ سب سے آسان طریقہ تھا وزیر صحت کی حواس باختگی کو دیکھتے ہوئے تمام سائل بھاگ گئے۔

چودھری یٰسین

آزاد کشمیر کے وزیر تعمیرات چودھری یاسین اور ان کے دو ساتھیوں کو کسٹمز اور اے ایس ایف کے عملہ نے مانچسٹر سے اسلام آباد آنے والی پی آئی اے کی پرواز میں ولایتی شراب پی کر اودھم مچانے' جہاز میں خواتین پر رکیک حملے کرنے اور عملے کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دینے کے الزام میں گرفتار کر لیا جبکہ وزیر کے سامان سے بلیک ہارس اور جانی واکر کی 32 بوتلیں برآمد کر لی گئیں۔ بعدازاں انہیں تھانہ ایئرپورٹ پولیس کے حوالہ کر دیا گیا جنہوں نے ڈسٹرکٹ سول ہسپتال میں وزیر اور ان کے دونوں ساتھیوں کا ڈاکٹری معائنہ کروا کر کارروائی کا آغاز کر دیا۔ 16 اگست 1998ء کی صبح 4 بج کر 40 منٹ پر لندن کے شہر مانچسٹر سے آنے والی پی آئی اے کی پرواز 710 میں آزاد کشمیر کے وزیر تعمیرات چودھری یاسین اور ان کے دو ساتھیوں خادم حسین اور رب نواز نے ٹن ہو کر جہاز میں اونچی آواز سے گانا اور شور کرنا شروع کر دیا جس سے سوئے ہوئے مسافر اٹھ گئے۔ اسی دوران انہوں نے جہاز کی ایک ایئر ہوسٹس اور دو دیگر خواتین سے بدتمیزی کی۔ جب عملے نے سمجھایا تو بوتل توڑ کر حملہ کر دیا تاہم ہوش و حواس میں نہ ہونے کی وجہ سے خود ہی راہداری میں گر پڑے۔ عملے نے انہیں بمشکل اٹھا کر سیٹ پر بٹھا کر سیٹ بیلٹس باندھ دیں جبکہ جہاز کے کپتان خورشید چیمہ نے اس دوران کنٹرول کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔ جہاز کے رکتے ہی عملے نے تینوں کو اتارا تو خاص طور پر وزیر اپنے ہوش و حواس میں نہ تھے۔ بعدازاں کسٹمز

سپرنٹنڈنٹ محمد رزاق اور عملے نے ان کے سامان کی تلاشی لی تو چودھری یاسین کے سامان سے شراب کی 32 بوتلیں برآمد ہوئیں۔ مزید کارروائی کے لئے وزیر کو ایئرپورٹ پولیس کے حوالے کر دیا گیا جس نے فوری طور پر ان کا میڈیکل ٹیسٹ کروا کر مقدمہ درج کر لیا۔ ذرائع نے بتایا کہ چودھری یاسین مسلسل پینے سے آؤٹ ہو چکے تھے اور انہوں نے متعدد بار خواتین کو چھیڑا لیکن ان خواتین کے ساتھ موجود مردوں نے ان کی طبیعت درست کی۔ جہاز کا عملہ بار بار ناخوشگوار واقعہ سے بچانے کی کوشش کرتا رہا۔ وزیر کو عملے نے کئی بار بیلٹ سے باندھا لیکن وہ بار بار بیلٹ کھول کر آزادی حاصل کر لیتے تھے جس کے باعث اسلام آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر ہنگامی صورت حال کا اعلان کر دیا گیا۔ ایئرپورٹ سکیورٹی فورس اور تمام حساس ادارے الرٹ کر دیئے گئے۔ کمانڈو ایکشن کر کے انہیں گرفتار کیا گیا۔ گرفتاری کے وقت نیم بے ہوشی کے عالم میں انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا اور بڑھکیں لگائیں کہ میں آزاد کشمیر کا وزیر ہوں۔ سب کو دیکھ لوں گا۔ ایئرپورٹ پر چودھری یاسین نے کسٹم انسپکٹروں سے ہاتھاپائی بھی کی اور ان کے بیج نوچ ڈالے اور کپڑے پھاڑنے شروع کر دیئے۔ کسٹم اہلکاروں نے وزیر کو کنٹرول کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ جس پر اشتعال میں آ کر کسٹم اہلکاروں نے انہیں بازوؤں اور ٹانگوں سے اٹھا کر کشمیر کاؤنٹر کے قریب خالی کمرہ میں فرش پر پٹخ دیا اور نصف درجن اہلکاروں نے لاتوں اور مکوں سے پٹائی شروع کر دی۔ ان کی پینٹ پٹائی سے جگہ جگہ سے پھٹ گئی جبکہ شرٹ مکمل طور پر پھٹ گئی بعدازاں ہوش آنے پر ایئرپورٹ حکام نے چودھری یاسین کو تھانہ ایئرپورٹ کے حوالے کر دیا۔

جو ستمبر 1999ء میں نواز شریف دور حکومت میں آزاد کشمیر کے دو وزراء کی ویڈیو فلم ایک خفیہ ادارے کے اہلکاروں نے اس وقت بنائی جب وہ ایک مقامی ہوٹل میں ایبٹ آباد سے منگوائی جانے والی دو لڑکیوں کے ساتھ شراب پی کر رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ اس موقع پر شراب کی کئی بوتلیں بھی وہاں پڑی تھیں۔ آزاد کشمیر کی ضلعی انتظامیہ کو بھی اس واقعہ کی خبر دی گئی تھی مگر وزراء کا سن کر انہوں نے کوئی کارروائی نہیں کی البتہ ویڈیو فلم کی تیاری کے دوران ایک وزیر ایک خفیہ اہلکار کے قدموں پر گر کر گڑگڑا کر معافیاں مانگتا رہا۔

ایم این اے ہوسٹل اور شراب و شباب کی محفلیں

ایم این اے ہاسٹل میں شراب و شباب کی خصوصی محفلیں معمول کی باتیں ہیں ایک مرتبہ لڑکیوں کے معاملے پر باقاعدہ ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ یہ 11 ستمبر 1990ء کا واقعہ ہے' ہاسٹل کے کمرہ نمبر 112 میں رنگین محفل عروج پر تھی۔ شراب و شباب کی اس محفل میں سیکشن افسر افضال امتیاز اور مقصود بھی شامل تھے۔ اور محفل کو رنگین بنانے کے لئے راولپنڈی کی حنا اور عشرت کو بلایا گیا تھا۔ محفل جب عروج پر پہنچی تو ان تینوں افسروں میں ایک حسینہ کے معاملے پر جھگڑا ہو گیا۔ لال پری نے محفل کے شرکاء کی مت ماری ہوئی تھی۔ تینوں افسروں نے ایک دوسرے پر چڑھائی کر دی۔ بات چاقو چھرے تک پہنچ گئی۔ امتیاز شدید زخمی ہو گیا۔ ہاسٹل انتظامیہ نے پولیس سے مدد طلب کر لی۔ جس نے بعد ازاں زخمی کو ہسپتال داخل کرا دیا۔ انتظامیہ نے کارروائی کرتے ہوئے کمرہ نمبر 113-52-112-95 کو سیل کر دیا۔ اور محفل سجانے والی دوشیزہ سمیت 4 افسروں کو 14 روز کے ریمانڈ پر اڈیالہ جیل بھیج دیا گیا۔ تحقیقات پر معلوم ہوا کہ شراب و شباب کی محفل کو سرکاری افسر فہیم خان نے سجایا تھا تاہم چھاپے کے دوران فہیم خان عشرت کے ہمراہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

ایم پی اے ہوسٹل یا طوائفوں کا اڈہ

پنجاب اسمبلی میں ایک رکن اسمبلی نے یہ انکشاف کیا کہ ایم پی اے ہاسٹل میں اراکین اسمبلی شراب پیتے ہیں۔ طوائفیں ان کے بستر گرم کرنے کے لئے آتی جاتی ہیں۔ کئی اراکین اسمبلی نے نشے کی حالت میں ان کو بھی پریشان کیا۔ اس ضمن میں حافظ اقبال خاکوانی ایم پی اے نے کہا کہ "ایم پی اے ہوسٹل میں ارکان شراب نوشی کرتے اور رات کو

طوائفیں ہوسٹل میں آتی ہیں۔ راتوں کو حسین بدنوں سے یہ جسمانی تسکین کرتے ہیں اس سے پہلے کہ امن و امان کا مسئلہ بنے۔ سپیکر کو ایکشن لینا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ کئی مرتبہ شراب کے نشہ میں دھت ارکان نے میرے دروازے پر دستک دی۔ مجھے یہ بتاتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔ اس موقعہ پر اس وقت کے سپیکر جناب محمد حنیف رامے موجود نہیں تھے۔ اس لئے ان کے فرائض ادا کرتے ہوئے قائم مقام سپیکر میاں افضل حیات نے کہا کہ آپ یہ مسئلہ سپیکر چیمبر میں اٹھائیں۔ ممبران اسمبلی کے مکروہ کردار کی یہ ایک معمولی سی جھلک ہے۔ جو ایک رکن اسمبلی نے دکھائی ہے طوائفیں کوئی آسمانی مخلوق نہیں۔ اس سلسلے میں ایک بار نہیں ہزار بار یہ بات منظر عام پر آ چکی ہے کہ وہ سرمایہ داروں' جاگیرداروں اور سیاسی کرداروں کی ہی اولاد ہیں۔ ہیرا منڈی کے ایک ترجمان کا کہنا ہے کہ "طوائفیں ایم پی اے ہاسٹل نہیں جائیں گی تو اور کہاں جائیں گی۔" اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اراکین اسمبلی کی اکثریت اور طوائفوں کی اکثریت کی رگوں میں ایک ہی طبقے کا خون گردش کر رہا ہے۔

شراب نوشی اور شباب لازم و ملزوم ہیں۔ شراب پر ملک بھر میں پابندی ہے لیکن مراعات یافتہ طبقے کے لوگ اسے سرعام پیتے ہیں۔ اراکین اسمبلی ایم پی اے ہوسٹل میں بھی باز نہیں آئے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے قومی اسمبلی کے اراکین اور "معزز ترین" وفاقی و صوبائی وزراء کے بارے میں یہ حقائق منظر عام پر آ چکے ہیں کہ وہ شراب و شباب کے رسیا ہیں۔ ممبران اسمبلی جب ووٹ لینے کے لئے عوام کے پاس جاتے ہیں تو اپنی نیک نامی کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ انہیں باکردار' بااصول' دیانتدار اور جرات مند کہا جاتا ہے۔ حالانکہ ان لوگوں میں ایسی کوئی خوبی موجود نہیں ہوتی۔ عوام سادگی کے ساتھ نسل در نسل ایسے لوگوں کو اقتدار میں لاتے ہیں۔ جن کا کردار قابل نفرت ہوتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ صوبائی اسمبلی کے ایوان میں ایک شخص تو پیدا ہوا جس نے حق کی آواز بلند کی ہم سپیکر کے کردار پر اعتراض اس لئے نہیں کر سکتے۔ کہ اس طرح "معزز ایوان" کا استحقاق مجروح ہو جائے گا۔ یہ کیسا استحقاق ہے کہ جب عوام کی بے حرمتی ہوتی ہے تو سپیکر کہتا ہے کہ اسمبلی میں بات کرو۔

جب اراکین اسمبلی کے زانی اور شرابی ہونے کی بات ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ سپیکر کے بند کمرے میں بات کرو۔ کون نہیں جانتا کہ ہمارے سیاست دانوں اور اراکین اسمبلی حتیٰ کہ وزراء کی ایک بڑی تعداد شراب و شباب کی رسیا ہے۔ ان کے ذرائع آمدن مکروہ ہیں۔ ان کی بدعنوانیاں ننگی ہیں۔ یہ عوام کا خون نکالتے ہیں اور شراب پی کر رنڈیوں کو نچواتے ہیں۔ صوبائی اسمبلی کے اسی ایوان میں جب ایک رکن اسمبلی نے ایک پچیس سالہ خاتون کی آبرو ریزی کی بات کی تو سپیکر نے یہ نہیں کہا کہ یہ بات سپیکر چیمبر میں کی جائے۔ جب اراکین اسمبلی کی شراب نوشی اور ایم پی اے ہاسٹل میں رات کے وقت طوائفوں کے آنے کا ذکر ہوا تو سپیکر کے "استحقاق اور معززین" نے جوش مارا اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ بات سپیکر چیمبر میں کریں۔ پنجاب ہاؤس' پیپلز ہاؤس' ایم پی اے ہاسٹل اور اسلام آباد کے ایم این اے ہوسٹل سے لے کر سرکاری مہمان خانوں تک تمام جگہوں پر اسمبلیوں کے اجلاس کے دوران طوائفوں اور کال گرلز کا راج رہتا۔ اس مقصد کے لئے کراچی اور لاہور میں خصوصی ادارے قائم ہیں۔ جہاں سے صحت مند اور خوبرو لڑکیاں سیاسی عیاشیوں کے لئے مہیا کی جاتیں اجلاس شروع ہوتے خوبرو لڑکیوں کے سوداگر کہتے کہ ہمارا "دھندہ" شروع ہو گیا ہے۔ اکثر اوقات مال کی کمی بھی پیش آ جاتی کئی ایسی دوشیزائیں بھی ہوتی ہیں جن کے جسم کے خریدار بیک وقت کئی کئی ایم پی اے اور ایم این اے ہوتے ان حالات میں مال سپلائی کرنے والے کئی بہانے بناتے ہیں اور ایسے لوگوں کو مطلوبہ "مکی" دی جاتی جو زیادہ دولت مند یا با اثر ہوتے۔ اسلام آباد میں میڈم طاہرہ یہ دھندہ کرتی رہی۔ جبکہ لاہور میں ایک نیا کردار "نورین" کے نام سے سامنے آیا۔ نورین اس وقت لاہور میں تین کوٹھیوں کی مالک ہے۔ اس نے کئی گاڑیاں اور موبائل فون رکھے ہوئے ہیں وہ عمر کے اعتبار سے ادھیڑ عمر کہلواتی ہے لیکن "برے کام کے لئے بری" نہیں سمجھی جاتی۔ اس کی اداکاری دیکھ کر لوگ اسے کوئی بہت بڑی "بزنس مین" خیال کرتے ہیں۔ جبکہ وہ ایک ایسی ماڈرن عورت ہے کہ اراکین اسمبلی' سیاست دانوں اور سرکاری افسروں کو خوبصورت لڑکیاں فراہم کرنا اس کا اصل دھندہ ہے۔ ہمارے علم میں اس کا ایک موبائل نمبر اور تین کوٹھیوں کے نمبر ہیں۔ یہ ٹیلی فون نمبر ایک خفیہ ایجنسی کے ریکارڈ سے ملے ہیں۔ "

نورین" کی فائل میں بھی لکھا ہوا ہے کہ وہ کن کن سیاست دانوں اور اراکین اسمبلی کو مال مہیا کرتی ہے۔ اس کی تین کوٹھیاں ماڈل ٹاؤن، گلبرگ اور ڈیفنس کی جدید آبادیوں میں واقع ہیں وہ ماڈلنگ کے حوالے سے لڑکیاں ڈھونڈتی اور پھر انہیں بڑے لوگوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کا عادی بنا دیتی ہے۔ اس وقت لاہور میں اس کی فراہم کردہ دوشیزاؤں کا ریٹ دس ہزار روپے رات تک ہے۔ نورین جب کبھی اپنے کام کی غرض سے اپنے گاہک ایم پی اے یا وزیر کے دفتر میں جاتی تو اس کا استقبال کرتے ہوئے مذکورہ کردار کے من مندر کی گھنٹیاں بجنے لگتی۔ اس نورین خالد کو کوئی گرفتار نہ کر سکا۔ اس لئے کہ وہ مجبوریاں خریدتی اور حسین دوشیزاؤں کو فروخت کر کے اہل اقتدار طبقوں کے دلوں پر حکمراتی کرتی رہی۔ اراکین اسمبلی عام طور پر ہیرامنڈی میں نہیں جاتے۔ کیونکہ یہاں اکثر لڑکیاں شہرت یافتہ ہوتی ہیں۔ طوائفوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے لئے وہ کوٹھیوں کا رخ کرتے اور ایسے عشرت کدے لاہور کی تمام جدید آبادیوں یا ماڈرن علاقوں میں قائم ہیں۔ اراکین اسمبلی کو ان کے چیچے بھی خوش رکھنے کی پوری پوری کوشش کرتے ہین۔ اس مقصد کے لئے ایسی لڑکیوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے جو خوبصورت ہوتے ہوئے سرکاری ملازمت اختیار کرنے کی غلطی کرتی ہیں۔ ایسی خوبرو دوشیزاؤں کو اراکین اسمبلی کے " ایجنٹ" معطل یا دور دراز علاقوں میں تبدیل کروا دیتے۔ یہ دوشیزائیں مختلف جگہوں سے ہوتی ہوئی بلا آخر رکن اسمبلی کے "ایجنٹ" کی خدمات حاصل کرنے پر مجبور ہو جاتیں اب ممبران اسمبلی اس لڑکی کا مسئلہ حل کرنے کے لئے اس کے جسم سے کھیلنا اپنا حق سمجھتے۔ ایسی کئی لڑکیاں سیکرٹریٹ، اسمبلی ہال اور اراکین اسمبلی کی رہائش گاہوں کے ارد گرد دھکے کھاتی پھرتی نظر آئیں۔ ان دوشیزاؤں میں اکثریت محکمہ تعلیم اور محکمہ صحت سے تعلق رکھتی تھی۔ سیاست دانوں کی عیاشی کی بھینٹ چڑھ جانے والی بعض لڑکیاں تو اپنا مطلب نکال کر جان چھڑا لیتی۔ لیکن کئی حالات کی چکی میں پس کر ہر روز ایک نئے بستر کی زینت اور اک نئے گاہک کی پیاس بجھانے کی عادی ہو جاتی ہیں۔ ایسی لڑکیوں اور ایسے اراکین اسمبلی کی ایک لمبی فہرست ہے۔ جس کو قلمبند کرنے کے لئے الگ کئی کتابوں کی ضرورت ہے۔

شیخ رشید کی ریما پر نوازشات

فلمی حسینائیں خصوصاً بازار حسن کا پس منظر رکھنے والی اداکارائیں کبھی کسی سے وفا نہیں کرتیں۔ ایسے واقعات شاذو نادر ہیں کہ ان عورتوں نے کسی سے عہد و پیماں نبھائے ہوں یہ ان دنوں کی بات ہے جب ریما جسے لاکھوں نوجوانوں کے دلوں کی دھڑکن ہونے کا دعویٰ ہے، خود بھی رسوائے زمانہ سیاست دان شیخ رشید پر بری طرح ریجھی ہوئی تھی۔

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے ایک انگریزی ہفت روزہ (Pulse) کے مطابق شیخ رشید نہ صرف منہ پھٹ ہونے کے لحاظ سے معروف ہوئے بلکہ غیر ملکی دورے بھی اس کی ایک کمزوری سی بن گئے۔ غیر ممالک میں ہمارے سفارتی دفاتر اس منہ پھٹ انسان سے ہمیشہ خوفزدہ رہتے کیونکہ انہیں اس کے چھوڑے ہوئے بل اور وعدہ و عید خود پورے کرنا پڑتے۔ 13 جولائی 1993ء کو اس نے مذکورہ اداکارہ کو دو لاکھ روپے کی ایک رقم کی ادائیگی کی۔

اس امر کو آپ شیخ رشید کی قسمت کہہ لیجئے کہ اس رقم کی ادائیگی کے صرف چھ دن بعد اس وقت کے وزیراعظم میاں نواز شریف کو اپنے اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑا اور وہ 19 جولائی کو وزارت عظمیٰ کے عہدہ سے دستبردار ہو گئے۔ تفصیلات کے مطابق گھی کارپوریشن آج بھی اتنی خوشحال ضرور ہے کہ نیشنل فلم ڈویلپمنٹ ایوارڈ کے نام پر بھاری بھر کم رقوم بطور عطیہ دے سکے۔ اسی نے ریما کو بھی رقم کی ادائیگی کی جو مبینہ طور پر "تتلی" کی ساتھی کا کردار ادا کرتی رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ میاں نواز شریف کے لئے دن بھر شدید "محنت" کرنے والے "تتلی" کو رات آرام سے گزارنے کا موقع ملنا چاہئے تھا تاکہ وہ تازہ دم ہو کر اگلے دن کی "محنت مشقت" کے لئے تیار ہو سکے۔ جس چیک کے ذریعہ ریما کو ادائیگی کی گئی اس کا نمبر 82447124 تھا اور یہ چیک یونائیٹڈ بنک کی دیال سنگھ برانچ نے کیش کیا۔

خیال رہے کہ اس بنک میں گمی کارپوریشن کے اکاؤنٹس جمع ہیں۔ انہی دنوں ریما نے ایک بیان میں کہا کہ میں اس امر پر سنجیدگی سے غور کر رہی ہوں کہ فلموں کی رات کی شوٹنگ میں کام کرنا بند کر دوں۔ اس فیصلہ پر عمل درآمد عید کے بعد ممکن ہو گا' ریما صرف دن کی شوٹنگ کو کیوں ترجیح دینے لگی اور اسے رات کی شوٹنگ سے کیا خوف محسوس ہونے لگا یہ کوئی نفسیاتی مسئلہ نہیں بلکہ خالصتاً" مالیاتی معاملہ ہے۔ ریما اگرچہ یہ دعوئی کرتی ہے کہ ایک تو دن رات شوٹنگ میں حصہ لینے سے صحت پر برا اثر پڑتا ہے دوسرے معاشرتی طور پر انسان سب سے کٹ کر رہ جاتا ہے۔ دن رات کام کی مصروفیت کے باعث سماجی سرگرمیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ کہیں آنا جانا ممکن نہیں رہتا۔ لیکن ریما رات کی شوٹنگ سے دراصل "سماجی سرگرمیوں" کے لئے دستبردار نہیں ہو رہی۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ راتوں کو کسی شوٹنگ کا معاوضہ اس حد تک نہیں پہنچتا جیسا کہ ایک رات کی مصروفیات سے دو لاکھ روپیہ مل جاتے ہیں۔ اس شرح سے دیکھا جائے تو ریما صرف 50 راتوں میں ایک کروڑ روپیہ کما سکتی یا کما لیتی ہے' چنانچہ اسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ راتوں کو فلموں کی شوٹنگ میں ماری ماری پھرے اور اپنی "صحت" کو داؤ پر لگائے۔ پھر یہی نہیں کہ اس کی بعض راتیں بہت "قیمتی" ثابت ہوتی ہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ راتوں کو کوٹھیوں اور بنگلوں میں جو مجرے ہوتے ہیں ان کی آمدنی بے انداز رہتی ہے۔ ان مجروں میں اس پر چاروں طرف سے کرنسی نوٹ برستے ہیں۔ چونکہ اسے مدعو کرنے والے امیر کبیر لوگ ہوتے ہیں اس لئے وہ رقمیں لٹانے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتے۔ اب اگر ریما راتوں کو شوٹنگوں میں لگی رہے تو مجروں کا "زرخیز" کاروبار بری طرح متاثر ہوتا ہے اس لئے اسے واقعی سنجیدگی سے یہ طے کرنے کی ضرورت ہے کہ اپنی راتوں کا معاوضہ فلموں کی شوٹنگ میں گنوانے کی بجائے مجروں اور ملاقاتوں سے ایک ہی رات میں کیوں نہ لاکھوں روپے کما لئے جائیں۔ انکم ٹیکس والوں کے لئے یہ ایک قابل غور پہلو ہے بہرحال چونکہ ریما کی شہرت و دولت کا آغاز فلموں سے ہوا ہے اس لئے وہ انہیں مکمل طور پر چھوڑ دینے کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ اس کا کہنا ہے کہ رات کو شوٹنگ میں کام کرنا ہی پڑا تو میں اپنے رویہ میں لچک رکھوں گی اور ایمرجنسی کی صورت میں رات کو بھی کام کروں گی۔ ریما

حکومت جانے تک وزیر صاحب اور ریما کی نوک جھونک جی بھر کر چلی تھی۔ دونوں ایک دوسرے پر جو وار کرتے تھے وہ ایسا معلوم ہوتا کہ بڑی طے شدہ ریہرسل کے بعد کئے گئے ہیں۔ یہ سلسلہ دراز ہوتا جا رہا تھا کہ ریما کی خوش قسمتی کہیے کہ نہ صرف وزیر صاحب بلکہ ان کی حکومت بھی چلی گئی۔ ویسے وہ وزیر اب بھی "ریما" کی تصویریں ادھر ادھر اوپر کی جیب میں رکھتے سنے گئے ہیں۔ اب ہر کوئی تو ایسا ہے نہیں کہ ان کو قریب پانے کے لئے فلم بنانے کا دھندا شروع کر دے اور دس بیس لاکھ داؤ پر لگا دے اس لئے پہنچ والے لوگوں کی تعداد "زینت" کے دروازوں تک کچھ بہت زیادہ ہو نہیں پا رہی۔

ریما کی نانی کی طرف سے ریما کو اجازت ہے کہ بے بی تم جب چاہو اصل نسل آدمی دیکھ کر شادی کر سکتی ہو۔ اصل نسل آدمی وہ ہوتا ہے جو جاگیردار، وڈیرہ، صنعت کار ہو۔ ویسے کئی صنعتکار صرف مدعائے تمنا ریما تک لے کر پہنچے بھی، لیکن نانی نے ریما کو یہ بات اصول کے طور پر بتا دی کہ ان لوگوں سے شادیاں عارضی ہوا کرتی ہیں سال دو سال تین سال اور پھر واپسی یقینی ہے۔ البتہ پلاٹ، مربعے، حویلیاں جتنے سال رہو گی اتنی ہی زیادہ لے کر آؤ گی۔ اولاد کے یہ لوگ قائل نہیں اس لئے یہ مسئلہ تم کو تنگ نہیں کرے گا، کیونکہ وڈیرہ، زمیندار جس کی ہو کر جاؤ گی، وہ پہلے ہی خاندانی بیوی رکھتا ہو گا۔ اس خاندانی



ریما جی ---- جان چھوٹ جانے کی خوشی کر رہی ہیں

بیوی کو بچانے کے لئے وہ تم کو اپنے سارے خاندان والوں سے الگ رکھے گا پھر ایک دن یہ ساتھ ٹوٹ جائے گا ایسا ہوتا ہی ہے ہوتا ہی رہتا ہے۔

ریما کی نانی نے ہر طرف سے ہوشیار خبردار کر دیا ہے۔ اس لئے وہ نہ بھٹک رہی ہے۔ نہ اٹک رہی ہے' جدھر جاتی ہے تلوار کی طرح پار ہو جاتی ہے۔ اس کی اڑان بھی ایسی ہے کہ اڑتے اڑتے من چاہے تو پر گن لو' آسمان میں کھو جانا اس نے نانی اماں سے سیکھا ہی نہیں نانی کہتی ہے۔ "پرندہ وہ اچھا کہ جہاں چاہے بیٹھے اور دانہ دنکا چگ لے اور پھر اپنے ہی پنجرے کی طرف لوٹ آئے۔"

ریما کے مجرے تو ہر شب چلتے ہیں۔ اگر کسی مجرے میں جو ریما کے خاندان والوں کی طرف سے کیا گیا ہو اور اس میں ریما موجود نہ ہو تو دو لفظوں میں بتا دیتے ہیں کہ بے بی شوٹنگ پر ہیں جیسے ہی وہاں شاٹ او کے ہوا فوراً ادھر آ جائیں گی۔

پنجاب اسمبلی کے مسلم لیگی لوٹے اور ریما کا مجرا

"باوجودیکہ ملک سیاسی بحران' شدید عدم استحکام اور پریشانی کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا۔ پنجاب مسلم لیگ کے صدر چودھری پرویز الٰہی کی قیادت میں اسلام آباد میرٹ ہوٹل میں سیاسی پناہ لینے والے مسلم لیگی لوٹوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ ریما کا ڈانس دیکھنا چاہتے ہیں۔"

ان لوگوں کی ان حرکات پر بے حد تنقید ہوئی مگر انہوں نے اس کی کوئی پروا نہ کی۔ باوجودیکہ ہر چند مختلف اوقات میں تفریح مہیا کرنے کے لئے قوالی اور دیگر آئٹم وغیرہ پیش کئے تھے مگر ان کا اصرار تھا کہ وہ ہر حال میں ریما کا ڈانس دیکھیں گے۔ لوٹوں کو بتایا گیا کہ اس ہوٹل میں اور مجرا کسی صورت میں بھی منعقد نہیں ہو سکتا صحافی آپ کی حرکات پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اجتناب کریں مگر ان کی ایک ہی ضد تھی کہ ہم ریما کا مجرا دیکھیں گے۔ ورنہ سب لوگ یہاں سے چلے جائیں گے۔ پھر فوری طور پر اسلام آباد کے F-8 میں مجرا سیشن کا اہتمام کیا گیا۔ اور تمام لوگوں کو وہاں لے جایا گیا۔ جناب شہباز شریف

کے خصوصی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ریما خصوصی طور پر لاہور سے بڑے اہتمام کے ساتھ آئی۔ اور ان لوگوں کے سامنے ڈانس کر کے اپنے بھرپور فن کا مظاہرہ کیا۔

اداکارہ ریما اور سفارش

سکندر مرزا کے زمانے میں ناہید مرزا کا حکم چلتا تھا۔ یحییٰ کی داشتہ "رانی" کا حکم چلتا تھا اور مسلم لیگی دور میں حکومتی حلقوں میں اداکارہ ریما کا طوطی بولتا تھا یہی وجہ تھی کہ جب بھی کسی کلیدی عہدے پر فائز کسی بڑے افسر (سیکرٹری' ایس پی' ڈی آئی جی' کمشنر کلکٹر' انکم ٹیکس آفیسر' ایم ایس ڈاکٹر' ڈائریکٹر وغیرہ) کا ٹرانسفر یا معطلی وغیرہ ہوتی ہے تو وہ فوراً کسی جیولری کی دکان سے نایاب اور قیمتی ہار وغیرہ خرید کر اداکارہ ریما کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مسئلہ بیان کرتا۔ اداکارہ ریما فوراً فون پر اس متعلقہ افسر کی سفارش کرتی ہے اور متعلقہ افسر کے ٹرانسفر یا معطلی کے آرڈر رک جاتے اور متعلقہ آفیسر اداکارہ ریما کو دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوتا۔

بوسہ لیگ

مرکزی رہنما سینیٹر حافظ فضل محمد نے 13 اکتوبر 1997ء کو ایک بیان میں کہاکہ نواز شریف کی مسلم لیگ اب "بوسہ لیگ" بن چکی ہے۔ شیخ رشید کے بعد اب سپیکر قومی اسمبلی الٰہی بخش سومرو بھی اس میدان میں اتر آئے ہیں۔ حافظ فضل محمد نے کہاکہ نواز شریف کو اخبارات میں قومی اسمبلی کے سپیکر الٰہی بخش سومرو کی مصورہ افشاں شعیب کے ساتھ تصویر دیکھ کر اپنے انتخاب پر ضرور فخر ہوا ہوگا۔ الٰہی بخش سومرو کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ آرٹسٹوں سے گلے مل کر بوس و کنار کے لئے سسکیاں بھریں۔ انہوں نے کہاکہ نواز شریف کو چاہئے کہ وہ الٰہی بخش سومرو کے خلاف نہ صرف کارروائی کریں بلکہ ایسے شخص جس کو اپنی اسلامی روایات کا بھی پاس نہ ہو اس طرح کے عہدے پر رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ انہوں نے کہاکہ پوری قوم نے الٰہی بخش سومرو کی حرکات و سکنات دیکھی ہوں گی لیکن بتایا جائے کہ جب ان کے گھر والوں نے یہ تصویر دیکھی ہوگی تو ان پر کیا گزری ہوگی۔ حافظ فضل محمد نے کہاکہ الٰہی بخش سومرو کی مصورہ افشاں شعیب سے گلے ملتے ہوئے تصویر کھینچنے والے فوٹوگرافرز نہ صرف مبارکباد کے مستحق ہیں بلکہ انہیں اس طریقے سے ایسے رہنماؤں کے اصلی چہرے قوم کے سامنے لانے پر خصوصی ایوارڈ بھی دینے چاہئیں۔ جمعیت کے رہنما نے کہاکہ دوسری جماعتوں کو "فاشسٹ" کہنے والے نواز

شریف اس تصویر کے شائع ہونے کے بعد اپنی جماعت کے رہنماؤں کو کیا خطاب دیں گے۔ ابھی تو یہ سورج کی روشنی میں الٰہی بخش سومرو کی ایک جھلک اخبارات میں شائع ہوئی ہے نیم تاریک کمروں میں کیا ہوتا ہو گا؟



خشونت سنگھ کے متنازعہ ناول "عورتوں کی رفاقت" کی تقریب کے موقع پر لی گئی تصویر
خشونت سنگھ پاکستان ہائی کمشنر' اشرف جہانگیر قاضی کی بیٹی کو بوسہ دے رہے ہیں

ارکان اسمبلی کے عزیزوں کی رنگ رلیاں

"جے بلاک گلبرگ لاہور کے ایک گیسٹ ہاؤس میں شراب کے نشہ میں دھت اونچی سوسائٹی کے 7 نوجوان 5 دوشیزاؤں سمیت رنگ رلیاں مناتے برہنہ حالت میں پکڑے گئے۔ فردوس مارکیٹ پولیس نے ملزموں کا میڈیکل معائنہ کرایا۔ ملزموں کی سفارش کے لئے چوکی میں ٹیلیفون کالوں اور اعلیٰ افسران و افراد کا تانتا بندھ گیا اور بالآخر عملے نے اپنے فون کی تاریں ہی کاٹ دیں اور افراد کو باہر نکال کر چوکی کا مین گیٹ بند کر کے تالہ لگا کر مقدمہ درج کر لیا۔ پولیس کے مطابق ملزموں میں بلوچستان کی اعلیٰ شخصیت کا رشتہ دار عمران مینگل سمیت ننکانہ کے ایم پی اے ذوالقرنین کا بھانجا محمد شعیب اور ننکانہ ہی کے منظور احمد، محبوب الٰہی، احمد خان، محمد طارق اور گیسٹ ہاؤس کا مینجر عامر سلیم شامل تھے۔ پولیس کے مطابق گیسٹ ہاؤس پر چھاپہ مارا گیا تو مینجر نے دھمکیاں دیں کہ یہ گیسٹ ہاؤس ایک اعلیٰ شخصیت کا ہے تمہیں یہاں آنے کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ اسے حراست میں لینے کے بعد انہوں نے کمروں پر چھاپے مارے تو وہاں سے تمام افراد شراب کے نشے میں دھت 5 لڑکیوں کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں پائے گئے۔ کمروں سے شراب کی 5 بوتلیں بھی برآمد ہوئیں۔ اگلے روز مجسٹریٹ عرفان قادر نے تھانہ پہنچ کر ملزموں کو جوڈیشنل ریمانڈ پر جیل بھیج دیا۔ مگر جیل کا ٹائم گزرنے پر ملزموں کو گلبرگ تھانہ لے کر پہنچی تو ملزموں نے حوالات میں جانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہاں گندگی ہے انہیں کسی کمرے میں رکھا جائے مگر پولیس نے انہیں زبردستی حوالات میں بند کر دیا۔ عمران مینگل نے پولیس کی حراست میں صحافیوں سے بات کرتے ہوئے کہا کہ خدا کے لئے خبر اور تصویر شائع نہ کریں کیونکہ پہلے ہی ان کی بہت رسوائی ہو چکی ہے خبر سے خاندان کی مزید بدنامی ہو گی مگر گرفتار ہونے والے دیگر افراد سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک ملزم محمد شعیب کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ننکانہ سٹی میں ایم ایس ایف کا صدر ہے۔

خواتین کونسلرز کے سیر سپاٹے

بلدیہ عظمٰی لاہور کی 22 خواتین کونسلروں سمیت 93 ارکان پر مشتمل وفد کے "مری یاترا" کے دوران انتہائی شرمناک واقعات رونما ہوئے، جس سے نہ صرف بلدیاتی اداروں کی ساکھ متاثر ہوئی بلکہ کونسلروں کی نیک نامی پر بھی حرف آیا۔ سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ قومی خزانے کا غیر قانونی استعمال کیا گیا۔ 93 رکنی وفد جب مری پہنچا تو آدھی رات ہو چکی تھی اور میزبان انتظار کر کے جا چکے تھے۔ جس پر وفد میں افراتفری پھیل گئی اور سرکاری میزبان لارڈ میئر کی سیکرٹری مس ثمینہ اور چیف کارپوریشن افسر کے سیکرٹری عبد اللہ نے لاہور رابطہ کیا جس پر انتظامات کروائے گئے۔ مری ہوٹل میں 21 کمرے بک کروائے گئے۔ قیام کے دوران ایک شرمناک واقعہ بھی رونما ہوا' دو شرابی ایک خاتون کونسلر کے کمرے میں گھس گئے اور غل غپاڑہ مچانا شروع کر دیا۔ معلوم ہوا کہ دونوں شرابیوں کا تعلق بھی متعلقہ کونسلر کے محلے سے تھا اور ان کی بیٹیوں کے جاننے والے تھے' اس دوران یہ بات بھی سامنے آئی کہ ایک خاتون کونسلر اکثر رات کو غائب ہو جاتی اور بلدیہ مری کے چیف افسر کے ساتھ دیکھی جاتی۔ مری ہوٹل نے بلدیہ لاہور کو 33 ہزار روپے کا بل بھجوا دیا جس پر افسران چکرا گئے تھے کیونکہ دورے سے قبل کہا گیا تھا کہ بلدیہ مری تمام خرچہ اٹھائے گی۔ بعد ازاں بلدیہ افسران نے بھی ٹی اے ڈی اے مانگ لیا جس پر کمشنر لاہور نے بلدیہ حکام سے وضاحت طلب کی کہ اس دورے کی منظوری کس نے دی تھی اور اخراجات کس مد میں کئے گئے۔

پیپلزپارٹی کی رہنما کا بھائی اور بلیو فلمیں

27 اپریل 1998ء لڑکیوں کو بے آبرو کرنے اور بلیک میل کرنے والا وی سی آر ہاؤس کا مالک خرم جرال رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا گیا۔ پیپلزپارٹی ضلع میرپور کی صدر انجم نبی جرال کا سگا بھائی خرم جرال عرصہ دراز سے بڑے پیمانے پر بلیو فلموں کا کاروبار کر رہا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ انتظامیہ کے اعلیٰ افسران کو بھی فلمیں سپلائی کرتا تھا اس لئے اسے کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔ پرزور عوامی شکایات کے پیش نظر ایس ایس پی صابر حسین کی خصوصی ہدایات پر تھانہ تھوتھال کے ایس ایچ او راجہ عرفان سلیم اور اے ایس آئی محمد شبیر نے پولیس نفری کے ہمراہ کامیاب چھاپہ مار کر اسے گرفتار کر لیا اور اس کے قبضہ سے فحش فلمیں برآمد کر لیں۔ یہ فلمیں مختلف شریف گھرانوں سے تعلق رکھنے والی بے راہ روی کا شکار کم عمر لڑکیوں کو بنائی گئیں تھیں۔ ملزم نے دوران تفتیش کئی انکشافات بھی کئے ہیں۔ پولیس نے چند اہم دستاویزات بھی برآمد کر لیں معلوم ہوا کہ فیصل آباد نرس کیس کے منظر عام پر آنے کے بعد خرم جرال نے غازی الٰہی بخش گورنمنٹ کالج میرپور کی ایک طالبہ کو بلیک میل کیا اس کی عریاں فلم بنا کر اس کے ذریعہ دیگر شریف خاندانوں کی بچیوں کو بھی اپنی ہوس کا نشانہ بنایا مگر لوگ اپنی عزت چھپانے کے لئے اس مکروہ راز پر پردہ ڈالتے رہے اور اس بات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر خرم جرال نجی مجلسوں میں یہ کہتا ہوا پایا گیا کہ میں "پرنس" ہوں اور میرپور کی شہزادیاں مجھ پر مرتی ہیں۔ ملزم نے کئی خاندانوں کی عزتوں کے چراغ گل کئے۔ اس نے کچھ عرصہ پہلے میرپور کے ایک انتہائی بااثر' خاندان کی بیٹی کو ورغلا

کر اپنے دام محبت میں گرفتار کیا اور اس سے نکاح کا ناٹک رچایا' لڑکی کے گھر والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے رازداری سے ایدھی ویلفیئر کے میرپور میں موجود ذمہ داروں اور بعض وکلاء سے رابطہ کیا جن کی مخلصانہ کوششوں کے نتیجہ میں طلاق حاصل کی گئی مگر بھیڑیا صفت خرم اس پر بھی باز نہ آیا اور اس نے شریف خاندان کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ مذکورہ لڑکی نے بتایا کہ میں اس ذلیل شخص کی فریب کاری کو محبت سمجھ کر اس کے جال میں پھنس گئی تھی اور نکاح کر لیا مگر قریب ہونے کے بعد مجھ پر یہ راز کھلا کہ جو شخص اپنی بہنوں تک سے اس قدر "فری" ہے وہ میرے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ اس نے بتایا کہ وہ مجھ سے بعد میں دھندا کرانے کا سوچ رہا تھا اس لئے میں نے اس کے جال سے نکلنے کا فیصلہ کیا۔ خرم جرال کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ جعلی کیپٹن بن کر بعض شریف لڑکیوں کو فون پر تنگ بھی کرتا رہا اور اس سلسلہ میں کچھ عرصہ قبل ایک بااثر شخص نے اسے پکڑوا کر دوستوں کے ہمراہ اس کی چھترول کی تھی۔

وزیر اعلیٰ کے صاحبزادے کا کارنامہ

12 اکتوبر کو کلفٹن کے ساحل پر شام کے بعد سیر و تفریح کی غرض سے آنے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ اچانک ہیرا ہٹ پر ایک پجارو کی چیختی چنگھاڑتی بریکوں نے آس پاس کے لوگوں کو متوجہ کر لیا۔ لوگ ابھی پوری طرح سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ پجارو سے ایک نوعمر نوجوان بجلی کی سرعت سے نکلا اس کے ہاتھ میں کلاشنکوف تھی اور وہ اسے نہایت غصہ میں لہرا رہا تھا۔ اور کہتا جا رہا تھا کہ "اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ماں قسم! زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" پہلے سے موجود لڑکوں کے ہاتھوں میں جدید اسلحہ دکھائی دے رہا تھا۔ نوجوان کی آواز سن کر 12 کے قریب نوخیز کلیاں جن کی عمریں 12 سے 17 برس کے درمیان ہوں گی' وہ بھی وہاں پہنچ گئیں۔ نوجوان چلائے چلا جا رہا تھا۔ لڑکیوں نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگیں' کچھ صورتحال دیکھ کر گھبرا گئیں اور لیکن کچھ

مسلسل نوجوان کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کرتی رہیں۔ اس کے دیگر ساتھی بھی اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اسی چیخ و پکار میں پولیس کی 7-6 گاڑیاں موقع پر پہنچ گئیں۔ کلاشنکوف لہراتے نوجوان نے تعارف کرایا کہ میں "اعجاز جتوئی کا بیٹا ہوں۔" اس کے دوسرے ساتھی نے بتایا کہ میں "لیاقت جتوئی کا فرزند ارجمند ہوں۔" پولیس ان نوجوانوں کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی۔ نوجوان نے چیختے ہوئے کہا کہ ہم جس جس کی طرف اشارہ کریں گے' اسے گرفتار کرلیا جائے۔ پھر یوں ہی ہوا جتوئی برادران نے جس کی طرف اشارہ کیا پولیس نے اسے اٹھا کر اپنی موبائیل میں بٹھالیا۔ بعد از تحقیقات پر معلوم ہوا کہ جتوئی برادران کی محبوبہ ان کے رقیب کے ساتھ ہیرا ہٹ پر آئی تھی۔ جس کو جتوئی خاندان کے چشم و چراغ برداشت نہ کرسکے اور انتقام لینے کی غرض سے موقع پر پہنچ گئے۔ ان لڑکے لڑکیوں کا گروہ جب اس "شو" کے اختتام پر کلفٹن سے رخصت ہونے لگا تو سیلولیس شرٹ اور جینز میں ملبوس ایک پندرہ سولہ سالہ لڑکی نے سگریٹ کا پیکٹ اور موبائیل فون گاڑی سیٹ پر پھینکتے ہوئے اپنی ساتھی سے کہا "سارا پروگرام اپ سیٹ ہو گیا۔"

پیر اللہ یار

1997ء کے انتخابات کی تیاریاں جاری تھیں۔ کاغذات نامزدگی پر اعتراضات کا سلسلہ چل رہا تھا۔ حلقہ پی پی 189 کے امیدوار رانا محمد احسن نے سابق رکن صوبائی اسمبلی پیر اللہ یار کے خلاف رٹ دائر کردی کہ موصوف آئین کی دفعہ 63-62 کے تحت انتخابات لڑنے کے اہل نہیں ہیں۔ انہوں نے بتایا پیر اللہ یار 15 اپریل 1987ء میں زیادتی کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑے گئے تھے۔ ان کے خلاف شہر بھر میں ہڑتال کی گئی تھی۔ جب اللہ یار کو تھانے لایا گیا تھا تو انہوں نے صرف دھوتی پہن رکھی تھی۔ احسن نے کہا کہ پیر صاحب نے پاکپتن میں عیاشی کے لئے مختلف مقامات پر کمرے بنوا رکھے ہیں تاکہ جہاں موقع ملے وہیں رات رنگین کرلی جائے۔

وزیر ثقافت اور شراب و شباب کی محفل

1993ء میں غلام قادر ملکانی صوبہ سندھ کے وزیر ثقافت و سیاحت تھے۔ 10 جنوری 1993ء کو ان کے بھائی کی شادی تھی۔ خوشی کے اس موقع پر شراب اور مجرے کا باقاعدہ اہتمام کیا گیا۔ اس خاص محفل میں پولیس انتظامیہ سمیت زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے اہم افراد نے شرکت کی۔ محفل جب عروج پر پہنچی تو شازیہ نامی رقاصہ نے سب کو مدہوش کر دیا۔ راؤ جت نامی سمگلر تو آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے تقریب ختم ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا اور دیگر مہمانوں کے سامنے ہی شازیہ سے دست درازی کی کوشش کی۔ شازیہ کے ساتھ آئے لوگوں نے مداخلت کی تو راؤ جت مزید بھڑ گیا اور پستول تان لیا۔ حالات کی سنگینی دیکھ کر غلام قادر ملکانی نے راؤ جت کو سمجھانے کی کوشش کی، نشے میں مدہوش داؤد نے ملکانی پر بھی حملہ کر دیا۔ وہ تو بھلا ہو وہاں پر موجود ایس پی ٹھٹھہ کا" جنہوں نے فوری مداخلت کر کے ملکانی صاحب کو داؤد کے چنگل سے چھڑایا۔

قربان نیازی اور صفدر کی رنگ رلیاں

کسی کیس کے سلسلہ میں پولیس جب بھی کسی بڑے ہوٹل پر چھاپہ مارتی ہے تو کوئی نہ کوئی بیورو کریٹ سیاستدان یا ان کا کوئی لاحقہ سابقہ ضرور منہ کالا کرتا منظر عام پر آ جاتا ہے۔ 10 دسمبر 1996ء کو پولیس نے فلیٹیز ہوٹل پر چھاپہ مارا تو سابق وفاقی وزیر ڈاکٹر شیر

افگن کے چھوٹے بھائی قربانی نیازی پیپلز پارٹی کے ایک سابق ایم پی اے اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ایک خوبرو حسینہ سے قابل اعتراض حالت میں پائے گئے۔ پولیس کے ہتھے چڑھنے والے ان افراد میں سے ایک نے بتایا کہ وہ آئندہ ہونے والے انتخابات میں اپنے ایک ساتھی کو مسلم لیگ کا ٹکٹ دلوانے آئے تھے۔ انہوں نے پولیس والوں سے درخواست کی کہ اگلی حکومت ہماری ہو گی۔ لہٰذا آپ آج ہم پر مہربانی فرمائیں حکومت بنتے ہی آپ کی ترقی کروا دی جائے گی لیکن عبوری حکومت میں پولیس افسران عموماً کسی خاص دباؤ سے آزاد ہوتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے کسی دھوکے' دباؤ یا لالچ میں آئے بغیر تمام ملزموں کو گرفتار کر لیا۔ ان معزز شہریوں میں سے ایک صفدر صاحب بھی تھے جو پیپلز پارٹی کے ایم پی اے رہ چکے تھے۔ پولیس سے کہنے لگے میری حکومت ختم ہو چکی ہے ہم اقتدار میں ہوتے تو تمہاری جرات نہ ہوتی کہ تم ہمارے ساتھ ایسا سلوک کرتے۔ خیر کوئی بات نہیں میں تمہارے ساتھ نمٹ لوں گا۔ صفدر صاحب کا کہنا تھا کہ شاہین سے میری 20 سال پرانی دوستی ہے اور شادی شدہ بال بچوں والی ہے۔ اور رہا شراب کا مسئلہ تو ہر پاکستانی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے سکون حاصل کرنے کے لئے شراب پئے۔ انہوں نے اے ایس پی سے کہا کہ بڑے لوگوں پر ہاتھ ڈالنا بہت مہنگا ثابت ہو گا۔ اسی ہوٹل کی ایک دوسری منزل پر چھاپہ مارا گیا تو ایک اور کمرے سے شراب کی بوتلیں برآمد ہوئیں۔ کمرے میں موجود شخص محمد اقبال اسسٹنٹ کمشنر سرگودھا نکلے۔ بقول ان کے وہ اپنی فیملی کے ہمراہ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس کی نہ جانے کیا وجہ تھی کہ موصوف نے کسی سرکاری ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرنا پسند نہ کیا۔



انبساط یوسف کے سنسنی خیز انکشافات

"بازار حسن کی رقاصائیں ضلعی انتظامیہ کی پابندیوں کی زنجیریں توڑ کر بند کمروں سے نکل آئیں۔ سربازار ناچتی رہیں۔ طبلے کی تھاپ اور گھنگھروؤں کی جھنکار میں "لال پری" سربازار چلتی رہی۔ رقص و موسیقی کا یہ سلسلہ پولیس کی باقاعدہ نگرانی میں درمیانی شب شروع ہوا اور صبح تک جاری رہا۔ بدنظمی کا تدارک کرنے والے پولیس اہلکار خود نوٹ لوٹتے رہے۔ بازار حسن میں ہونے والی دو بڑی تقریبات میں علاقے کی سیاسی و سماجی شخصیات نے حصہ لیا۔ پہلی تقریب کوچہ حیدری میں باقاعدہ سٹیج لگا کر منعقد کی گئی۔ اس تقریب کی صدارت جاوید اشرف نے کی جن پر طوائفیں نوٹ نچھاور کرتی رہیں "ٹن" تماش بینوں نے سٹیج پر "مجرا" کرنے والیوں کو گھیرے میں لے لیا اور نوٹوں کی ایسی برسات ہوئی کہ مقامی افراد بھی نوٹ لوٹنے میں شامل ہو گئے۔ اس موقع پر پولیس نے ڈنڈے مار مار کر لوگوں کو کرسیوں پر بٹھایا۔ لال پری کا استعمال اس قدر آزادانہ ہوا کہ شوقین لوگ برتن خالی کر کے نالیوں میں پھینک دیتے۔ احاطہ مائی میداں میں منعقدہ ایک دوسری تقریب میں صرف موسیقی کا پروگرام ہوا جس میں البیلا سمیت متعدد فنکاروں نے آئٹمز پیش کئے۔ اس تقریب میں اداکارہ عروج نے مہمان خصوصی میاں یوسف صلاح الدین کو ہار پہنایا۔"

میاں صلی کی حویلی کا لاہور کی سیاسی و ثقافتی سرگرمیوں میں بڑا اہم کردار رہا ہے۔ آج بھی

اس کی سرگرمیاں ماند نہیں پڑیں۔ کیونکہ میاں صلاح الدین کے بعد میاں یوسف صلاح الدین نے یہاں پر ہونے والے میلوں ٹھیلوں اور کارنر میٹنگز میں کمی نہیں آنے دی۔ عام لوگ اس حویلی کے سیاسی پہلو کے حوالے سے ہی آگاہ تھے لیکن یہاں کیا کچھ ہوتا رہا یہ سب کچھ تو اس وقت سامنے آیا جب ایک مڈل گھرانے کی لڑکی اس حویلی میں بہو بن کر گئی۔ کچھ عرصہ تک کھلونے کی مانند اس سے کھیلا گیا اور جب وہ اس حویلی سے نکلی تو اس نے "وائٹ کالر" طبقہ کے اصل چہروں کو بے نقاب کر دیا۔

شاہدرہ کی رہنے والی انبساط مطلوب الرحمان ہوم اکنامکس کالج میں ایم اے کی طالبہ تھی کہ اس کا سامنا میاں یوسف صلاح الدین سے ہو گیا۔ میاں صاحب گو کہ تین بچوں کے باپ تھے لیکن انبساط کی الھڑ جوانی نے انہیں سب کچھ بھلا دیا۔ وہ ہر وقت انبساط سے



یوسف صلاح الدین

ملاقات کی تلاش میں رہنے لگے۔ ایک اوسط درجے کے خاندان کی لڑکی نے جب دیکھا کہ ایک رئیس زادہ اس پر لٹو ہوا جا رہا ہے تو اس کو اپنی تقدیر بدلتی محسوس ہوئی۔ انبساط نے سوچا کہ شاید لکشمی دیوی خود اس کی دہلیز پر چل کے آ گئی ہے۔ دوسری جانب میاں یوسف بھی انبساط کو صرف ایک بات ہی کہتے تھے کہ اگر تم نہ ملیں تو میں مر جاؤں گا۔ ایک نوخیز

دوشیزہ کو یہ باور کرا دینا کہ اس کے بغیر میری دنیا اندھیر ہے' یہی محبت کی کامیابی سمجھا جاتا ہے۔ میاں یوسف اس معاملے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ لہٰذا ایک رات ڈیڑھ بجے انبساط نے اپنے گھر والوں کی ناراضی مول لیتے ہوئے تہمینہ درانی کے گھر میاں یوسف سے نکاح پڑھوا لیا۔ میاں یوسف کے لئے یہ زندگی کا حسین ترین لمحہ تھا' کئی روز تک جشن کی تقریبات ہوتی رہیں جو نکاح سے دوسرے روز سے ہی شروع ہو چکی تھیں۔ شہر کی کون سی ایسی فنکارہ تھی جس نے میاں صاحب کی حویلی میں حاضری نہ دی ہو۔ خاص طور پر ریما نے مسلسل دو روز تک میاں یوسف کی حویلی میں مجرا کیا اور صرف ایک ہی گانا بجایا گیا کہ "نہ جانے کہاں دل کھو گیا۔"

انبساط جب حویلی میں آئی تو اسے معلوم ہوا کہ اس حویلی میں گھر کا تو کوئی تقدس نہیں' یہ تو سراسر عشرت کدہ ہے۔ جہاں عمران خان' یوسف صلاح الدین اور ان کے دوسرے دوست اکٹھے ہوتے ہیں۔ داد عیش دی جاتی ہے۔ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی انبساط نے حویلی کو گھر کا روپ دینے کی کوشش کی۔ عورت خواہ کسی بھی طبقہ کی ہو۔ پرسکون گھر اور بچے اس کی پہلی خواہش ہوتے ہیں لیکن انبساط کی بدقسمتی کہ اسے حویلی میں دونوں میں سے ایک چیز بھی میسر نہیں آئی۔ کیونکہ میاں یوسف نے انبساط کو بچے پیدا کرنے سے روک دیا تھا۔ انبساط چار مرتبہ حاملہ ہوئی لیکن چاروں مرتبہ میاں یوسف نے اسقاط حمل کرا دیا۔ بلکہ ایک مرتبہ تو جڑواں بچے تھے لیکن یوسف صاحب ایک درمیانے گھر کی لڑکی کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے کے باپ نہیں بننا چاہتے تھے۔ انبساط کا حسن اور لچکتا بل کھاتا جسم' میاں صاحب کی حسرت تھی جو شادی کی شکل میں پوری ہو گئی۔ میاں صاحب انبساط کو اس سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہ دیتے تھے۔ اس رویے نے نوخیز کلی کو معاشرے کا باغی بنانا شروع کر دیا۔ کیونکہ اس کے گھر میں جو کچھ ہوتا تھا' وہ کسی بھی عورت کے گھر میں ہوتا' اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتا۔ عمران خان جسے انبساط "چاچو" کہہ کر پکارتی تھی' وہ بھی روزانہ کسی نہ کسی نئی لڑکی کے ساتھ حویلی آن نکلتے۔ انبساط کو محسوس ہوتا جیسے یہ اس کا نہیں' عمران کا نائٹ کلب ہے۔ جہاں وہ روزانہ اپنی حسرت پوری کرنے آ جاتا ہے۔ 1993ء میں بینظیر بھٹو لاہور آئیں تو انہوں نے انبساط سے



یہ عمران خان ہیں

کہا کہ "یہ ہمارے لئے اعزاز ہو گا کہ آپ پیپلز پارٹی جوائن کر لیں۔" انبساط نے یوسف سے مشورہ کیا تو انہوں نے اجازت دے دی اور یوں انبساط نے پیپلز پارٹی لاہور کی جنرل سیکرٹری کے طور پر کام شروع کر دیا۔ انبساط کہتی ہیں کہ میں حویلی کو عوامی' رفاہی حویلی بنانے کی کوشش کرتی رہی۔ اسے ژی ٹی وی اور بی بی سی تک سے متعارف کرا دیا لیکن اس کے باوجود 1994ء میں مجھے اس شادی سے بیزاری سی محسوس ہونا شروع ہو گئی کیونکہ یوسف اور میرے خیالات میں تضادات سامنے آ چکے تھے۔ دوسرا اولاد بھی نہیں تھی۔ اور پھر حویلی میں جو کچھ ہو رہا تھا' وہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا اور ستم بالائے ستم یہ کہ اسے روکنا میرے بس سے باہر تھا۔ عمران خان وہ آدمی تھا جس کے ذریعے حویلی میں عورت آتی تھی۔ یوسف کھانا پکوا کر گھر سے دے دیتا اور پھر سارے دوست مل کر انجوائے کرتے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ میرا شوہر سدھر جائے اور میں اس حویلی کو گھر میں تبدیل کر سکوں لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ یوسف نے علیحدگی کے باوجود اپنی پہلی بیوی سے تعلقات قائم رکھے۔ طلاق کے باوجود محبت کی چنگاری سلگتی رہی۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں نے یوسف کو موبائیل پر فون کیا تو ان کے ڈرائیور نے فون اٹینڈ کیا۔ میں نے یوسف کا پوچھا تو اس نے ٹال مٹول سے کام لیا۔ سختی کی تو کہا کہ میاں

صاحب اقبال ٹکا کے گھر میں ہیں۔ میں نے صحافی بن کر اس کے بیڈ روم میں فون کیا' ان کی پہلی بیوی نے فون اٹھایا میں نے میاں صاحب سے بات کرانے کو کہا تو انہوں نے فوراً فون لے لیا میاں صاحب میری آواز سن کر گھبرا گئے۔ اس واقعہ کے بعد ہمارے تعلقات میں مزید دراڑیں پیدا ہو گئیں۔ اور ان دراڑوں کو عمران خان نے مزید وسیع کیا۔ انبساط کہتی ہیں کہ میں عمران کی نظروں کو پہچان گئی تھی۔ اسی لئے انہیں چاچو کہتی تھی۔ ویسے بھی عمران کو مفت خوری کی عادت تھی۔ دوسروں کے پلے سے عیاشی کرنا وہ اپنا حق سمجھتے تھے۔ میرے گھر پر بھی عملاً" عمران خان کا قبضہ تھا۔ جس گھر میں میرا ولیمہ ہوا تھا۔ وہاں عمران اپنے دوستوں کو کھانے کی دعوتیں دیتے' مجرے کرواتے' ہر رات حسین لڑکیاں لے کر آتے اور نوکروں سے کہتے "بستر لگا دو' کھانا لگا دو" کوئی بھی حساس اور شریف عورت اپنے گھر کا تقدس پامال ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ میں یوسف سے کہتی تو جواب ملتا کہ بکواس بند کرو۔ پہلی مرتبہ جب میرے اور یوسف کے تعلقات کشیدہ ہوئے تو بے نظیر بھٹو نے یوسف سے کہا تھا کہ "تم بڑے بدقسمت آدمی ہو۔ انبساط کو نہ چھوڑنا ورنہ سیاسی و سماجی طور پر تباہ ہو جاؤ گے۔"

انبساط کہتی ہیں کہ مجھے آج ان لڑکیوں پر افسوس ہوتا ہے جو یوسف اور ان کے دوستوں کے ہاتھوں برباد ہو رہی ہیں۔ مریم اور سونیا نام کی دو ماڈل گرلز نے آج کل حویلی میں ڈیرے جما رکھے ہیں۔ ساری لڑکیاں تین بجے یوسف کے گھر اکٹھی ہوتی ہیں۔ دو گاڑیوں اور ایک پجارو میں بیٹھ کر وہ لوگ جمنازیم چلے جاتے ہیں۔ پجارو میں لڑکیاں بھری ہوتی ہیں اور یوسف درمیان میں ہوتا ہے۔ ایکسر سائز اور سوئمنگ پول پر ایک لڑکی تولیہ پکڑے کھڑی ہوتی ہے۔ ایک پسینہ پونچھ رہی ہوتی ہے۔ یوسف ہیرا منڈی سے نہیں' مڈل کلاس کی لڑکیوں سے دوستی کے شوقین ہیں۔ یوسف کا خیال تھا کہ 27 نوکروں' 4 نوکرانیوں' گاڑی' ایئر کنڈیشنڈ گھر اور دیگر سہولتوں کے بغیر میں مر جاؤں گی لیکن شاید انہیں معلوم نہیں تھا کہ میں حالات سے لڑنے کا فن جانتی ہوں۔ کسی سے عشق ہونا اور بات ہے۔ کسی کا پیسہ کھا جانا دوسری بات۔ میاں یوسف نے تو مجھے کبھی کچھ نہیں دیا۔ سونا' ڈائمنڈ تو یوسف کو ویسے ہی پسند نہیں تھا۔

ایم پی اے اور اسکے بھائی کے شرمناک کارنامے

ایک اعلیٰ سطحی تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق "لیاقت عباس نے اپنے بھائی مہدی حسن بھٹی سابق ایم پی اے کے منصب کا بھرپور ناجائز فائدہ اٹھایا اور سرکاری اہل کار محض اس کے گماشتے بن کر رہ گئے۔ لیاقت عباس کو حافظ آباد کا راسپوٹین کا خطاب دینے میں کوئی حجاب محسوس نہیں کیا جاسکتا۔ مذکورہ نے زناکاری اور حرام کاری کے ایک نئے باب کو جنم دیا۔ اپنی شیطانی خواہشات کی تکمیل کے لئے مذکورہ نے شعبہ تعلیم سے وابستہ تدریسی زنانہ سٹاف کو خصوصی طور پر اپنا ہدف بنایا۔ دو خاتون افسران کے توسط سے خوبصورت استانیوں کی فہرست تیار ہوتی' پھر ایک ایک کر کے ان استانیوں کا تبادلہ دور دراز علاقوں میں کر دیا جاتا۔ یہ دونوں افسران' استانیوں کے رابطہ کرنے پر' انہیں لیاقت عباس سے رجوع کرنے کی تلقین کرتیں اور بلاآخر جب لیاقت عباس اپنے مکروہ عزائم میں کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا تو اس کے کہنے پر تبادلہ منسوخ کر دیا جاتا۔ لیاقت عباس کی سفارش پر متعدد غیر سند یافتہ استانیوں کو تدریس کے شعبے میں ملازمت دی گئی اور جعلی اسناد پر بھی ملازمتیں دلوائی گئیں۔"

رپورٹ میں ان آٹھ خواتین کا تذکرہ بھی ہے' جنہیں ناجائز مراسم کی بنا پر جعلی اسناد پر ملازمت دلوائی گئی' آوٹ آف ٹرن پروموشن دی گئی اور دیگر خصوصی مراعات اور نوازشات کی گئیں۔ رپورٹ کے مطابق ...... "پھر بھی لیاقت عباس کی حرص نفسانی کی تشفی نہ ہو سکی۔ مذکورہ نے اپنے معتمد خاص آفتاب میانہ اور بہادر شاہ عرف بہادری کے ہمراہ زنا بالجبر کی ایک الگ داستان رقم کی۔"

"سول ہسپتال حافظ آباد میں متعین ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر (جو میاں بیوی ہیں) چار سال قبل شام کو تفریح کے لئے اپنی کار پر نکلے۔ وہ پٹرول پمپ پر پٹرول لے رہے تھے کہ لیاقت عباس، آفتاب میانہ اور بہادر شاہ عرف بہادری، انہیں اغوا کر کے ریسٹ ہاؤس لے گئے اور خاوند کی موجودگی میں بیوی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ دونوں میاں بیوی اگلے روز ڈی ایس پی کے پاس فریاد لے کر گئے، تو ڈی ایس پی نے لیاقت عباس کو شریف شہری قرار دیا، دونوں ڈاکٹر مستعفی ہو کر غالباً ملک ہی چھوڑ گئے۔" یہ تو ان کی درندگی کا محض ایک واقعہ ہے اس طرح کے اور بھی کئی واقعات ہیں جو منظر عام پر آ چکے ہیں ان میں ایک طالبہ کو اغوا کرنے کے بعد زیادتی کا نشانہ بنانے کا واقعہ بھی خاصا معروف ہو اس واقعہ کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

لیاقت عباس نے اپنے غنڈوں کی مدد سے ایک خوبرو طالبہ کو کالج جاتے ہوئے اغواء کر لیا اور 21 روز تک اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ حافظ آباد میں اس واقعہ کے رد عمل کے طور پر احتجاجی جلوس نکلے، ہڑتال ہوئی اور بلاخر 21 روز بعد لیاقت عباس نے مظلوم طالبہ کو واپس کر دیا اسکے علاوہ پنڈی بھٹیاں دربار روڈ کی لڑکی ...... کو ویگن سے زبردستی اتار کر پٹرول پمپ کے تہہ خانے میں ہوس کا نشانہ بنایا علاوہ ازیں یہ داستان بھی خاصی عام ہوئی کہ لیاقت عباس، پٹرول پمپ پر پٹرول حاصل کرنے والی ایک بارات سے دلہن کو زبردستی اغواء کر کے تہہ خانے میں لے گیا اور ...!

رپورٹ میں ان عورتوں کی تفصیل بھی درج ہے، جن سے لیاقت عباس کے ناجائز مراسم ہیں یا وہ اس کے لئے خواتین کی فراہمی کے فرائض انجام دیتیں ...... رپورٹ میں اس روح فرسا واقعے کی تفصیل بھی درج ہے، جو ان دنوں اخبارات کی سرخیوں میں نمایاں رہا۔

"مورخہ 89-9-7 کو لیاقت عباس نے ہمراہ شیخ پرویز، بہادر خاں عرف بہادری (مشہور ہیروئن فروش) ایک لڑکی راشدہ کو اس کے گھر سے اغواء کیا۔ اس کا والد احمد علی ماچھی، لیاقت عباس کے پٹرول پمپ پر منشی ہے۔ لڑکی کے والدین اس روز موضع امرا گئے ہوئے تھے۔ لڑکی کے ہمراہ اس کی ایک سہیلی ...... بھی تھی تمام رات لڑکیوں کو شراب پلا کر ان

سے بدکاری کرتے رہے، کثرت زنا اور شراب نوشی سے راشدہ کی حالت غیر ہو گئی تو اسے ہسپتال لے گئے، اور ظاہر کیا کہ امرود کھانے سے اسے ہیضہ ہو گیا ہے۔ وہ اس حالت میں مر گئی اور اس کے والد کو خوف زدہ کر کے اس کی لاش کرم اللہ چوک کے نزدیک قبرستان میں دفن کر دی گئی۔ ہسپتال کے ریکارڈ کے مطابق

Medical Examination No.1753

Dated:7.9.1989

Cause of death: Coma Shock

Admitted at 01-45

Died at 2-40 P.M.

رپورٹ میں مہدی حسن بھٹی کی ایک اور واردات کا بھی ذکر ہے کہ ایک داشتہ ناجائز تعلقات کے شاخسانہ میں حاملہ ہو گئی۔ اور مذکوریہ اپنی والدہ کے ہمراہ پیپلز ہاؤس گئی۔ ایم پی اے صاحب اسے لیڈی ولنگٹن ہسپتال لاہور لے گئے۔ ہسپتال کے عملے کے انکار پر انھیں اپنی عزت کا واسطہ دے کر مینار پاکستان کی دہلیز پر رات بسر کرنے کے لئے چھوڑ گئے اور وعدہ کے مطابق لوٹ کر نہ آئے ـــــ کو اس کی والدہ فیصل آباد لے گئی، جہاں اسقاط حمل کے دوران مذکوریہ کی موت واقع ہو گئی۔"

شاہین منور

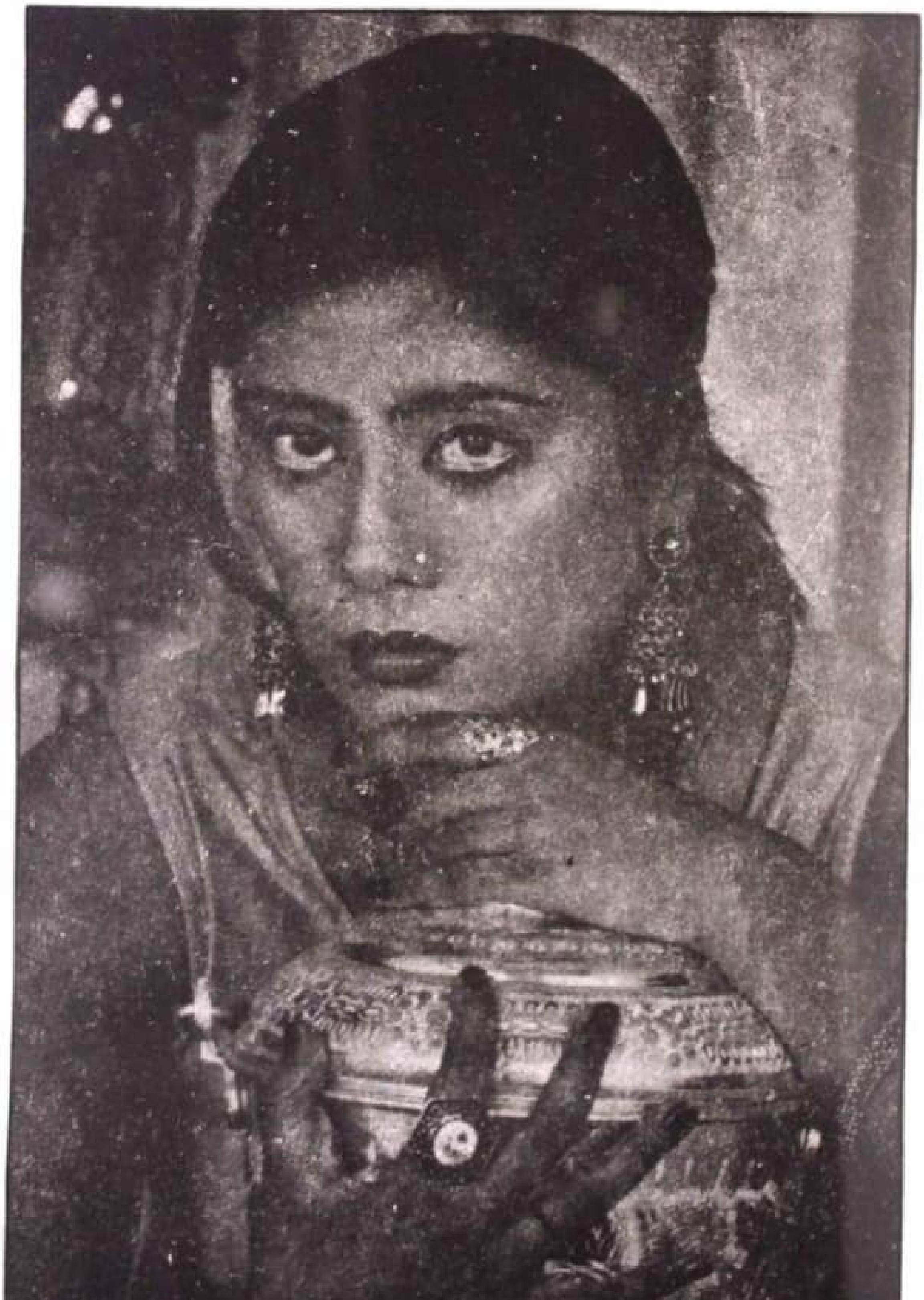
بھٹو کے دور میں خصوصی شہرت حاصل کرنے والی ایک عورت شاہین آج بھی کئی دلوں میں بستی ہے۔ شاہین مظفر گڑھ کے جاگیردار کی خرمستیوں کے باعث حکمرانوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئی۔ اس خوبرو دوشیزہ نے پنجاب کے کرتا دھرتا کو اپنی زلفوں کے جال میں گرفتار کرنے کے بعد اپنی پیاس بجھانے کے لئے ادھر ادھر منہ مارنا شروع کر دیا۔ اس وقت پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے ایک ایڈوائزر "قادیانی" اور شاہین کے شکار کے سبب بڑی شہرت رکھتے تھے۔ شاہین کو دولت کی بہت ہوس تھی اس قدر کہ اس نے ایک ایڈوائزر "

احمد" کی موجودگی میں ایک صوبائی وزیر کو پھنسالیا۔ یہ صوبائی وزیر ملتان کا ایک جاگیردار تھا۔ محمد خان جسے "ایم کے" کہا جاتا رہا۔ شاہین کے لئے کئی حوالوں سے یہ جاگیردار پسندیدہ آدمی تھا۔ اس کے پاس مال و دولت بھی تھا۔ اور اس دولت کے علاوہ اسے جاگیردار کے گھر میں کھلی چھٹی بھی مل سکتی تھی۔ یہ عورت جاگیردار کی باقاعدہ بیوی بن گئی۔ لیکن دوسرے کرداروں کو بھی جنسی ملاپ کا موقع فراہم کرتی رہی۔ انہی عاشقوں میں سندھ کا ایک وڈیرہ "پیر" بھی تھا جو آج کل بھی شاہین کا عاشق ہے۔ اس عورت نے بعد میں جاگیردار سے طلاق لے لی جس کے باعث جاگیردار کو اتنا صدمہ ہوا کہ وہ پاگل ہو گیا۔ وہ پاگل پن میں ایک بار مجھے مل گیا اور اپنے گھر لے جا کر شاہین کی آواز کے ٹیپ سنوانے لگا۔ اس آواز میں شاہین انتہائی بدتر انداز میں "ایم کے" کو گالیاں دیتے ہوئے سنی گئی۔ شاہین نے بعد میں جہلم کے اس کردار سے شادی کرلی جو "قادیانی" ہونے کے حوالے سے مشہور تھا۔ یہ خاوند آج کل بھی ایک صوبے میں اہم سیاسی پوزیشن کا حامل ہے۔ اسے یہ پوزیشن صرف شاہین کی بدولت ملی ہے کیونکہ کئی بڈھے سیاست دان آج بھی شاہین سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور وہ اس کے خاوند کو اقتدار کے قریب تر رکھنے پر مجبور ہیں۔ میانوالی کا ایک بڈھا جاگیردار بھی شاہین کی حسین آنکھوں کا شکار ہے۔ شاہین کی ایک بچی کی شادی بھی ہو چکی ہے لیکن آج بھی اس کی قربت حاصل کرنے والے جنسی درندوں کا کہنا ہے کہ "آتش ابھی جوان ہے" اس دور کا ایک ایک کردار نرالہ ہے۔ جیسا کہ (ملک صاحب) جن کی بہن ملتان میں فحاشی کا اڈہ چلاتی تھی۔ اس فحاشی کے اڈہ کی بدولت ممتاز کئی بار جیل گئی۔ تماش بینوں کے پاس جاتے جاتے وہ تجربہ کار ہو گئی۔ ممتاز نے ملتان کے کئی جاگیرداروں کو اپنا شکار بنایا اور اپنے بھائی کو صوبائی اسمبلی اور بعد میں صوبائی کابینہ کا رکن بنوا لیا۔ صوبائی کابینہ میں ملک صاحب نے عیاشی کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے موصوف نے جس پر ڈالی بری نظر ڈالی۔ ایک دفعہ ان کی نظر ایک خاتون صحافی پر پڑ گئی اور بس پھر وہ ہاتھ دھو اور پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئے۔ بالآخر اس خوبرو دوشیزہ نے ملک کو اپنا خاوند بنا لیا۔ لیکن وہ آج تک اسے انسان نہیں بنا سکی۔ ملک کو کئی بار خوفناک مظالم کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے جیل میں توبہ بھی کی اور جیل سے آتے ہی ملتان کے ایک جدید ہوٹل میں توبہ توڑ دی۔ ان

کی جنسی درندگی کا یہ عالم بھی "خلق خدا" نے دیکھا کہ ملتان کی نگری میں ذاتی مکان ہوتے ہوئے وہ بیوی سمیت ہوٹل میں رہائش پذیر رہتے اور اپنی بیوی کی موجودگی میں ایک ہی کمرے میں پڑے ہوئے دوسرے بیڈ پر عصمتوں سے کھیلتا رہا۔ ان کی بیوی ان سے ایسی پارٹی ورکرز کو دور رکھتی ہے جنہیں خوبصورت کہا جا سکتا ہے۔ اب ان کی بیوی کو سیاسی کام بھی کرنا پڑتا ہے اور اپنے خاوند پر نظر بھی رکھنا پڑتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل انہیں لاہور میں سرکاری افسروں اور جاگیرداروں کے ساتھ فیصل ٹاؤن کی ایک کوٹھی میں پولیس نے گرفتار کر لیا تھا۔ ان کے ساتھ موجود مرد اور عورتیں ننگی تھیں۔ رہائی کے بعد ملک نے پولیس کی کارروائی کو سیاسی انتقام بنایا۔ اس عوامی حکومت کا ایک کردار اپنی جنسی عیاشی کے باعث بہت شہرت رکھتا تھا۔ اس نے کبھی اپنی کابینہ میں کسی ایک بھی ایسے وزیر کو نہیں رکھا جو شراب و شباب کا رسیا نہ ہو۔ ان کی صوبائی کابینہ کے ایک رکن میاں صاحب جیل سے رہائی کے بعد ایک انٹرویو میں بتاتے ہیں کہ شملہ پہاڑی کے نزدیک ایک بار ان کی نظر ایک خوبرو دوشیزہ پر پڑ گئی یہ خوبرو دوشیزہ خواتین کے کسی کالج میں لیکچرار تھی۔ اس نے اپنے چچوں کو حکم دیا کہ کسی طرح اس خوبرو دوشیزہ کو قابو کریں۔ کارندوں نے مختلف حیلوں اور بہانوں سے اس دوشیزہ کو یہ لالچ دیا کہ وہ جس سیاسی کردار کو بہت انسانیت پسند کہتی ہے وہ شخصیت اس سے ملنا چاہتی ہے۔ کارندے اہم شخصیت سے ملوانے کے لئے اس دوشیزہ کو گورنر ہاؤس تک لے آئے۔ سابق صوبائی وزیر کے بقول جب یہ دوشیزہ گورنر ہاؤس سے نکلی تو وہ پاگل ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ ان کی آخری ملاقات ایک قبرستان میں ہوئی تھی جہاں وہ اپنی والدہ کی قبر پر بیٹھی اپنی عصمت کے لٹنے پر فریاد کناں تھی۔ اس صوبائی وزیر کا کہنا تھا کہ "جب میں جیل میں تھا تو میرا ضمیر ملامت کرتا کہ میں خود اس لڑکی کو بے آبرو کرنے کے گناہ میں شریک تھا۔ آج میں اس عورت کو ڈھونڈ رہا ہوں تاکہ اس کے پاگل پن کا علاج کروا کر اپنی بہن سمجھ کر اپنے گھر میں رکھوں۔ اور اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کروں لیکن وہ مجھے کبھی نہیں ملتی۔ اور ضمیر کی خلش مجھے بے چین رکھتی ہے۔ آج بھی مجھے اس دوشیزہ کی معصومیت اور مقتدر لوگوں کی جنسی درندگی کا واقعہ یاد آتا ہے تو میری آنکھوں کے ساتھ ساتھ میرا دل بھی روتا ہے۔ لیکن اب پچھتاوے سے کیا ہو سکتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ پچھتاوا میرا مقدر بن گیا ہے۔"

وفاقی وزیر کے بیٹے کا کارنامہ

اداکارہ علیشا ایورینو سٹوڈیو سے "تیری عاشق ہوں" کا خصوصی شو دیکھ کر اپنے سیکرٹری اور ایک ہدایت کار کے ساتھ جا رہی تھیں۔ رات کے تین بج چکے تھے سٹوڈیو سے نکلنے کے بعد ابھی انہوں نے تھوڑا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ کالے رنگ کی ایک تیز رفتار کار I-D-H- 8102 نے ان کا پیچھا شروع کر دیا۔ .سطامی روڈ کے قریب آ کر انہوں نے علیشا کی کار کو روکا ایک نوجوان اس کار سے اترا' علیشا کے ساتھ بیٹھ گیا اور ڈرائیور کو فلیٹیز ہوٹل چلنے کو کہا۔ انکار پر گولی مارنے کی دھمکی بھی دی۔ ڈرائیور نے گاڑی چلا دی لیکن جونہی اس نے راستہ میں پولیس سکواڈ دیکھی تو بریک مار دی۔ پولیس نے گاڑی کو حراست میں لے لیا اور معاملہ پوچھا۔ صورتحال کا پتہ چلنے پر جب پولیس اہلکاروں نے نوجوان کو گرفتار کرنے کی کوشش کی تو اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ میرا نام مخدوم بابر ہے اور میں وفاقی وزیر کا بیٹا ہوں۔ تعارف سنتے ہی پولیس والوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ انہوں نے مخدوم صاحب کو باعزت رہا کر دیا اور اس طرح یہ بات تھانے تک بھی نہ جا سکی۔



اداکارہ ملیشاء

معروف صنعت کار عرفان پوری کے سنسنی خیز انکشافات

قومی احتساب بیورو (نیب) کی حراست میں ممتاز صنعت کار خاندان "پوری فیملی" کے عرفان پوری نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بینظیر بھٹو کے دور حکومت میں وفاقی وزیر پٹرولیم انور سیف اللہ اور پھر نواز شریف دور کے وفاقی وزیر پٹرولیم چودھری نثار علی خان سے اس کے قریبی تعلقات تھے اور اس نے مذکورہ وزراء کی بیگمات کو کروڑوں روپے کی شاپنگ کرانے کے عوض جعلی فرنس آئل فروخت کر کے بھاری منافع کمایا۔ عرفان پوری جس کے والد مظہر پوری 16 جنوری کو کراچی جم خانہ میں ہونے والے الیکشن میں صدارتی امیدوار بھی تھے' نے کراچی کی ملیر چھاؤنی کی ایک بیرک میں نیب کے تفتیشی افسران کو اپنا تفصیلی بیان دیا جس میں سنسنی خیز انکشافات کئے گئے۔ عرفان پوری نے بتایا کہ اس نے بیگم انور سیف اللہ اور بیگم نثار علی چودھری کے میک اپ سمیت انتہائی بیش قیمت ہیرے اور سونے کے سیٹ فراہم کرنے کے علاوہ ان کے بیرون ملک سیرو تفریح کے لئے خطیر رقوم فراہم کیں جس کے بدلے ان دونوں وزراء نے اس کی ہر ناجائز حرکت کو سرے سے نظر انداز کر دیا۔ عرفان پوری نے اعتراف کیا کہ اس نے انور سیف اللہ کو 100 کروڑ جبکہ چودھری نثار علی خان کو 200 کروڑ روپے کے لگ بھگ نقد رقم فراہم کی اور دونوں وزراء اور ان کے قریبی دوستوں کے لئے لاہور اور کراچی کی متعدد فلمی اداکاراؤں کے علاوہ طوائفوں کی خدمات بھی حاصل کیں۔

بیگم تسنیم طفیل اور فحش فلمیں

مسلم لیگی رہنما بیگم تسنیم طفیل کا سینما مرکزی فلم سنسر بورڈ کے انسپکٹر نے ٹوٹے چلانے کے الزام میں سیل کر دیا جبکہ ایک سابق ایم این اے کے رشتہ داروں اور ایک ایم پی اے کا ملکیتی سینما انگریزی اور پشتو فلموں کی آڑ میں فحش فلمیں چلانے کے باوجود چمک کے کرشمہ سے آج تک بچا ہوا ہے۔ جبکہ سمندری روڈ کے علاقہ کے دو سینما اور تھانہ غلام محمد آباد کے علاقہ کا ایک سینما ٹوٹے چلانے میں بدنام ہیں' جہاں ڈیڑھ گھنٹہ کی فحش فلم کا ٹکٹ بلیک میں ایک سو روپے تک فروخت ہوتا ہے۔ مرکزی فلم سنسر بورڈ کے انسپکٹر ایک سینما پکڑنے کے بعد نامعلوم وجوہات کی بنا پر دیگر دو سینماؤں کی انسپکشن نہیں کر سکے۔ جس کے باعث قرب و جوار کے شہروں' قصبوں اور دیہاتوں کے شوقین مزاج لوگوں کا سارا ہجوم ان سینماؤں کی طرف امڈ آیا ہے۔

مدیحہ شاہ اور وزراء کے بیٹے

احمد پور شرقیہ کے نواحی گاؤں ٹھیری ضبطی میں معروف فلمی اداکارہ اور رقاصہ مدیحہ شاہ کے نیم برہنہ لباس میں سرعام مجرے کا مقدمہ درج ہونے کے باوجود بہاولپور پولیس نے کسی بھی ملزم کو گرفتار نہ کیا کیونکہ اس مجرے کا اہتمام سابق وفاقی وزیر مملکت شہزاد سید الرشید عباس کے بیٹے سابق گورنر سندھ کے بھتیجے عدنان لباس اور مقامی ایم پی نے کیا تھا۔ روبی رضا عرف مدیحہ شاہ عرف مدھو کے بارے میں ایک صنعت کار سید واجد علی شاہ نے بعض انکشافات کر کے لوگوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ سید واجد علی شاہ نے بتایا کہ مدیحہ سے ان کی پہلی ملاقات پیر پگاڑا کے صاحبزادے کے ہاں ایک "برتھ ڈے" پر ہوئی۔ اس ملاقات کے بعد مدیحہ میرے پیچھے پڑ گئی اور میرے ساتھ ہر قسم کے تعلقات روا رکھے۔ مدیحہ نے جس کا اصل نام روبی رضا ہے، مجھے کہا کہ میں شرافت کی زندگی اختیار کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے اس کی خواہش کو صرف "بچپن کی سوچ" کے انداز میں لیا۔ لیکن اسے لفظ "شاہ" کی بے حرمتی کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ مدیحہ آج جن حالات میں ہے جسے وہ عزت سمجھتی ہے یا شہرت ...... میں اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ فلمی حلقوں میں سید واجد علی شاہ کے بیان سے اٹھنے والے سوالات کا جواب دیتے ہوئے سید واجد علی شاہ نے کہا کہ آپ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ پاکستان میں صرف ایک فیصد افراد اعلیٰ قسم کی تماش بینی کے متحمل ہیں۔ مجھے اکثر یہ پتہ چلتا رہا ہے کہ اس وقت مدیحہ کس ہوٹل میں کس وزیر کے ساتھ ہے۔ اس ایک فیصد طبقہ میں میرے دوست ہیں۔ اگر میں نے مدیحہ کو بدنام یا پریشان کرنا ہوتا تو میں اس کے دوستوں اور گاہکوں کی فہرست بلکہ انتہائی طویل فہرست اخبارات کو

"بینظیر" خواہش

اداکارہ میرا کی والدہ شفقت زہرہ بخاری نے ایک انٹرویو میں کہا کہ میں آئندہ الیکشن میں بھرپور حصہ لوں گی اور مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر عوام کی خدمت کروں گی۔ میری بیٹی میرا نے جس طرح فلمی دنیا میں نام پیدا کیا ہے اسی طرح میں سیاست دان بن کر چار چاند لگا دوں گی۔ اداکارہ میرا نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میری والدہ سماجی اور قومی مسائل حل کرنے میں سیاست میں آئے اور بینظیر بھٹو کی طرح مقبولیت حاصل کرے۔



اداکارہ میرا کی والدہ اور اس کی چھوٹی بہن



اسلام الدین شیخ اور اداکارہ خوشبو

قومی احتساب بیورو کے افسروں نے اداکارہ خوشبو کو کراچی ایئرپورٹ پر پی آئی اے کی لاہور آنے والی پرواز سے آف لوڈ کر کے اس کے سابق شوہر معطل رکن قومی اسمبلی اسلام الدین شیخ کی تحقیقات کے سلسلے میں پوچھ گچھ کی۔ خوشبو چند روز قبل کراچی گئی تھیں اور انہیں 9 مئی کو الحمراء کے سٹیج ڈرامے "بکرا قسطوں پر پارٹ 4" میں شرکت کے لئے لاہور آنا تھا مگر حساس اداروں نے لاہور روانگی سے قبل اسے روک لیا۔ خوشبو نے ابتدائی تفتیش میں اسلام الدین شیخ کی ایک بچی کی ماں ہونے کا اعتراف بھی کیا اور کہا کہ اسلام الدین شیخ اس پر ماہانہ لاکھوں روپے خرچ بھی کرتا رہا تاہم وہ اسے اب چھوڑ چکی ہے۔

وزیر مذہبی امور کی غیر شرعی حرکتیں

پیپلز پارٹی ایک طویل عرصہ کے بعد اقتدار میں آئی' جیالوں نے لوٹ مار اور عیاشیوں کی حد کر دی سٹی ایریا کے صدر کے چھوٹے بھائی کی شادی کے موقع پر گورنر ہاؤس سے متصل بارہ دری میں عشائیہ اور ساز و آواز کی محفل سجانے کا پروگرام ترتیت دیا گیا۔ لیکن شہر کی انتظامیہ کھلے عام ناچ گانے کی اجازت دینے سے گریزاں تھی۔ اس پر طویل غور و خوض کیا گیا۔ مذہبی امور کے وزیر الحاج حنیف سولجر کے شادی والے خاندان سے قریبی تعلقات تھے' انہوں نے اس مسئلہ کا حل پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ محفل میں خود شریک ہو جائیں گے' وزیر اور ان کے ساتھ پولیس گارڈ بھی ہوں گے لہٰذا کسی کو مداخلت کی جرات نہیں ہو گی اور پھر یونہی کیا گیا۔ وزیر مذہبی امور تقریب میں شریک ہوئے۔ انگور کی بیٹی نے خوب اودھم مچایا۔ صبح صادق تک تقریب کا رنگ جما رہا۔ اسی روز حنیف سولجر صاحب کو بلدیہ ٹاؤن عابد آباد میں ایک دینی مدرسے کا افتتاح کرنا تھا۔ رات بھر لال پری انڈیلنے کے باعث سولجر صاحب اکھڑ چکے تھے۔ جب مدرسہ کی تقریب میں پہنچے تو ان کی زبان ان کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ لہٰذا مختصر سی رسمی گفتگو کے بعد سولجر صاحب نے جان چھڑانا مناسب سمجھا۔ جس دیس میں مذہبی امور کے وزیر کا یہ عالم ہو وہاں باقی دنیوی امور کے وزراء سے کیا توقع رکھی جا سکتی ہے؟

شرم تم کو مگر نہیں آتی

سیاسی مخالفین پر الزامات لگانے اور ان کی کردار کشی کرنے والے حکمرانوں کی خود اخلاقی حالت یہ ہے کہ وہ برائیوں کی دلدل میں سرتاپا غرق اور گناہوں کی انتہائی پستیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر پھینکنے والے ان وزیروں' مشیروں اور ارکان اسمبلی کے بارے میں اخبارات اور جرائد میں جو کچھ شائع ہوا اور آف دی ریکارڈ اخبار نویسوں کو جو کچھ معلوم ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ حکمرانوں کی بجائے عوام کی گردنیں ہی شرم سے جھکا دینے کے لئے کافی ہے۔

لندن کے ایک ہوٹل میں وفاقی وزیر شیخ رشید کے داد عیش کی جو رپورٹیں اکتوبر میں اخبارات میں شائع ہوئیں ان پر اگر مٹی بھی ڈال دی جائے تو بھی مسلم لیگ فتح جنگ سے اپنے ایک رکن اسمبلی ملک عطاء محمد کے بارے میں کیا کہے گی' جس کے لئے لاہور کے ایک اخبار نے تفصیلی رپورٹ میں بتایا تھا کہ وہ وزیراعظم نواز شریف کا قریبی دوست اور مسلم لیگی ہونے کے ناطے قانون سے بالاتر ہے۔ اس نے دوسری تنظیموں سے زیادہ بھیانک عقوبت خانے قائم کر رکھے ہیں۔ وہ اپنے گروہ کے ذریعے نہ صرف ڈاکے ڈلواتا ہے بلکہ جعلی کرنسی اور عورتوں کا کاروبار بھی کرتا ہے۔ اس نے ریاست کے اندر اپنی ریاست قائم کر رکھی ہے اور یہ سب کچھ وہ اسلام آباد کے پڑوس میں کر رہا ہے مگر کوئی پوچھنے والا نہیں۔ قتل کرا دینا اور مخالفین کو اغوا کر کے ٹارچر کرانا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل اور محبوب مشغلہ ہے۔ اس الزام کی تصدیق تو اس بات سے بھی ہو گی کہ جس اخبار نے رپورٹ شائع کی تھی اس کے مقامی نمائندے ممریز خان کو قتل کرا دیا گیا اور مقدمہ بھی



نواز شریف کی رہائش گاہ پر ایک مسلم لیگی خاتون محو رقص ہے پس منظر میں بیگم کلثوم نواز
محظوظ ہو رہی ہیں

درج نہیں ہوا۔

ایم این اے رانا نذیر نے اسلام آباد میں دوسری شادی بھی کی تھی۔ شاہد خاقان عباسی ایک خاتون رکن اسمبلی کی بیٹی سے ملنے ہر ماہ نیویارک جاتے تھے' تاہم ان کا ایک معاشقہ پی آئی اے کی ایک ایئرہوسٹس سے بھی تھا۔ ان کے میڈیا ایڈوائزر نادر چودھری نے بھی ایک ایئرہوسٹس سے خفیہ شادی کی۔ علاوہ ازیں شاہد خاقان عباسی فلمی اداکارہ ریشم کو لے کر لندن بھی گئے تھے۔ سید مشاہد حسین نے اداکارہ فریال گوہر سے دوستی رکھی اور انہیں پروموٹ کرتے رہے۔ مشاہد حسین کی کراچی آمد کے موقع پر علیم عادل شیخ صدر مسلم لیگ یوتھ ونگ کی عشرت گاہوں میں اسلام آباد سے خواتین خصوصی طور پر پہنچائی جاتی تھیں۔ جہاں مشاہد حسین سمیت سابق وفاقی وزیر کیپٹن (ر) حلیم صدیقی سمیت کئی سیاست دان اور اعلیٰ افسران اپنی "تھکاوٹ" اتارنے آیا کرتے تھے۔

بازار حسن اور سیاست

نواب شاہ کے بازار حسن میں طوائفوں اور دلالوں میں نواز شریف اور غلام اسحاق کے حمایتوں کے درمیان نعرہ بازی پر لڑائی ہو گئی طوائفوں اور دلالوں نے ایک دوسرے پر لاٹھیوں سے حملے کئے جس کے نتیجے میں ایک طوائف کنواری رخسانہ پٹھان شدید زخمی ہو گئی۔ 8 سیکشن پولیس نے مقدمہ درج کر کے طوائف پروین اور روزینہ جبکہ ایک دلال قربان کو گرفتار کر لیا۔

"پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی"

طوائفوں کا موقف ہے کہ پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں انہیں اپنا کاروبار کرنے کی آزادی نہیں تھی لیکن اس حکومت کے بدلے کے انہیں کاروبار کرنے کی آزادی ملی طوائفوں کا کہنا تھا کہ میں جیتنے کے بعد مسلم لیگ کے ممبر قومی اسمبلی میاں شہباز شریف نے ان کے علاقے میں زبردست ترقیاتی کام کروائے اور مسلم لیگ کی حکومت نے ہمیں کاروبار کا تحفظ دیا۔ اس سے پہلے اس علاقے میں غنڈہ گردی ہوئی اور پولیس انہیں بڑا تنگ کرتی اس لئے ہم مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے ان خیالات کا اظہار زمرد بیگم نامی ایک طوائف نے مسلم لیگ کے قومی اسمبلی کے امیدوار شہباز شریف کے انتخابی مہم کے دورہ کے دوران جلسہ سے خطاب کے دوران کیا۔ مسلم لیگ (ن) کے امیدوار شہباز شریف نے حلقہ این اے 96 میں انتخابی مہم کے دوران بازار حسن میں دورے کا وقت رات 2 بجے کے بعد مقرر کر رکھا تھا اور جب وہ معمول کے مطابق رات 2 بجے کے بعد بازار حسن پہنچے تو طوائفیں ان کا بھرپور استقبال کرتیں۔ اس موقع پر طوائفوں نے نہ صرف شہباز شریف سے ہاتھ ملایا' بوسے لئے بلکہ ان پر نوٹ اور پھولوں کی پتیاں بھی نچھاور کیں۔ شہباز شریف نے طوائفوں کو یقین دلایا کہ مسلم لیگ برسراقتدار آکر بازار حسن کے مکینوں کے حقوق کا تحفظ اور مسائل حل کرے گی۔ انہوں نے اپنے استقبال پر طوائفوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ انہیں امید ہے کہ اس علاقہ کے لوگ اس مرتبہ بھی انہیں کامیاب کرانے میں اہم کردار ادا کریں گے جبکہ وہ یہاں کی رہائشی خواتین کے تعاون کے بغیر این اے 96 کی نشست نہیں جیت سکتے۔ قبل ازیں جب شہباز شریف علاقے کے معززین حاجی حنیف' ملک امجد اور چودھری ستار وغیرہ کے ہمراہ بازار حسن پہنچے تو طوائفوں نے



بازار حسن کے دورے کے دوران طوائفیں،
شہباز شریف پر نوٹ نچھاور کر رہی ہیں

گھروں کے دروازوں پر ان کا استقبال کیا ان سے لپٹ گئیں اور بوسے لئے۔ اس تمام منظر کو مقامی اخبار کے فوٹوگرافرز نے کیمرے کی آنکھ سے محفوظ کرنے کی کوشش کی تو مسلم لیگ کے چند متوالے مشتعل ہو گئے اور فوٹوگرافر سے کیمرہ چھین کر فلم ضائع کر دی۔

میاں شہباز شریف نے انتخابی مہم کے سلسلے میں جب اگلے روز دوبارہ پہنچے تو ان کا پہلے سے بھی بڑھ کر استقبال کیا گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے شادی یا میلے کا سماں ہو۔ ان کا استقبال کرنے کے لئے اس بازار کے حسین و جمیل چہرے کھڑکیوں سے جھانک رہے تھے اور کچھ ظالم حسینائیں سڑک پر ڈانس کر رہی تھیں۔ ایک طرف لڑکیاں ڈانس کر رہی تھیں تو

دوسری طرف خوبصورت گھوڑے قطار اندر قطار ڈانس کر رہے تھے۔ عینی شاہدوں کے مطابق جب میاں صاحب شرافت کی جھنڈی لہراتے بازار حسن کے علاقے میں داخل ہوئے تو بازار حسن کے خوبصورل "مال" نے نعرے لگا کر ان کی حمایت کا اعلان کیا اور گھروں کی کھڑکیوں سے میاں صاحب پر روپوں کی بارش کی۔ اس ضمن میں ایک اخبار نے ایک تصویر بھی شائع کی جس میں دو تین حسینائیں کھڑکی میں کھڑی میاں شہباز شریف پر دولت کی بارش کرتی ہوئی صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ ایسے لگتا تھا کہ میاں صاحب کے طوائفوں کے علاقے میں تشریف لاتے ہی ہر طرف طوائف الملوکی چھاگئی۔ ان کی کھلی گاڑی میں انکل مشاہد حسین بھی نظر آ رہے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے وہ شرما رہے تھے کیونکہ اخباری تصویر میں ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں جب کہ میاں شہباز شریف سینہ تانے کسی فاتح جرنیل کی مانند کھڑے تھے نہ جانے مشاہد حسین کیوں شرما رہے تھے کیونکہ اول تو میڈیا مینجر شرماتا نہیں، مخالفین کو ڈراتا ہے اور دھمکاتا ہے۔ دوم یہ وہی محلہ ہے جس کا ذکر مذکورہ تصویر کی اشاعت کے ایک روز قبل سیتا وائٹ نے اپنے بیان میں کیا تھا اور کہا تھا کہ جب عمران خان اسے سیر کے لئے مری لے کر گئے تو ان کے ساتھ ان کے جگری دوست یوسف صلاح الدین بھی تھے جو اپنے ساتھ ہیرا منڈی سے "گڈی" نامی کال گرل کو لائے تھے۔ مشاہد حسین کے گھبرانے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ انہیں شاید گڈی نظر آ گئی ہو۔ ویسے ان کی تصویر سے یوں تاثر ملتا تھا جیسے وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ بہرحال ہمارا خیال ہے کہ میاں شہباز شریف نے شاید مشاہد حسین کو ساتھ لے جا کر غلطی کی کہ وہ شرماتے ہی رہے۔ اگر وہ نذیر ناجی کو ساتھ لے جاتے تو میاں صاحب کی ہیرا منڈی کی خوبصورت دوشیزائیں ناجی صاحب کو دیکھ کر شرماتیں کہ یہ کہاں کھڑے ہیں۔

انوکھی شکایت

ہمارے اراکین اسمبلی اور سیاستدانوں کے کئی مطالبے بھی نہایت شرمناک ہوا کرتے ہیں۔ مارچ 1987ء میں مسلم لیگ ہاؤس لاہور میں بلدیاتی انتخابات کے لئے ٹکٹوں کی تقسیم جاری تھی۔ امیدواروں کے انٹرویوز لئے جا رہے تھے۔ امیدواروں کی اکثریت نے تھانہ ٹبی سٹی (ہیرا منڈی) کے ایس ایچ او محسن شاہ کے خلاف شکایات کے انبار لگا دیئے۔ ان کا کہنا تھا کہ شاہ صاحب نے سختی کر رکھی ہے۔ تعارف کے باوجود گاڑیاں اندر نہیں جانے دی جاتیں۔ موقع پر موجود ایک صوبائی رکن اسمبلی نے کونسلر شپ کے امیدواروں سے کہا کہ بھائیو آپ کو بازار حسن جانے کی کیا ضرورت ہے؟ جب حسن خود چل کر آپ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔

عصمت فروشی کے اڈے

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد اور صوبائی دارالحکومت لاہور عصمت فروش عورتوں کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔ اور یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ صرف اس ایک شہر (اسلام آباد) میں عصمت فروشی کے سینکڑوں اڈے موجود ہیں۔ پولیس محض رسمی طور پر کبھی کبھار چھاپے مارتی ہے تو اس کا مقصد مالکان کو ڈرا دھمکا کر ان سے "منتھلی" وصول کرنا ہوتا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق وفاقی دارالحکومت میں سب سے زیادہ اڈہ ثریا نامی ایک نائیکہ کا ہے جہاں تمام بڑے شہروں سے حسین ترین لڑکیاں اہم شخصیتوں کی خدمت کے لئے سپلائی ہوتی

ہیں۔ چنانچہ نائیکہ یا لڑکیاں اگر کبھی پکڑی بھی جاتی ہیں تو اہم شخصیتوں کی سفارش پر چھوڑ دی جاتی ہیں۔ وفاقی دارالحکومت میں لڑکیاں ٹیلی فون پر بھی بک ہوتی ہیں' یہ آج کی کال گرلز ہیں۔ جبکہ بعض ریسٹ ہاؤس اور گیسٹ ہاؤس بھی ان عصمت فروش عورتوں کی سرگرمیوں کی آماجگاہ ہیں۔ سکولوں اور کالجوں کی طالبات تک ان عصمت فروش لڑکیوں میں شامل ہیں۔ بہت سی عورتیں شام کو سج دھج کر بارونق اور ماڈرن علاقوں میں نکلتی اور گاہک تلاش کرتی ہیں۔ وہ بس سٹاپوں سے تھوڑا ہٹ کر کھڑی ہوتی ہیں تاکہ کسی نے ان سے بات کرنا ہو تو کر سکے۔ کار سوار عیاش امرائے کرام انہیں لفٹ دے کر بھی لے جاتے ہیں۔ گاڑی کے اندر بیٹھ کر رقم کا فیصلہ بھی ہو جاتا ہے۔ ان عورتوں کو چلتی پھرتی یا کسبیوں یا بیواؤں کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ شام 5 بجے سے رات کے آٹھ نو بجے تقریباً سبھی بڑے شہروں میں چلتا ہے۔ لاہور ریلوے سٹیشن' شملہ پہاڑی کے گردو نواح' ٹیکسالی' باغ منشی لدھا' فیصل ٹاؤن اور مال روڈ گلبرگ کے بہت سے ہوٹلوں سے نہ صرف عصمت فروش عورتیں دستیاب ہو جاتی ہیں بلکہ وہاں پر بلیو پرنٹ بھی مل جاتے ہیں۔ اور کوئی گاہک چاہے تو بلیو پرنٹ یا کسی لڑکی کو خود لے کر ان ہوٹلوں میں "تفریح" کر سکتا ہے۔

لاہور کی اہم شاہراہوں جیل روڈ' فیروز پور روڈ' مال روڈ' چوبری' نیلا گنبد' لبرٹی مارکیٹ گلبرگ' برکت مارکیٹ' گارڈن ٹاؤن' مون مارکیٹ علامہ اقبال ٹاؤن' ریلوے اسٹیشن اور دوسرے بارونق علاقوں میں جسم فروش لڑکیاں اور عورتیں اپنے گاہکوں کی تلاش میں گھومتی پھرتی نظر آتی ہیں۔

"کی کلب"

"کی کلب" کئی ادوار سے گذری ہے۔ پہلے دور میں ممبر ایک لڑکی ساتھ لاتا تھا جو عام طور پر غیر مسلم ہوتی تھی۔ بیشتر کا تعلق گوا سے بتایا جاتا تھا۔ کاروں کی چابیوں کے ذریعے پارٹنر کا انتخاب ہوتا اور ممبران اپنے پارٹنر کو لے کر واپس چلے جاتے۔

پھر کمروں کا دور آیا۔ بڑے بڑے بنگلے حاصل کئے گئے۔ جس کے ہر کمرے میں پارٹنر پہلے سے موجود ہوتا۔ کمرے کے نمبروں کی قرعہ اندازی ہوتی اور رات کے پردے میں شیطان کا رقص ہوتا۔ "عوامی دور" میں کمرے صرف وزیروں کے لئے رہ گئے' باقی لوگ ہال ہی میں مکروہ چہرے لئے شیطان کو شرماتے۔ زیادہ تر پارٹیوں کا انتظام جن چار بنگلوں میں کیا جاتا رہا۔ یہ بنگلے ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی' کلفٹن شہید ملت روڈ اور مزار قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس واقع تھے۔

"کی کلب" کی پارٹیوں کو دو درجوں میں تقسیم کیا گیا: اول درجے کی پارٹیوں میں صرف وفاقی وزراء' ان کے ہمجولی شریک ہوتے جبکہ دوسرے درجے کی پارٹیاں صوبائی وزراء افسران' تاجروں اور بڑے سرمایہ داروں کے لئے ہوتیں۔ شرکاء کی تعداد بڑھی تو "شکار" پھانسنے کے لئے ریڈیو اور ٹی۔وی کے عملے کے بعض ارکان کی خدمات بھی حاصل کی گئیں کہ وہ شوقین فنکاراؤں کو "کی کلب" کی راہ دکھادیں۔ چند بڑی بیگمات بھی یہ کارہائے نمایاں انجام دیتی رہیں۔

سابق وزیر اعظم بینظیر بھٹو کے دور حکومت میں وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں غیر اخلاقی حرکات اور داد عیش دینے کی سرگرمیاں اپنے عروج پر رہیں۔ قابل افسوس بات یہ تھی کہ ان سرگرمیوں کی پشت پناہی بعض نام نہاد شرفاء جن میں (اس وقت کے) وزراء'

اسلام آباد کے گیسٹ ہاؤس اور کی کلبوں کے مناظر کی تصویری جھلکیاں

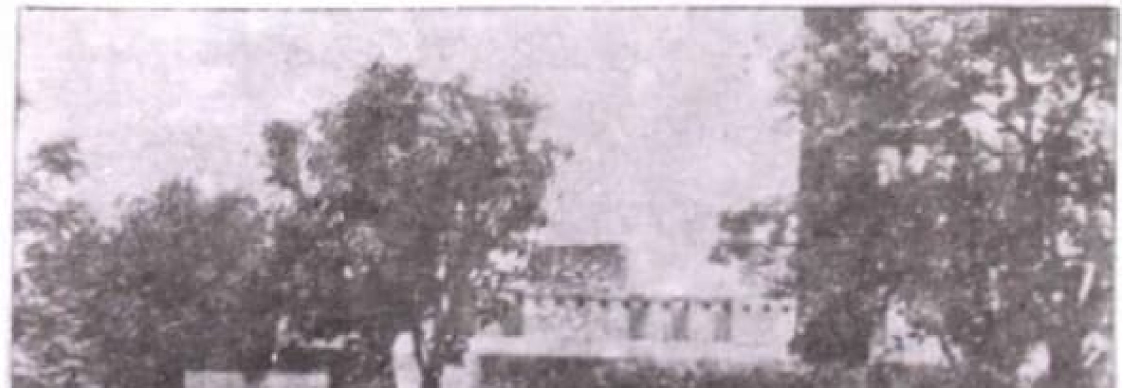












صنعت کار' تاجر' اعلیٰ سرکاری حکام اور بعض غیر ملکی سفارت کار شامل تھے' کرتے رہے یہ خطرناک رجحان نہ صرف شعائر اسلامی سے سنگین مذاق کے مترادف تھا۔ بلکہ معاشرتی اقدار سے بغاوت اور پاکستانی قوم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ تھا' مگر پی پی حکومت نے ان تمام چیزوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی بلکہ کھلم کھلا پشت پناہی بھی کی۔ اسلام آباد میں گیسٹ ہاؤسوں کی آڑ میں عصمت فروشی' بدکاری اور شراب نوشی سمیت دیگر غیر قانونی دھندے کئے جاتے رہے۔ جن میں وفاقی اوباش وزراء کی شرکت یقینی ہوتی تھی۔ اسلام آباد میں یہ دھندہ کب شروع ہوا اس بارے میں یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ مکروہ دھندہ پی پی حکومت کے دور میں اپنے عروج پر پہنچا۔

ہمارے ہاں جو روایت ہو چکی ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے اس وقت حرکت میں آتے ہیں جب پانی سر سے گزر جاتا ہے۔ برائی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے دعوے داروں کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ انہیں اب تک ان اڈوں کے بارے میں پتہ کیوں نہیں چل سکا۔ ہمارے سراغ رساں اداروں کی نظران اڈوں پر کیوں نہیں پڑی۔ آخر وہ کون سے عوامل تھے جن کے باعث ان اڈوں سے مبینہ طور پر اغماض برتا گیا۔ راولپنڈی' اسلام آباد میں ایسے کلبوں کا انکشاف بھی ہوا۔ جنہیں "کی کلب" (Key Club) کا نام دیا گیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے اکثر وزراء ان کی کلبوں کو رونق بخشنے کے لئے اپنی محبوباؤں کے ساتھ اکثر جاتے اور رات بھر ساغر و مینا کا کھیل کھیلنے کے بعد صبح واپس لوٹتے۔ ایسے لوگوں میں سابق وزیر داخلہ چودھری اعتزاز احسن' ملک مختار احمد اعوان اور ملک مشتاق اعوان پیش پیش تھے۔ اس کلب میں داد عیش دینے کا ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا جو اپنے لحاظ سے نہایت ہی منفرد تھا۔ اس کلب کو بنانے میں راولپنڈی اسلام آباد کے بعض با اثر افراد شامل تھے۔ کلب کے ممبران ویک اینڈ (اختتام ہفتہ) پر ایک منتخب کردہ گیسٹ ہاؤس میں اکٹھے ہوتے' ہر ممبر پر لازم ہوتا کہ وہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر آئے' اگر کنوارہ ہے تو کسی بھی لڑکی کا ساتھ ہونا ضروری ہوتا۔ ہر بنت حوا کو ایک کمرہ الاٹ کر دیا جاتا اور اس کے شوہر یا ساتھی کو چابی دی جاتی یہ چابیاں لکڑی کے صندوق میں ڈال دی جاتیں اور صندوق ہو ہلایا جاتا کہ چابیاں مل جائیں۔ پروگرام کے آغاز میں کلب ممبران اور ان کی ساتھی لڑکیاں گیسٹ ہاؤس

کے بڑے ہال میں اکٹھے ہو جاتے۔ اور پھر جام و ساقی لنڈھائے جاتے۔ پینے پلانے کے دور کے بعد ناچ کی محفل ہوتی اور جب یہ پروگرام اپنے عروج پر پہنچتا تو عورتوں کو ان کے متعلقہ کمروں میں بھیج دیا جاتا۔ کلب ممبران صندوق میں سے ہاتھ آئی چابی اٹھا لیتے اور چابی پر درج کمرہ کھول کر اس عورت کے ساتھ شب بسری کرتے۔ اس طریقہ واردات کے علاوہ بعض اوقات کاروں کی چابیاں بدل کر رات کر داد عیش دینے کے لئے ساتھی کا انتخاب کیا جاتا۔

باخبر ذرائع کے مطابق یہ "کی کلب" اسلام آباد کے متعدد گیسٹ ہاؤسز میں ہوتے۔ ذریعہ نے اس امر کا انکشاف بھی کیا کہ کلب کے ممبران کے اکٹھے ہونے پر بجلی بند کر دی جاتی اور انہیں اجازت ہوتی کہ وہ وہاں پر موجود جس لڑکی کا ہاتھ پکڑلیں اسے اپنے ساتھ کمرے میں لے جائیں۔ عوامی حلقوں کے مطابق گیسٹ ہاؤسز میں مبینہ فحاشی اور بدکاری کا علم 1979ء کے اوائل میں ہوا جس کے لئے عوام الناس نے پہلے دبے دبے الفاظ میں انتظامیہ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی یہ سلسلہ زور پکڑ تا گیا۔ باخبر ذرائع نے اس امر کی بھی تصدیق کی کہ ضلعی انتظامیہ بشمول سی آئی اے سٹاف اور مقامی پولیس ایسے عناصر سے ملی ہوئی تھی اور ایسے اڈوں کی سرپرستی بھی کرتی تھی۔

عام حالات میں ہوٹلوں پر چھاپے مارے جاتے بدکردار افراد کو گرفتار کیا جاتا۔ اور بڑی دھوم دھام سے اخباری کانفرنسوں میں اس کی تشہیر کی جاتی مگر گیسٹ ہاؤسز پر ہاتھ کیوں نہیں ڈالا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ اگر یہ فحاشی کے اڈے بند ہو جاتے تو "جیالے" اور پی پی کے "شرفاء" اپنی عادات کو پورا کرنے کے لئے کہاں جاتے۔

اسلام آباد کے گیسٹ ہاؤسز کی اندرونی کہانی

بدقسمتی سے قیام پاکستان سے لے کر اب تک اس ملک میں جتنے بھی حکمران گزرے ہیں ان میں سے سوائے چند ایک کے ہر ایک نے اس ملک کو باپ دادا کی جاگیر' سرکاری خزانے کو مال غنیمت اور ملک و قوم کی مجموعی ترقی کے ساتھ وہ سلوک کیا جو کہ مغربی ممالک میں ایک عاشق اپنی غیر منکوحہ بیوی کے ساتھ کرتا ہے مغربی اور مشرقی روایات میں فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں پر اگر کوئی سربراہ مملکت یا حکومت کا کوئی ذمہ دار فرد غیر اخلاقی

سرگرمیوں میں ملوث پایا جاتا ہے تو اسے اپنی ملازمت یا عہدہ سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے جب کہ ہمارے ہاں جونہی کسی شخص کو کوئی اہم ذمہ داری سونپی جاتی ہے تو حکومت کی طرف سے جو سہولتیں اسے دی جاتی ہیں شراب' شباب اور کباب بھی ان سہولتوں کے لازمی جزو تصور ہوتے ہیں۔ پیپلز پارٹی کے پہلے دور حکومت کی کئی مثالیں ایسی ہیں کہ وزیروں کی شراب اور عیاشیوں کے بل سرکاری خزانے سے ادا کئے گئے لیکن کسی نے ان کی باز پرس نہ کی ہمارے علم کے مطابق پاکستان میں ابھی تک کوئی ایسی مثال نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ فلاں وزیر نے جنسی یا مالی کرپشن کی وجہ سے وزارت چھوڑ دی ہو بلکہ یہاں پر اگر ایک وزیر کی بدعنوانیوں کا ثبوت ملتا ہے اور عدالت اسے بدعنوان قرار دیتی بھی ہے تو اس کے ہم خیال اسے بے گناہ ثابت کرنے کے لئے اس کی وکالت کی ٹھان لے لیتے ہیں۔ اور یہ بھی ہمارے ہاں ہی ہوا کہ راولپنڈی کے ایوب پارک میں اگر ایک وزیر کسی سرکاری ملازمہ کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا ہوا پکڑا گیا اور اس کی خبر چھپی تو اس نے اخبار کے ایڈیٹر کو ایک کروڑ روپے ہرجانہ کا نوٹس بھیج دیا۔ جبکہ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ ماضی قریب میں جاپان کے سیاسی افق پر سیکس سکینڈل کا شکار ہو کر کئی ممتاز شخصیات کو اپنے سیاسی کیریئر کی قربانی دینا پڑی۔ امریکہ کے صدارتی امیدوار گیری ہارٹ نامی شخص کو اس وجہ سے دستبردار ہونا پڑا کہ اس کے ایک عورت کے ساتھ جنسی تعلقات تھے مگر ایک ہمارے لیڈر ہیں کہ عوام اور وطن کے مستقبل کو تاریک کر کے اپنی راتوں کو رنگین بنائے ہوئے ہیں۔

ویسے تو قیام پاکستان سے اب تک وطن عزیز کئی بدترین ادوار سے گزرا ہے لیکن ان میں بھی یحییٰ خان اور ان کے رفقاء خصوصاً جناب ذوالفقار علی بھٹو کا دور ایسا تھا جو کہ اپنے پیچھے ایک لکیر کھینچ گئے۔ یحییٰ خان نے اپنے دور حکومت میں جو کچھ کیا سو کیا رہی سہی کسر جناب بھٹو نے پوری کر دی' طوائفوں کو پرمٹ دیئے گئے' شراب کا کاروبار عام کیا گیا۔ شاید اس میں ان کا اپنا کردار زیادہ تھا کیونکہ ایک جلسے میں تو خود انہوں نے یہ اعتراف کر لیا کہ میں "پیتا ضرور ہوں مگر تھوڑی سی پیتا ہوں" زیڈ اے بھٹو پاکستان کے پہلے وزیر اعظم تھے جو کہ اس ملک کا پانی بھی نہیں پیتے تھے اور ان کی شہ خرچیوں کا یہ عالم تھا کہ اس دور

میں پرائم منسٹر صاحب کا ذاتی خرچہ مبینہ طور پر نوے لاکھ روپے سالانہ ہوا کرتا تھا۔ بھٹو صاحب نے کلفٹن میں اپنی رہائش گاہ میں پندرہ افراد کے بیٹھنے کے لئے ایک بار بھی بنوایا ہوا تھا بار روم میں آرٹ کے نمونوں کے علاوہ عریاں اور نیم عریاں عورتوں کی خوب صورت پینٹنگز آویزاں تھیں عمر خیام کے اس مقولہ سے ماخوذ کہ میں مروں تو میری قبر پر انگوروں کی بیلیں لگانا اور میری محبوباؤں سے کہنا کہ فاتحہ نہ پڑھیں بلکہ شراب کے پیالے انڈیل دیا کریں ایران سے منگوایا ہوا آرٹ کا بہترین نمونہ تھا جو کہ تقریباً سوا لاکھ روپے میں تہران سے خریدا گیا تھا۔ اس طرح بڑی خوبصورتی سے اس بار کو مزین کیا گیا تھا۔ مبینہ طور پر وزیر اعظم بھٹو کے اس بار کا بل بھی سرکاری خزانے سے ادا ہوتا رہا۔ علاوہ ازیں اس بار روم میں دنیا کی بہترین شراب کی بوتلیں پائی جاتی تھیں جن میں پانچ ہزار روپے فی بوتل کے حساب سے ملنے والی رائل سلیوٹ کے علاوہ بلیک ڈاگ، جانی واکر، بلیک لیبل، شواز ریگل اور ڈمپل کے علاوہ دیگر قیمتی شرابیں پائی جاتی تھیں۔ بار روم کے دروازے لائبریری کے علاوہ مسٹر بھٹو کے ذاتی بیڈ روم میں بھی کھلتے تھے۔ اور کہنے والے تو یہاں تک کہتے ہیں کہ رات کو جب بھی بھٹو صاحب کی آنکھ کھلتی تو وہ بار روم کا رخ کرتے اور پھر یحییٰ خان اور ذوالفقار علی بھٹو کے دور کی رنگین راتوں کی داستانیں اخبارات و جرائد کے ہزاروں صفحات پر چھپیں۔ مرحوم صدر جنرل ضیاء الحق نے معاشرے کو اس قسم کی تمام برائیوں سے پاک کرنے کے لئے تمام فحاشی و عریانی کے اڈوں کو بند کر دیا۔ شراب فروشی کے پرمٹ منسوخ کئے گئے اور شرعی حدود کا نفاذ اپنی مرضی سے کیا۔ اور یوں نوجوان نسل کو جتنا عیاش اور کاہل بھٹو حکومت نے کیا انہیں راہراست پر لانے کے لئے کئی عشرے درکار ہیں۔

اپریل 1986ء میں جب پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن بینظیر بھٹو خود ساختہ جلاوطنی کے بعد وطن واپس آئیں تو بہت سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ نو سال کی مشکلات کی وجہ سے اب موصوفہ کا ذہن ٹھیک ہو چکا ہو گا مگر 2 دسمبر 1988ء کو جب بینظیر بھٹو ایک منتخب وزیر اعظم کی حیثیت سے پرائم منسٹر ہاؤس میں داخل ہوئیں تو جمہوریت پسند حلقوں نے اس اطمینان کا اظہار بھی کیا کہ اب پاکستان میں جمہوری روایات جنم لیں گی لیکن بھٹو

خاندان کی سیاست اور پاکستان پیپلز پارٹی کے مزاج اور تجزیہ نگاروں کی دور رس نگاہیں پی پی کے عزائم کو بھانپ گئیں۔ وفاقی کابینہ کا اعلان کیا گیا تو وزیروں مشیروں اور خصوصی معاونین کی فوج ظفر موج سامنے آئی اس طویل فہرست میں بہت سے نام ایسے تھے جن کو دیکھ کر لوگ چونک پڑے کیونکہ ان میں سے بعض لوگ ایسے تھے جن کے خلاف شراب نوشی اور حدود آرڈیننس کے تحت مختلف مقدمات درج تھے مگر پی پی کی قیادت نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ایسے لوگوں کو گلے کا ہار بنا کر اپنے "ترنگے" کے سائے تلے پناہ دی جس کے لئے یقیناً اسے قربانی دینا پڑی اور یہ قربانی اقتدار سے علیحدگی کی صورت میں تھی۔

مشاہدے سے یہ بات گزری ہے کہ جب، جب پاکستان پیپلز پارٹی بر سر اقتدار آئی ہے تب، تب اس ملک میں دبی ہوئی فحاشی عریانی اور بے حیائی نے نئے سرے سے ابھرنا شروع کر دیا۔ قائد باپ کی قائد بیٹی اپنے مرحوم والد کی راہ پر چل نکلی۔ سابقہ روایات کو دوہرایا جانے لگا مگر کوئی ان باتوں کا نوٹس لینے والا نہیں تھا۔ ملک کے بعض دوسرے حصوں کی طرح وفاقی دارالحکومت بھی بینظیر کے دور اقتدار میں غیر ملکی تخریب کاروں اور عیاش صنعت کاروں، صحافیوں، غیر ملکی سیاحوں، وزیروں اور مشیروں کی نئی آماجگاہ بن کر رہ گیا۔ یہاں کے غیر قانونی گیسٹ ہاؤس عیاشی کے نئے مراکز بن گئے۔ غیر قانونی اس لحاظ سے کہ کیپٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے قواعد و ضوابط کے مطابق اسلام آباد کے رہائشی علاقوں کو کاروباری مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا مگر اس دور میں صرف اسلام آباد میں 45 ایسے گیسٹ ہاؤس اس غیر قانونی دھندے میں مصروف کار تھے۔

متذکرہ گیسٹ ہاؤسز اسلام آباد کے انتہائی جدید ترین اور مہنگے سیکٹرز میں قائم تھے جہاں ایک کوٹھی کی قیمت پچاس لاکھ روپے سے ایک کروڑ کے درمیان تھی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ان گیسٹ ہاؤسز کے ہمسائے میں بسنے والے لوگوں نے سی ڈی اے ضلعی انتظامیہ اور حکومت کے ارباب اعلیٰ کی خدمت میں کئی بار اپنی شکایات گوش گزار کیں۔ مگر انتظامیہ کے کان پر جوں تک نہ رینگی تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ ان گیسٹ ہاؤسز کو چلانے میں سیاسی اور ضلعی انتظامیہ میں موجود با اثر شخصیات کا ہاتھ تھا۔ جو کہ پیسہ کمانے

کے علاوہ با اثر شخصیات کے لئے ان گیسٹ ہاؤسز میں شراب' شباب' رقص و سرور کی محفلیں سجاتے نرم جسموں کو گرمایا جاتا' ساغر و مینا حرکت میں آتے' مخلوط مجلسوں کا یہ دور ساری رات چلتا' سرکاری افسروں کو خوش کرنے کے لئے اس قسم کی محفلوں میں کئی غیر ملکی دوشیزاؤں کو بھی بڑے اہتمام سے مدعو کیا جاتا۔ جو کہ انتہائی فیشن ایبل علاقوں میں رہتیں اور ان میں سے اکثر کا تعلق کسی نہ کسی طرح جاسوسی کرنے والے اداروں سے ہوتا' شباب اور شراب کا دور چلتا' بھیگی راتوں میں ساغر و مینا جب اپنی اثر آفرینی دکھاتے تو مخلوط مجلسوں کے شرکاء کے تن لباس کے تکلف سے آزاد ہو جاتے' اس وقت غیر ملکی جاسوس حسیناؤں کو اپنے خفیہ اداروں کو "سیکرٹ" خبریں پہنچانے کے لئے بہت کچھ مل جاتا۔ مگر شراب کے نشے میں مست بننے کے بیٹوں کے دام فریب کے اسیر منٹوں میں وہ سب اگل دیتے جس کے لئے غیر ملکی خفیہ ایجنسیوں کو سال ہا سال انتظار کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس بات کا احساس اس وقت ہوا جب بہت سارا پانی پلوں کے نیچے سے گزر چکا تھا۔ علاوہ ازیں گیسٹ ہاؤسس کے مالکان اس قسم کی محفلیں سجا کر نہ صرف مال کماتے بلکہ وہ ان با اثر عیاش وزیروں اور مشیروں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی ہمدردیاں اور خوشنودی حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتے جس کو وہ بعد میں غلط مقاصد کے لئے استعمال کرتے۔

گیسٹ ہاؤس کی وباء کیوں؟

اسلام آباد میں اب بھی اچھے ہوٹلوں' کالجوں اور یونیورسٹیوں کی شدید کمی محسوس کی جا سکتی ہے۔ مارگلہ کی پہاڑیوں کے دامن میں آباد اسلام آباد میں اسلام کے علاوہ اب ہر چیز کی آباد کاری ہو رہی ہے۔ دارالحکومت ہونے کی وجہ سے لوگوں کو اپنے کام کے سلسلے میں اکثر پی ایم سیکرٹریٹ اور وزراء کے دفاتر کے سامنے ملاقات کے سلسلے میں گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا اور بعض اوقات کئی کئی دن قیام کرنا پڑتا۔ مگر ہوٹلوں میں جگہ کی کمی کے علاوہ بہت زیادہ پیسے وصول کئے جاتے۔ لہٰذا یہ مسافر ان گیسٹ ہاؤس کا رخ کرتے جہاں پر انہیں ہوٹل سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچائی جاتیں اور دام بھی انتہائی مناسب ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہم وطنوں کے علاوہ غیر ملکی سیاحوں نے بھی ان گیسٹ ہاؤس کا رخ کرنا شروع کر



انٹرنیشنل سکول اسلام آباد میں زیر تعلیم ایک سیاستدان کی بیٹی اپنے دوست کے ساتھ



پی ٹی وی کی اداکارہ مدیحہ گوہر بھارتی وزیر اعظم گجرال سے گلے ملتے ہوئے

دیا وجہ یہ تھی کہ یہاں پر قحبہ خانے' شراب خانے اور جواء خانے کے اڈے اور مجرے کی محفلیں رات گئے تک جاری رہتی تھیں۔ فائیو سٹار ہوٹلوں میں سکیورٹی کے علاوہ حکومت کی طرف سے بھی ان پر ایک چیک ہوتا ہے نامعلوم اسلام آباد کے گیسٹ ہاؤس اس چیک سے مبرا کیوں تھے؟ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ان گیسٹ ہاؤسز میں جن لوگوں کے لئے شراب اور شباب کی محفلیں سجتی رہیں ساغر و مینا حرکت میں آتے رہے اور جن کے لئے جوان اور گرم جسموں کی نمائش منعقد کرائی جاتی رہی رات بھر بادہ نوشی اور حسن کا کھیل کھیلا جاتا رہا وہ اتنے بااثر تھے کہ انتظامیہ کی رسائی ان تک نہیں ہو سکتی تھی۔

اس سلسلے میں سردست ایک چھوٹا سا واقعہ سے قارئین کی نذر کیا جاتا ہے جو کہ ایف سیون کی خوبصورت کوٹھیوں میں گھرے ہوئے ایک گیسٹ ہاؤس میں اپریل 90ء میں اسلام آباد کے رہائشی علاقے میں آباد ایک غیر قانونی گیسٹ ہاؤس میں پیش آیا جس میں ایک وفاقی وزیر اور ایک وزیر مملکت ملوث تھے ان دو وزراء کی "کارشیطانیوں" کا قصہ کچھ یوں ہے کہ اپریل کی ایک رنگین رات میں کچھ تھرکتے جسم' عوام کے مسائل کے بوجھ تلے دبے ان دونوں وزراء کی دل پشوری کے لئے سامان عیش فراہم کر رہے تھے رقص کے ساتھ ساتھ شراب کا دور بھی چل رہا تھا مگر جب رات زیادہ بھگ چکی تو دونوں وزراء کے "جیالوں" میں ٹھن گئی رقاصائیں کم تھیں اور چاہنے والے زیادہ۔ اسی دھندے کو مذکورہ گیسٹ ہاؤس کے مالک کے ساتھ مل کر چلانے والے سی آئی اے کے ایک سب انسپکٹر نے پورے وزیر کا استحقاق مجروح نہ کرتے ہوئے ان کی رات کو رنگین بنانے کا فیصلہ کیا مگر انہی کے ہم قبیلہ وزیر مملکت کے حواری جیالوں نے رنگ میں بھنگ ڈال دی اور پھر گیسٹ ہاؤس میں فائرنگ کی آواز سن کر کوہساروں میں بیٹھی پولیس موقع پر پہنچ گئی۔ پولیس نے 30 بور کا ریوالور تو برآمد کر لیا مگر وزیروں کی وجہ سے ایف آئی آر نہ کٹ سکی۔

گیسٹ ہاؤس کے مالک تے اپنے دھندے کو تباہ ہونے سے بچانے کے لئے پولیس کو ایف آئی آر نہ کاٹنے پر پچیس ہزار روپے کی پیشکش بھی کی مگر پولیس رضامند نہ ہوئی تاہم یہ معاملہ دس ہزار روپے میں طے پایا اور وزیروں کی بجائے کسی اور کو قربانی کا بکرا بنایا گیا

بہرکیف اس سب انسپکٹر کو معطل کر دیا گیا جو ان وزیروں کے لئے لڑکیاں لایا تھا اور اس طرح دونوں وزراء چلے گئے تاہم ایک وزیر کو اپنی انگوٹھیاں سنبھالنے میں خاصی "محنت" کرنا پڑی۔

اسلام آباد کے مسافر خانے جو کہ اب قحبہ کانوں میں تبدیل ہو چکے ہیں' میں عیاشی اور بدکاری انتہائی جدید طریقوں سے کی جا رہی ہے۔ خوبصورت اور پڑھی لکھی لڑکیاں اس دھندے میں پیش پیش ہیں اور مبینہ طور پر بعض فیشن ایبل لڑکیاں تو ان گیسٹ ہاؤس کی آمدنی میں برابر کی حصہ دار بھی ہیں اور ان کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ مختلف سرکاری و نیم سرکاری دفتروں' پرائیویٹ سیکٹر میں نوکری کرنے والی خوبصورت لڑکیوں اور ہسپتالوں کی نرسوں سے برابر رابطے رکھتی ہیں اور ان میں سے انہیں جو بھی ذرا مناسب لگتی ہوں اسے اپنے دھندے (سپلائی) کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ ایک عام شخص کے لئے ایسی (سپلائی کرنے) والی عورتوں کی پہچان انتہائی مشکل ہے کیونکہ اس قسم کی لڑکیاں ویل ڈریس ہونے کے علاوہ بڑی روانی سے انگلش میں بھی گفتگو کر لیتی ہیں۔

ہماری اطلاعات کے مطابق ان قحبہ خانوں کی بعض مالکان نے تو کال گرل ہوم سروس بھی شروع کر رکھی ہے جس میں فون پر سودا طے پاتا ہے اور سودا کرتے وقت بعض دواؤں اور گاڑیوں کے نام کو کوڈ ورڈ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور لڑکی مطلوبہ جگہ پر پہنچا دی جاتی ہے۔ واپسی پر گاہک خود اس لڑکی کو ٹھکانے پر پہنچا دیتا ہے ان بدکردار لڑکیوں کی وجہ سے شریف اور بس اسٹاپ پر کھڑی معصوم لڑکیوں کو سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے ایک اور اطلاع کے مطابق اسلام آباد کے گیسٹ ہاؤس کے مالکان نے خوبصورت لڑکوں اور لڑکیوں کو تنخواہ پر باقاعدہ ملازم رکھا ہوا ہے۔ جو کہ روانی سے انگلش بول لیتی ہیں اور ان لوگوں کا کام صرف یہ ہے کہ وہ ایئرپورٹ پر چلی جاتی ہیں اور بیرون ممالک سے آنے والے لوگوں کو اپنا تعارف گائیڈ کی حیثیت سے کراتی ہیں گائیڈ کی حیثیت سے یہ ماڈل گرل دن رات ان کے ساتھ رہتی ہیں۔ اور یوں ان غیر ملکیوں کو گرل فرینڈ کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ اسی طرح فیشن ایبل علاقوں کے نوجوان لڑکے بھی ایئرپورٹ سے غیر ملکی لڑکیوں کو "گائیڈ" کرتے ہیں پورا شہر گھماتے ہیں۔ رات کی تاریکی میں جب ان گیسٹ ہاؤسز میں

شراب و شباب کی شبینہ محفلیں سج رہی ہوتی ہیں اور اسلام آباد کی اونچی اونچی ناہموار سڑکیں شہر خموشاں کا منظر پیش کر رہی ہوتی ہیں جہاں پر پورے شہر میں موت کا سناٹا چھایا ہوتا ہے یہ گائیڈ ان غیر ملکیوں کو شکر پڑیاں اور دامن کوہ کا نظارہ کروا رہے ہوتے ہیں۔ اور ان لوگوں کی حتی الامکان یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہمارے یہ غیر ملکی مہمان کسی اور کے ہتھے نہ چڑھ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ غیر ملکی کچھ دن اسلام آباد میں گزار کر جاتے ہیں تو ان کے ذہن میں پاکستان کے بارے میں بنا ہوا اسلامی مملکت کا تصور چکنا چور ہو چکا ہوتا ہے۔ لمحہ فکریہ یہ ہے کہ یہ غیر ملکی سیاح ان شکاریوں کی محبت میں چند دن گزار کر جب اپنے وطن واپس لوٹ کر لوگوں کو پاکستان کے عوام اور مخصوص ماحول کے بارے میں بتاتے ہوں گے تو یقیناً مغربی ممالک میں بسنے والے پاکستانیوں کو اپنے ملک کے بارے میں اس قسم کے ریمارکس سن کر شدید دھچکا لگتا ہو گا۔ اس لئے حکومت وقت کو اس سلسلے میں کوئی عملی اقدام اٹھانا چاہئے۔ اور بیرونی ممالک میں پاکستانی قوم کے امیج کو تباہ ہونے سے بچانا چاہئے۔

شراب کے اڈے

اسلام آباد میں شراب اور اوباش لڑکیوں کی فراہمی کے سلسلے میں گیسٹ ہاؤسز اور سٹیٹ ایجنسیوں کے علاوہ یہاں کے بعض سفارت خانے بھی بڑا اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان سفارت خانوں میں آئے دن ہونے والی طرح طرح کی تقریبات میں سیاست دان، اعلیٰ افسران، صحافی اور دیگر حضرات تو جاتے ہی ہیں اور ان میں بعض افسران و صحافی بدنامی کے ڈر سے وہسکی کے گلاس کو رومال یا ٹشو پیپر سے لپیٹ کر پیتے نظر آتے ہیں۔ بعض سفارت خانوں کے چھوٹے ملازمین کھلے عام شراب فروخت کرتے ہوئے بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ فلپائن، تھائی لینڈ، انڈیا اور بنگلہ دیش اسی طرح تیسری دنیا کے کئی غریب ممالک اس دھندے میں پیش پیش ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان متذکرہ بالا سفارت خانوں کے بعض سفارت کار اور خاص طور پر ان سے متعلقہ پاکستانی عملہ اسلام آباد میں ہر شراب نوش افسر، صحافی اور وزیر سے بخوبی واقف و متعارف ہے۔

پنجاب سے بدلہ

اپنی اس تحقیقاتی رپورٹ کے سلسلے میں ہم نے اسلام آباد کے گیسٹ ہاؤسز کے مختلف مالکان سے رابطہ کیا تو ای سیون کے بارونق سیکٹر کی خوبصورت کوٹھی میں واقعہ ایک گیسٹ ہاؤس کے مینجر نے بڑی گلوگیر آواز میں بتایا کہ ان کے گیسٹ ہاؤس میں بعض سندھی ارکان قومی اسمبلی اور وزراء رات گئے عیاشی کے بعد لڑکھڑاتے ہوئے جب اپنے گھروں کو واپس لوٹتے ہیں تو یہ قہقہے لگاتے ہوئے سننے میں آتے ہیں کہ آج ہم نے پنجاب سے بہت انتقام لیا ہے۔ (اس مینجر کا تعلق ساہیوال کے ایک غریب گھرانے سے ہے۔ اس نے ڈگمگاتی آواز میں کہا کہ بعض اوقات سندھی ارکان اسمبلی اور وزراء کی اس قسم کی باتیں سن کر میری غیرت اور جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں ان لوگوں کا گلا گھونٹ دوں۔)

یہ بات پوری قوم اور حکومتی ارباب کیلئے لمحہ فکریہ ہے کہ اسلام آباد جو کہ ایک عرصہ تک اس وباء سے بچا رہا مگر جب پیپلزپارٹی کی حکومت برسراقتدار آئی تب سے عیاشی کی اس وباء کو پھیلانے کا ذمہ دار کون ہے؟ حکومت، وزیر یا مشیر؟ کال گرل کی تلاش میں شریف زادیوں کے سروں سے دوپٹے کیوں اتار لئے جاتے ہیں؟ شریف اور پرامن شہریوں کے احتجاج کے باوجود یہ قحبہ خانے بند کیوں نہیں کئے جاتے؟ ان گیسٹ ہاؤسز سے ٹیکس کے بدلے لڑکیوں کی عزت سے کھیلنے والے افسران کو لگام کیوں نہیں دی جاتی؟ کرپٹ وزیروں اور مشیروں کا احتساب کیوں نہیں کیا جاتا؟ ان گیسٹ ہاؤسز اور عیاشی کے اڈوں کو چلانے والی بااثر شخصیات پر ہاتھ کیوں نہیں ڈالا جاتا؟ ٹن پرسنٹ کمیشن لینے والے اس ملک کو کس نہج پر لے جائیں گے؟ یہ کاروبار کسی اور علاقہ میں ہو رہا ہوتا تو شاید درگزر کیا جا سکتا تھا مگر سربراہان مملکت کے علاوہ وفاقی حکومت کے تمام متعلقہ حکام اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سربراہوں کی موجودگی میں یہ سب کچھ ہونا اچنبھا کی بات ہے؟ اگر موجودہ حکومت نے اپنے وزیروں اور سفیروں کی فوج کو اس روش سے نہ روکا تو پھر ہمیں 1971ء کا وہ واقعہ دوہرانا پڑے گا جب وطن عزیز کے ایک مست وزیراعظم نے شراب کے نشے میں اس ملک کو دولخت کیا؟ کیا یہ ملک عیاشی اور توڑنے کے لئے حاصل کیا گیا تھا؟

نامور لوگوں کی بیٹیاں بازار حسن میں

"---- ہیرا منڈی میں بڑے بڑے جاگیرداروں، صنعتکاروں، سیاست دانوں اور بیوروکریٹس کی بیٹیاں موجود ہیں۔ یہ بیٹیاں اپنے باپوں کو جاننے کے باوجود انہیں باپ نہیں کہہ سکتیں کیونکہ اس کا کوئی قانونی ثبوت موجود نہیں ہوتا۔ ان کے باپ انہیں بیٹیاں نہیں مانتے یا شاید اب وہ انہیں جانتے بھی نہیں۔ لیکن میرے علم میں ایسے واقعات ہیں کہ کسی باپ نے اپنی ہی بیٹی کا رقص دیکھا اور پھر اسے شب بسری کے لئے بھی لے گیا---"

بازار حسن میں جو عورتیں عصمت فروشی کے دھندے کرتی ہیں۔ ان میں اکثریت کے باپ ملک کے بڑے بڑے جاگیردار، بیوروکریٹ، تاجر اور سیاستدان ہوتے ہیں اور یہ سچ بھی ہے کہ عام غریب آدمی میں اتنی توفیق و استطاعت کہاں کہ وہ بازار میں داد عیش دے سکے۔ یہ تو وہ متمول، جاگیردار، تاجر، سرمایہ دار اور بیوروکریٹس ہی کر سکتے ہیں۔ جن کے پاس حلال و حرام ہر قسم کی دولت ہوتی ہے اور وہ اس دولت کو بے تحاشا اپنے عیش و عشرت پر لٹا سکتے ہیں چنانچہ اس بازار کی بیٹیاں بے شک بڑے لوگوں کی اولاد ہوتی ہیں لیکن یہ بڑے لوگ اتنا حوصلہ کبھی نہیں رکھتے کہ اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے اپنی ان بیٹیوں کو بازار سے لے جائیں چنانچہ یہ جہاں پروان چڑھتی ہیں اسی دھندے میں لگ جاتی ہیں۔ ماضی میں یہ "شرفا" اور "معززین" کوٹھوں پر گانا سنتے تھے مگر اب وہ حسیناؤں کو اپنی کوٹھیوں میں بلا لیتے ہیں ان میں ایک سابق وزیراعظم کی بیٹی کا نام فرح ہے جس کی کچھ عرصہ قبل شادی معروف اداکارہ بابرا کے بھائی سے ہوئی۔ کسی زمانے میں فرح کی والدہ زاہدہ سلطانہ معروف سنگر تھی اس سنگر کے ساتھ اس وقت کے وزیراعظم سے تعلقات قائم

کر لئے، جس کے نتیجہ میں فرح پیدا ہوئی۔ ہمارے علم کے مطابق تو فرح وزیراعظم کی بیٹی ہے مگر سابق وزیراعظم اسے قبول نہیں کریں گے۔ یہ تو صرف ایک مثال ہے ورنہ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ کئی وزراء، گورنروں اور اراکین اسمبلی کے علاوہ بہت سے "شرفا" کی اولاد یہاں پائی جاتی ہے اور ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ اگر یہ نام نہاد شرفا اور معززین اپنی اولاد کو یہاں سے لے جائیں۔ تو بازار حسن خود بخود بند ہو جائیں۔

گذشتہ دنوں فلم اسٹار انجمن نے ایک بیان میں دعویٰ کیا تھا کہ میرا باپ سابق ریاست بہاولپور کے امیر الامراء قسم کے لوگوں میں شامل ہے۔ فلم سٹار انجمن نے سب سے پہلے ملتان کے بازار حسن میں آنکھ کھولی تھی لیکن جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس کی جہاں دیدہ ماں اسے پاکستانی فلمی صنعت کے مرکز لاہور میں لے آئی یہاں طوائفوں کے آگے بڑھنے کے امکانات اور مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔ لاہور منتقل ہونے کے بعد انجمن نے گلبرگ میں ایک عظیم الشان کوٹھی بھی لی۔

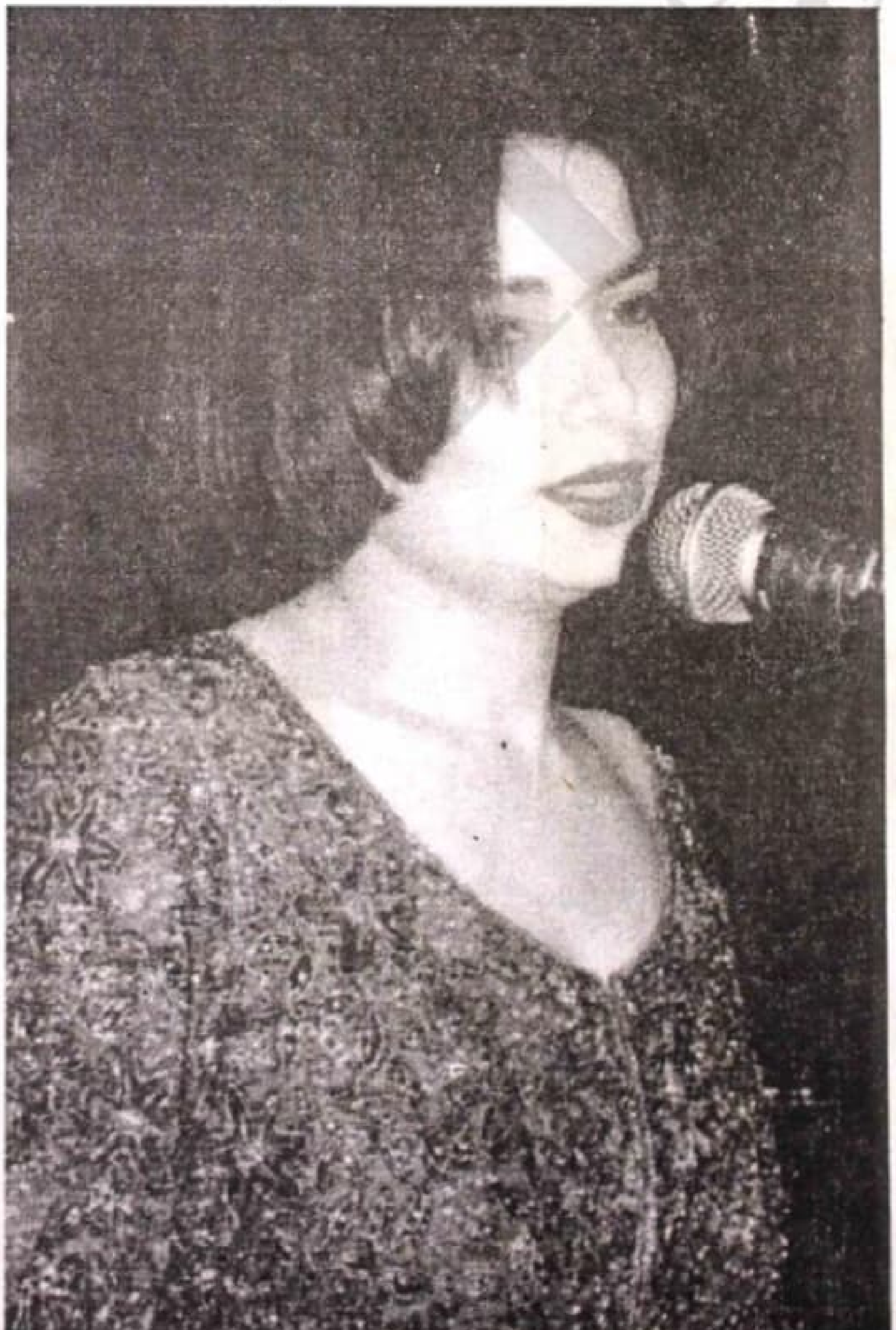
جیسا کہ پہلے بتایا انجمن نے اپنے باپ کے سلسلہ میں بہاولپور کے کسی امیر کا نام لیا تھا ممکن ہے کہ اس کا یہ دعویٰ درست ہو، بازار میں ایسے ہی امیر کبیر لوگ داشتائیں رکھ سکتے ہیں غریب غربا کا وہاں کیا کام ....

ملتان ہی کے بازار حسن سے ان دنوں ایک نئی سوغات، صائمہ فلم انڈسٹری میں آئی ہے کہ وہ کئی فلموں میں کام کر رہی ہے۔ ملتان کے بازار حسن کو یہ انوکھا اعزاز حاصل ہے کہ وہاں سے فلم انڈسٹری کو کئی ستارے ملے ہیں۔ صائمہ بھی اپنے نام کے ساتھ "خاکوانی" لکھتی ہے وہ بھی یہی کہتی ہے اس کا باپ ملتان کے معروف خاکوانی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

بازار حسن کی ایک اور طوائف لئی خنک بھی فلم انڈسٹری میں آئی تھی مگر اسے جلد ہی جہلم کے ایک راجہ نے اچک لیا، اس کا بھی دعویٰ تھا کہ اس کا باپ صوبہ سرحد کا ایک بڑا آدمی ہے البتہ اب وہ فلم لائن چھوڑ کر گھر گرہستی کی زندگی گزار رہی ہے۔

انجمن فنکاراں ٹبی یا بازار حسن کے صدر محمود احمد نے ایک ملاقات میں بتایا کہ لاہور کی ہیرا منڈی میں بڑے بڑے سیاسی خاندانوں کی بیٹیاں موجود ہیں۔ یہ بیٹیاں اپنے باپوں کو

جاننے کے باوجود انہیں باپ نہیں کہہ سکتیں کہ اس کا کوئی قانونی ثبوت موجود نہیں ہوتا۔ محمود احمد نے بتایا کہ ان کے باپ انہیں بیٹیاں نہیں مانتے یا شاید اب وہ انہیں جانتے بھی نہیں لیکن میرے علم میں ایسے واقعات ہیں کہ کسی باپ نے اپنی ہی بیٹی کا رقص دیکھا اور پھر اسے شب بسری کے لئے بھی لے گیا ساحر لدھیانوی نے اپنی نظم چکلے میں بجا کہا ہے۔



اداکارہ بابرہ شریف

یہاں تنومند بیٹے بھی آ چکے ہیں ابا میاں بھی
یہ بیٹی بھی ہے بہن بھی اور ماں بھی

بہرحال محمود احمد کے دعویٰ کے مطابق یہاں بہت سے افسروں اور سیاست دانوں کی بیٹیاں بھی موجود ہیں۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ملتان کے ایک مشہور جاگیردار اور پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ میاں ممتاز کی بیوی الماس بھی اسی بازار سے تھی' فیصل آباد کی ایک بڑی نامور شخصیت جس کا تعلق میاں نواز شریف سے بھی ہے انہوں نے بھی فیصل آباد کی ایک



اداکارہ صائمہ



اداکارہ نیناں

مشہور طوائف الماس کی بیٹی سے شادی کر رکھی ہے۔

ملکہ پکھراج ریاست کشمیر کے کسی راجہ کے دربار میں اپنے ناچ گانے کا مظاہرہ کرتی رہی ہے البتہ اس کی اولاد نے یہ ثابت کیا کہ وہ گھر گرہستی کی زندگی یقیناً بسر کرنے کی اہل ہیں۔

ملکہ ترنم نور جہاں کا اس بازار سے تعلق کون نہیں جانتا۔ وہ قصور کے بازار سے چلتی ہوئی لاہور کی ہیرا منڈی میں گلی شیخوپوریاں تک پہنچی اور وہاں ٹائم لگاتی رہی ہے جبکہ نور جہاں بیک وقت ہیروئن اور گلوکارہ کی حیثیت سے فلموں میں آتی رہی ہے۔ اور ایسا "اونچا



اداکارہ نادرہ



میڈم نورجہاں

مقام" بھارت میں صرف ثریا کو حاصل تھا جو بیک وقت ہیروئن اور گلوکارہ تھی اور اسی بازار سے آئی تھی۔ نورجہاں نے اب اس بازار کو خیرباد کہہ دیا ہے لیکن اس کی ازدواجی زندگی شدید ناکامیوں اور المیوں کا مرقع ہے۔ حد یہ ہے کہ اسکی بیٹیوں کو بھی طلاقوں کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ وہ شوہروں سے الگ ہو کر واپس ماں کے پاس آئیں اور اب اپنے بوتیک قسم کے کاروبار چلا رہی ہیں۔ نورجہاں کی زندگی بجائے خود ایک طویل موضوع ہے جس کے اکثر باب سب کے سامنے کھلے ہیں۔ اور ان سے لوگ خوب آگاہ ہیں۔
نورجہاں کے عاشقوں اور (اس کے معشوقوں) کی تعداد اگرچہ درجنوں سے تجاوز کرتی ہے لیکن منیر احمد منیر نے اپنی کتاب "نورجہاں اور میں" شوکت حسین رضوی کی زبانی ان عاشقوں کی تعداد صرف "چودہ" بیان کی ہے عین ممکن ہے کہ شوکت صاحب کے علم میں یہی چودہ مرد آئے ہوں وگرنہ نورجہاں تو آج بھی عشق عاشقی سے نہیں چوکتی۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس بڑھاپے میں اپنے حسن و رعنائی کو محفوظ رکھنے کے لئے وہ اپنے ہارمونز بھی تبدیل کرا چکی ہے۔
نورجہاں کے عاشقوں کی اس فہرست کے ساتھ ساتھ شوکت حسین رضوی نے یہ رائے بھی دی کہ "نورجہاں جس ٹائپ کی سٹار ہے ایسے سٹار میں یہ بیماری ہوتی ہے یہ

عورت سیکس کی بھوکی ہے ...... یہ رائے دراصل مدراس کے ہندو نجومی ینگل ایس ریڈی نے شوکت رضوی کو دی تھی اور کہا تھا کہ اگر اس کا علاج کرانا ہے تو اسے جرمنی لے جائیں وہاں یہ علاج ہوتا ہے جس سے سیکس کی تیز بھوک کسی حد تک کم ہو جاتی ہے اگر یہ علاج نہ ہوا تو اس کی بھوک تیز ہو جائے گی کم نہیں ہو گی۔"

شوکت حسین رضوی فلم سٹار اعجاز درانی کا ذکر کرنا غالباً بھول گئے اس سے بھی نور جہاں نے عشق کا ڈھونگ رچایا تھا اور بعد ازاں اس سے شادی کر کے چند سال تک اس سے دل پشوری کیا اور جب اس سے دل بھر گیا تو اسے طلاق دے دی مزید براں انہوں نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر یحییٰ خان کا ذکر بھی نہیں کیا حالانکہ نور جہاں میں گم ہو کر یہ صدر صاحب پاکستان کو ہی فراموش کر بیٹھے تھے۔

آج کی مشہور ہیروئن ریما بھی ملتان کے بازار حسن سے آئی ہے۔ ملتان کی بہت سی طوائفیں لاہور پہنچ کر عروج پر پہنچی ہیں۔ گلوکارہ ناہید اختر بھی ملتان سے تعلق رکھتی ہے۔ ریما کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک ریٹائرڈ انکم ٹیکس افسر کی بیٹی ہے لیکن اپنی ولدیت کے خانہ میں وہ اپنے نانا جان کا نام لکھتی ہے کیونکہ اس کا باپ اکمل خان اسے اپنانے کے لئے تیار نہیں۔



اداکارہ فردوس



اداکارہ عندلیب

بازار حسن کے ایک شخص میاں محمد اکبر کی بیٹیوں نے بھی رقص اور گلوکاری میں بڑا نام پیدا کیا اس کی پانچ بیٹیاں روبینہ 'نبیلہ' سپنا' انیلا اور فرح بڑی خوبرو اور سروقد نکلیں ان کے بالا خانے پر کئی بڑے بڑے لوگ گانا سننے جاتے رہے ہیں میاں اکبر کی بڑی بیٹی روبینہ نے فلم "بازی گر" اور "چکوری" میں مختصر فلمی کردار بھی ادا کئے ہیں۔ لیکن وہ کوئی خاص شہرت حاصل نہ کر سکی۔ روبینہ ایک طوائف چھم چھم کے بالا خانے پر رات کو "ٹائم" لگاتی تھی اسی دوران لاہور کے ایک ریکرونگ ایجنٹ کشور سے اس کی ملاقات ہوئی۔ کشور



اداکارہ بہار بیگم



اداکارہ دیبا

ایک وجیہہ اور خوبصورت نوجوان تھا اور اپنی نئی نویلی مرسڈیز کار میں بیٹھ کر گانا سننے آتا تھا۔ گانے کے دوران ہی وہ روبینہ کو دل دے بیٹھا جبکہ روبینہ پہلے سے اس کی تاک میں تھی کہ کوئی مالدار آسامی ملے تو وہ اس سے شادی کر کے گھر بسا لے' اس کے باوجود اس نے شادی کے بعد بھی کئی بار اپنے اڈے پر واپس آنے کی کوشش کی لیکن کشور کی ہیبت ایسی تھی کہ اسے چاروناچار گھر گرہستی بن کر زندگی گزارنا پڑی۔ ان دنوں اس کے تین بچے ایچی سن کالج لاہور میں زیر تعلیم ہیں لیکن کسی کو ان کے بارے میں یہ علم نہیں کہ ان کی ماں کون تھی اور کہاں سے آئی تھی۔



اداکارہ ثناء



اداکارہ لاشانہ

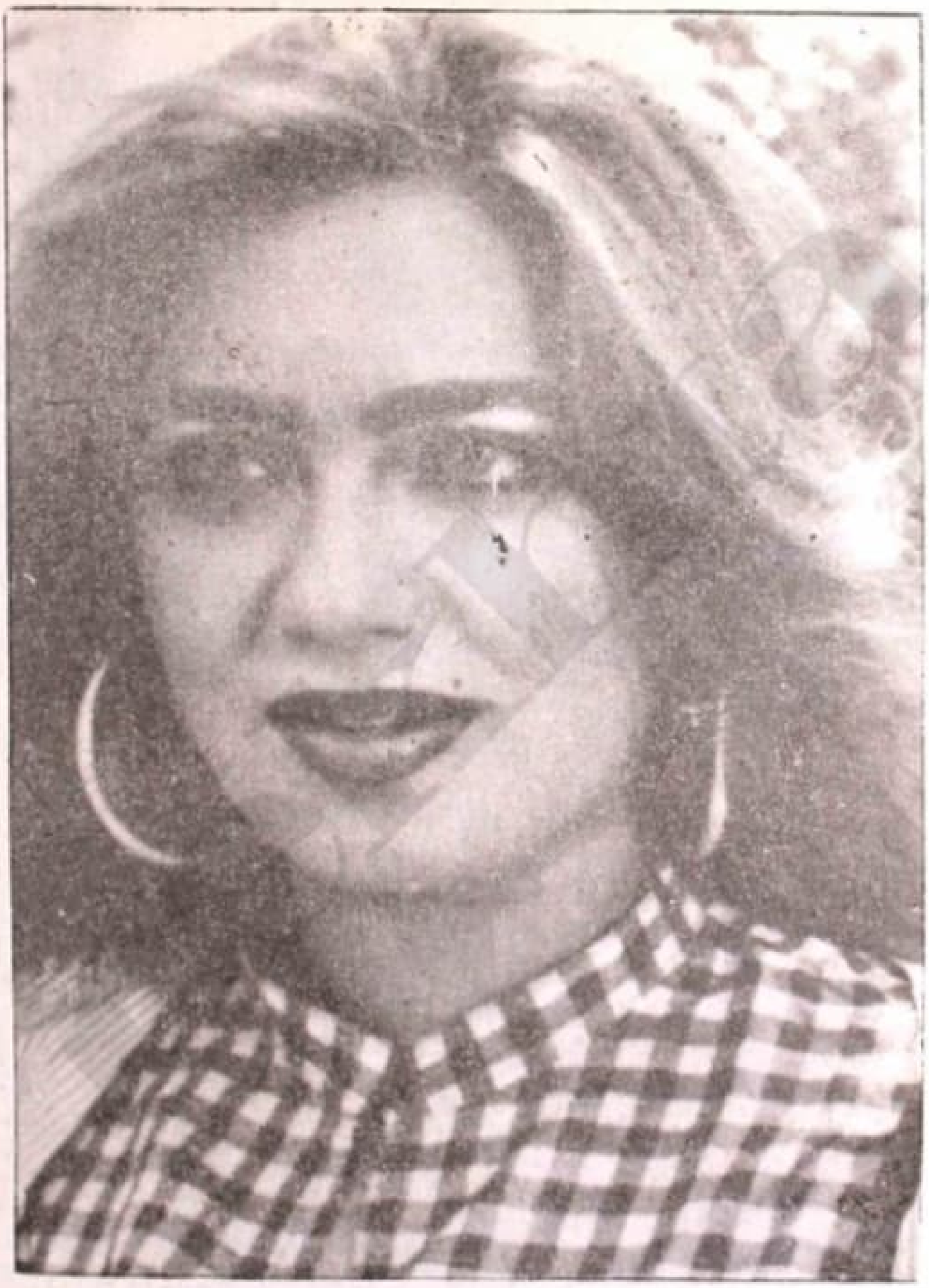
میاں اکبر کی دوسری بیٹی فرح اپنی تمام بہنوں سے زیادہ حسین و جمیل تھی ہیرا منڈی کے ایک بالا خانے میں وہ بھی اپنی محفل سجاتی تھی ایک دن اس کی ناچ گانے کی اس محفل میں بلوچستان کے ایک سردار بھی تشریف لائے اور وہ فرح پر بری طرح فریفتہ ہو گئے۔ بلوچستان کے اس سردار کا اس صوبہ کے ایک معروف سیاسی خاندان سے تعلق ہے ان کے والد بلوچستان کے وزیر اعلیٰ بھی رہ چکے ہیں اور خود موصوف بھی کئی بار وفاقی وزیر کے عہدہ تک پہنچے ہیں...... فرح اور سردار موصوف کی محبت میں جب زیادہ شدت پیدا ہوئی۔ تو اس کے نتیجہ میں فرح حاملہ ہو گئی۔ فرح کا باپ اور اس کے خاندان یہی چاہتے تھے کہ فرح حمل کے مرحلہ سے دوچار ہو تو اس کا سردار پھانسا جائے۔ فرح کے حاملہ ہو جانے پر فرح کے والد لاہور کے ایک وکیل سیف الرحمان کو ساتھ لے کر سردار موصوف سے ملے اور اس سے کہا کہ فرح حاملہ ہو چکی ہے آپ نے اس سے شادی کرنے اور کار کوٹھی لے کر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اب وقت آگیا ہے کہ آپ اپنے اس وعدہ کو نبھائیں اور اگر آپ نے لیت و لعل سے کام لیا یا شادی سے انکار کیا تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہو گا۔ یہ 1979ء کے ان دنوں کی بات ہے جب حدود آرڈی نینس نیا نیا نافذ ہوا تھا اور اس قانون سے سبھی خوفزدہ

تھے۔ اس آرڈی نینس کے حوالہ سے وکیل صاحب نے سردار موصوف کو ڈرایا دھمکایا کہ آپ کے خلاف اس آرڈی نینس کے تحت مقدمہ چلا تو آپ کی سیاسی شہرت اور ساکھ تباہ ہو جائے گی۔ اس دھمکی نے اپنا رنگ دکھایا اور سردار صاحب نے فرح سے شادی کر لی۔ آج کل وہ چار بچوں کی ماں ہے اور سردار صاحب نے اسے لاہور میں ہی ایک بہترین کوٹھی اور کار لے دی ہے۔ اس کے بچے بھی ایچی سن کالج میں زیر تعلیم ہیں۔ اور یہی وہ بچے ہوتے ہیں جو اس کالج سے تعلیم پا کر اعلیٰ عہدوں تک پہنچتے ہیں اور بعض اوقات ایسے طوائف زادے ہمارے اور آپ کے حکمران بن جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے حاکموں یا حکمرانوں سے ملک و قوم کسی بھلائی کی کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔

فرح کی ایک اور بہن سپنا ہے اس کا اصل نام مبین ہے۔ لیکن سپنا" کا قلمی اور رومانی طرز کا نام اس نے صرف اس لئے رکھا تھا کہ وہ بابرہ شریف کے مقابلہ میں آنے کے خواب دیکھتی تھی اس نے ایک پنجابی فلم اندھا قانون اور چند دوسری فلموں میں کام ضرور کیا لیکن کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کر سکی۔ اس ناکامی کے بعد اس نے صوبہ سرحد کے ممبر صوبائی اسمبلی خان خٹک کو اپنے جال میں پھنسایا' خٹک صاحب نے اسے اپنی فلم " چوڑیاں ٹوٹ گئیں پل بھر میں" میں بطور ہیروئن چانس دیا لیکن فلم فلاپ ہو گئی اور سپنا کے سپنے بھی بکھر گئے۔ خٹک کا دل بھی اس سے بھر گیا اور اس نے اپنی نئی فلم "نو مس نو" میں اسے کاسٹ نہیں کیا وہ اس سے جان چھڑوانا چاہتا تھا سو وہ اس نے چھڑا لی۔ اب سپنا اس چکر میں ہے کہ اپنی بہن روبینہ اور فرح کی طرح کسی کو پھانس کر اس سے شادی کر لے اور گھر بسا کر نئی زندگی بسر کرے۔

فلم انڈسٹری کی معروف اداکارہ عالیہ ایک طوائف کی بیٹی ہے۔ ایک مرتبہ اس نے اپنی ماں سے اپنے باپ کے بارے میں دریافت کیا تو ماں نے وعدہ کیا کہ وہ کسی روز اسے اس کے باپ سے ملا دے گی۔ بعد ازاں ایک روز عالیہ کو اس کے سیاست دان باپ کے پاس لے گئی لیکن اس کے باپ نے عالیہ کو اپنی بیٹی تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا اور کہا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے۔ کہ عالیہ میری بیٹی ہے اگر کوئی نکاح نامہ ہے تو دکھاؤ۔

بہرحال عالیہ کا کہنا ہے کہ اگرچہ باپ نے مجھے اپنی بیٹی تسلیم نہیں کیا لیکن مجھے یہ دیکھ



اداکارہ شاہدہ منی

کر بہت خوشی ہوئی کہ میرا باپ بہت خوبصورت تھا! شمع نامی ایک فلم سٹار بھی اس بازار سے ہے اور وہ بھٹو دور کے ایک صوبائی وزیر کی بیٹی ہے۔ اس سابق صوبائی وزیر نے بڑی کوشش کی کہ اس کی بیٹی بازار حسن میں نہ بیٹھے مگر وہ ناکام رہا کیونکہ شمع کی ماں کا کہنا تھا کہ ہم اپنے رسم و رواج سے نہیں ہٹ سکتے۔ ہماری بیٹیاں یہی پیشہ کرتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح طوائفیں اپنے آشناؤں سے انتقام لیتی ہیں کہ خود ان کی بیٹیوں کو بازار کی جنس بنا دیتی ہیں۔ شمع کی ماں نے لاکھوں روپے وصول کر کے ایک امیر شخص سے اس کی "نتھ کھلوائی" اور اس کا باپ تلملاتا رہ گیا۔

اس بازار کی ایک لڑکی سحر، لغاری خاندان کی ایک اہم سیاسی شخصیت کی بیٹی ہے۔ صبا



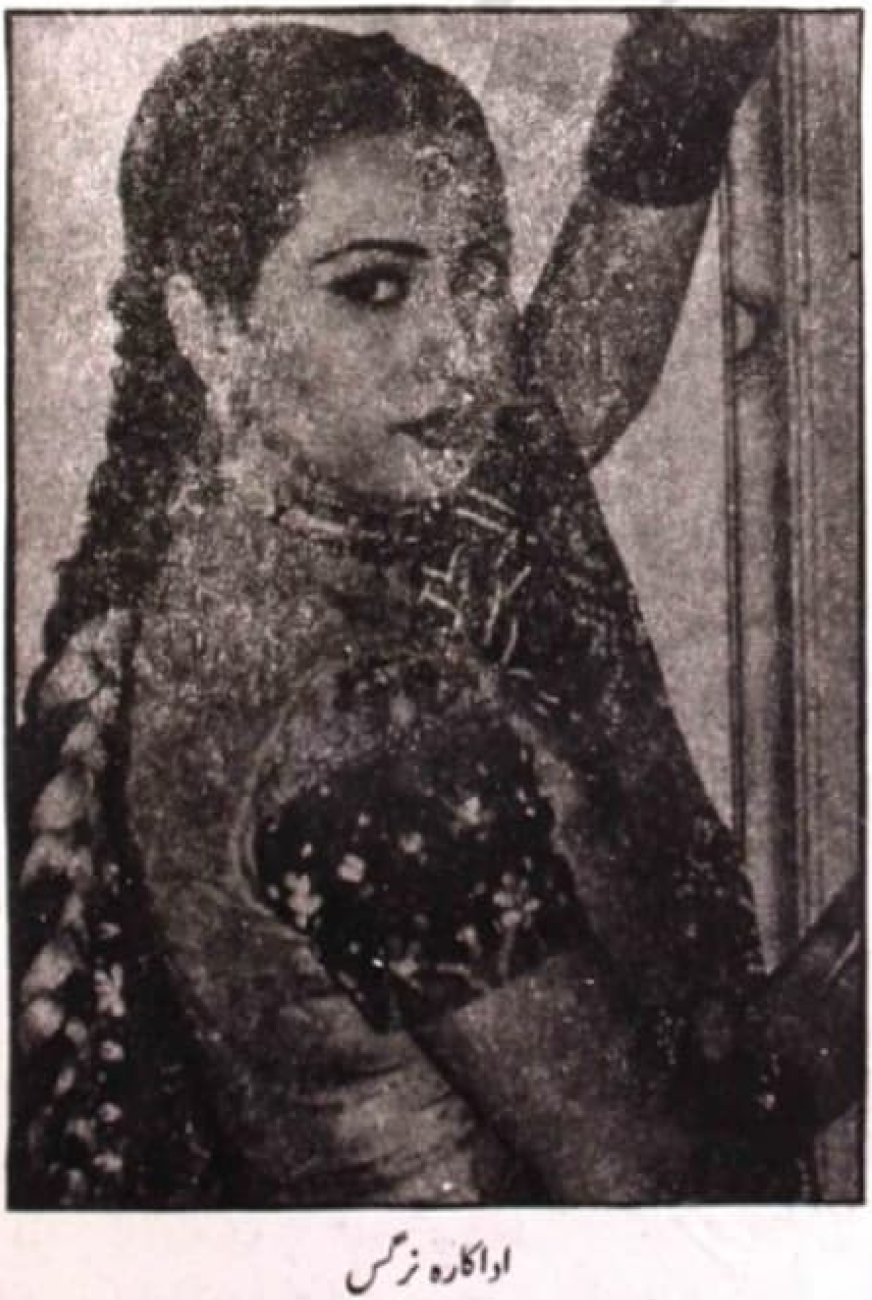
اداکارہ سائرہ خان

بہت بڑے سید خاندان کی بیٹی ہے شاہینہ پنڈی کے راجہ خاندان کی بیٹی ہے' یہ لڑکیاں چونکہ طوائف کے بطن سے پیدا ہوئیں اس لئے ان پر کبھی توجہ نہیں دی گئی۔ ان کے باپ نہ صرف انہیں بھول گئے بلکہ وہ انہیں اپنی بیٹی کی بجائے محض ایک گالی سمجھتے ہیں۔ کوئی شخص ان کی بیٹیوں کا رقص دیکھے یا ان کی نتھ کھولے انہیں اس سے قطعاً کوئی سروکار نہیں۔ اس بارے میں اتنی سنسنی خیز معلومات موجود ہیں جنہیں جان کر لوگ لرز اٹھیں' لیکن معاشرہ میں ان معزز شرفا کو ننگا کرنا اور پھر خود کو بچانا ایک امر محال ہے۔ ان شرفا میں ایسے ایسے حضرات شامل ہیں جو قوم کی تقدیر ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا کسی نہ کسی انداز میں طوائفوں سے تعلق بھی رہا اور اب ان کی اولاد پیشہ بھی کرتی ہے۔ گویا یہ طوائفیں بڑے خاندانوں کی بیٹیاں اور بعض لوگوں کی بہنیں ہیں' مگر یہ تقدیر

ہے جو انہیں بازار میں لے آئی ہے۔

معزز شرفا ان طوائفوں کے پاس بازار حسن نہیں جاتے بلکہ انہیں اپنی کوٹھیوں یا بنگلوں میں بلا کر مجرا دیکھتے ہیں اور داد عیش دیتے ہیں۔

یہاں رہنے والی ایک لڑکی سے جب دریافت کیا گیا "تم یہ دھندہ کیوں کرتی ہو" تو اس نے کہا ہم آسمان سے ٹپک نہیں پڑیں یہیں پیدا ہوئی ہیں اور اس "پیدائش" میں ہماری مرضی یا خواہش کا کوئی عمل دخل نہیں' میرا معزز اور شریف باپ' آپ کے شہر میں بڑا نامور لیڈر ہے وہ کبھی کبھار اندھیرے سویرے مجھے یہاں ملنے تو آتا ہے مگر اپنے ساتھ



اداکارہ نرگس

نہیں لے جاتا کہ اس کی عزت داغدار ہو جاتی ہے۔ ایسی بہت سی لڑکیاں یہاں موجود ہیں۔ ہما' رانی' رفعت' چندا' طاہرہ' صاعقہ' لبنیٰ' بابرہ' ریحانہ' سمیرا' سونیا' صبیحہ' عارفہ' نسرین' صابرہ' آسیہ' نبیلہ' سعدیہ' شہلا' فریدہ' غزالہ' فرخندہ' شاہدہ' چندہ' انمول' شاہین' شہناز' فرحی' رخشندہ اور یاسمین ـــــ یہ سب "شریف و معزز' نیک و پارسا" باپوں کی ناجائز بیٹیاں ہیں ـــــ (یہ سوال اپنی جگہ ہے کہ ناجائز یہ لڑکیاں ہیں یا ان کے باپ ـــــ حرامی صرف بچے ہوتے ہیں یا ان کے والدین ـــــ)

اصل بازار حسن کہاں ہے؟

بازار حسن کو اب منی ہیرا منڈی کہا جاتا ہے کیونکہ بازار حسن کی اکثر طوائفیں بازار کے ساتھ والے علاقے باغ منشی لدھا میں شفٹ ہو چکی ہیں اور بڑا بازار حسن اسی علاقے میں بن چکا ہے۔ اس علاقے میں 90 فیصد مکان طوائفوں نے حاصل کر رکھے ہیں' ان علاقوں کے مکین بتاتے ہیں کہ یہاں پر سے شریف لوگوں نے طوائفوں کی وجہ سے گھر بیچنے شروع کر دیے ہیں اور طوائفوں کی یہاں گھر لینے سے جگہ کی ویلیو بڑھ گئی ہے۔ باغ منشی لدھا میں بازار حسن سے زیادہ طوائفیں رہتی ہیں اور یہاں پر 24 گھنٹے بکنگ کا کام ہوتا ہے۔ اس علاقہ میں جسم فروشی بھی ہوتی ہے اور شہر کے ایسے شرفاء جو کہ بازار حسن اسی وجہ سے نہیں آتے کہ پہچانے اور پکڑے نہ جائیں' ان شرفاء نے منشی باغ لدھا میں جانا شروع کر دیا ہے۔ بازار حسن اور باغ منشی لدھا کی طوائفوں کے ریٹ بھی علیحدہ ہیں۔ باغ منشی لدھا کی طوائفوں کے ریٹ زیادہ ہیں۔ فلم' ٹی وی اور سٹیج کی متعدد اداکارائیں بازار حسن سے آئی ہیں جن میں ماضی کی معروف اداکارہ گوری جس کا اب تک بازار حسن میں موتی محل کے نام سے "گھر" ہے' قتل ہونے والی اداکارہ نیناں کا بھی بازار حسن میں "گھر" تھا جبکہ اداکارہ ثمینہ خالد' نادرہ (مقتولہ) اور اداکارہ مہوش کا ابھی تک بازار حسن میں "گھر" ہے۔ اداکارہ لیلیٰ روزانہ بازار حسن میں دفتر لگاتی ہیں جبکہ معروف گلوکارہ سائرہ نسیم بھی

بازار حسن میں کافی عرصہ رہائش پذیر رہی ہیں جبکہ حمیرا ارشد کا تعلق پانی والا تالاب سے تھا۔ اداکارہ ثناء ملتان سے آنے کے بعد کافی عرصہ تک اپنی بہن فرزانہ تبسم کے پاس بازار حسن میں رہ چکی ہیں۔ لاہور میں کئی اداکارائیں اب بازار حسن سے ماڈل ٹاؤن' اقبال ٹاؤن' سبزہ زار اور دیگر علاقوں میں شفٹ ہو گئی ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ماضی میں بھی



اداکارہ نرما



اداکارہ گوری



اداکارہ نیلی

فلمی دنیا سے تعلق رکھنے والی بعض بڑی اداکاراؤں کا تعلق بازار حسن سے رہا ہے۔ جن میں انجمن' فردوس' نیلی اور صائمہ شامل ہیں۔ لاہور کے سب سے بدنام علاقہ بازار حسن میں دھندہ کرنے والی عورتوں میں 75 فیصد کا تعلق لاہور سے نہیں بلکہ صرف 25 فیصد طوائفیں لاہور سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر عورتیں حیدر آباد' رحیم یار خان' بہاولپور اور ملتان سے آکر لاہور میں دھندہ کرتی ہیں جبکہ بعض کا تعلق اوکاڑہ سے ہے۔

بازار حسن میں اس وقت تین بلاک ہیں۔ جو کہ تین حصوں میں ہیں۔ اس میں 85 کوٹھے ہیں۔ جن علاقوں میں مجرا ہوتا ہے ان میں اونچا چیت رام روڈ سڑک بارودخانہ اور بازار ہیرامنڈی شامل ہیں جبکہ بازار حسن کے بلاک نمبر2 میں جسم فروشی کا دھندہ ہوتا ہے۔ یہ دھندہ رات ایک بجے سے لے کر صبح سویرے تک جاری رہتا ہے۔ یہ علاقہ تھانہ ٹبی کے بالکل ساتھ ہے، جسم فروشی والے علاقوں میں صرف 120 روپے سے لے کر300 تک جسم فروشی ہوتی ہے۔ ان میں علاقوں کا نام کوچہ سبزپیر' گاڑی محلہ اور بازار شیخوپوریاں شامل ہیں۔ بازار حسن کا تیسرا بلاک محلہ سمیان ہے جہاں کی عورتوں کو سمنا کہتے ہیں۔ یہاں پر عورتوں کو باہر لے جانے کے لئے بکنگ کی جاتی ہے۔ یہ علاقہ بازار حسن کا سب سے معزز علاقہ کہلاتا ہے۔ بازار حسن میں مجرا کرنے والی طوائفوں کی زیادہ اکثریت کا تعلق حیدر آباد سے ہے اور ان کا مجرے کا ریٹ سب سے کم ہے۔ جبکہ لاہور شہر کی طوائفوں کے ریٹ زیادہ اور ان کے گاہک مخصوص ہیں۔ لاہور میں یا لاہور سے باہر کوئی مجرے کا فنکشن ہو تو زیادہ تر اس مجرے میں حیدر آباد اور دیگر علاقوں کی طوائفیں جاتی ہیں۔ بازار حسن میں مجرا کرنے والی طوائفیں دوران مجرا اور اس وقت 11 بجے سے لے کر1 بجے تک کسی قسم کی جسم فروشی کا دھندہ نہیں کرتی صرف مجرا کرتی ہیں اور بعد ازاں صرف اپنے عاشقوں کے



زانی



اداکارہ لیلیٰ



اداکارہ انجمن



اداکارہ ثمینہ خالد

ساتھ "تعلق" قائم کرتی ہیں۔

بازار حسن میں اس وقت مشہور ترین کوٹھوں میں اداکارہ گوری کا موتی محل، سابق لیڈی کونسلر عشرت کا کوٹھا، فلمسٹار ثمینہ خالد، اداکارہ مہوش سکندر حیدری، بوبی سلطان، چندا اور بندیا کا کوٹھا مشہور ہیں۔ ان کوٹھوں پر بیٹھنے والی طوائفوں کا دیدار عام تماش بین کر سکتا ہے۔ مگر ان کا مجرا صرف مالدار تماش بین ہی دیکھتے ہیں۔ ان طوائفوں نے اپنے مخصوص اور خاص گاہک بنا رکھے ہیں۔

قحبہ خانہ

25 دسمبر 1995ء کو اسلام آباد میں پولیس نے فحاشی کے ایک اڈے پر چھاپہ مارا تو وہاں سے دو عورتیں دو مرد اور شراب کی دو بوتلیں برآمد ہوئیں۔ اس علاقہ کے لوگوں نے بتایا کہ اڈہ پر اکثر سرکاری افسران' سرکاری محکموں اور ایم این اے حضرات کی گاڑیاں آیا کرتی تھیں۔ اس لئے لوگوں کو کبھی اس اڈہ کی نشاندہی کی جرات نہیں ہوئی۔ اس اڈہ پر چھاپے کے نتیجہ میں جو کردار سامنے آئے نشاندہی کی جرات نہیں ہوئی۔ اس اڈہ پر چھاپے کے نتیجہ میں جو کردار سامنے آئے ان کی اپنی زندگی کی ایک کہانی ہے۔ ایک کردار سترہ سالہ خوبرو دوشیزہ "نادیہ" تھی جو اس لئے عصمت فروشی کا دھندا کرتی رہی کہ اس کی معصوم بچی "کائنات" پیدا ہو چکی تھی۔ ہر صاحب اولاد کو نادیہ سے ہمدردی ہونی چاہئے۔ لیکن اسے اپنی بچی کائنات کی خاطر دنیا و آخرت کی کائنات تباہ کرنے کا کوئی حق نہیں دیا جا سکتا۔ تصویر کا دوسرا رخ دیکھا جائے تو اس کے شوہر بابر نے ایک تاریک باب سے پردہ اٹھایا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ "نادیہ" اس کی بیوی بن کر نہیں رہنا چاہتی کیونکہ وہ ایم این اے ہاسٹل میں ایک "مخدوم صاحب" کے چکر میں گرفتار ہے۔ وہ "مخدوم صاحب" کے بستر تک کیسے پہنچی یہ الگ داستان ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ پولیس نے بااثر افراد کی مداخلت پر فحاشی اور عیاشی کے الزام میں گرفتار تین مردوں اور دو خواتین کو جیل بھیج دیا تاکہ اخبار نویسوں اور اس ملک کے باشندوں کو مزید مخدوموں یا مخدوم زادوں کا پتہ نہ چل سکے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بابر کے خیابان سرسید میں قائم ایک اڈے پر "آبرو" بیچنے والی ساحرہ سے تعلقات ہیں اور وہ اپنی محبوبہ سمیت غائب ہے۔ اب بابر بھی نادیہ کو اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا لیکن نادیہ اور ساحرہ کو چلانے والیاں اپنے مفادات قربان نہیں کر سکتیں۔ اس

لئے وہ دونوں کی راہ میں حائل ہیں۔ دونوں اڈہ چلاتی ہیں۔ بابر بھی دلال ہے اس طرح گزشتہ دنوں لاہور پولیس نے فحاشی کے اڈے پر چھاپہ مار کر کچھ خوبرو لڑکیوں کو گرفتار کیا تھا جو نسیم بائی نامی ایک عورت کے ایک اڈے پر بکتی تھیں۔ ان کے بارے میں بھی یہ اطلاع ملی کہ انھیں بااثر لوگوں کی سرپرستی حاصل ہے۔ ان کے گھر پر بھی ""معززین"" و ""شرفاء"" اراکین اسمبلی اور بیوروکریٹس کی آمدورفت رہتی تھی۔

چھوٹے لوگ' بڑے کارنامے

21 اپریل 1996ء کو نگینہ خانم ایک سیاسی کارکن کو ایس پی کینٹ کے سٹاف افسر احمد سلیم نے رستم پارک گلشن راوی میں چھاپہ مار کر (10) مرد و خواتین سمیت برہنہ حالت میں گرفتار کر لیا۔ اور ان کے خلاف حدود آرڈیننس کے تحت مقدمہ درج کر کے تھانہ سول لائنز کی حوالات میں بند کر دیا۔ سٹاف آفیسر احمد سلیم نے بتایا کہ اسے اطلاع ملی کہ ارشد امین چودھری کے قتل کیس کا مرکزی ملزم عامر بٹ جو کہ مفرور ہے نگینہ خانم کے ڈیرے پر موجود ہے اس اطلاع پر چھاپہ مارا گیا تو وہاں عامر بٹ تو موجود نہیں تھا تاہم نگینہ خانم' رینا' راحیلہ' نادیہ' کرن' حاجی سیف الدین' سرور خان' عبدالستار اور مشک خان کے ساتھ برہنہ حالت میں موجود تھیں۔ نگینہ خانم کے خلاف بدکاری' فحاشی یا حدود کا یہ پہلا مقدمہ نہیں۔ بلکہ اس سے دو سال قبل ڈی ایس پی طاہر عالم نے بھی ایسے ہی الزامات کے تحت اسے گرفتار کیا تھا۔ 1980ء میں بھی نگینہ خانم اور اس کے شوہر کے خلاف مقدمہ درج ہوا تھا اور اس وقت ان کے ڈیرے سے شراب کی بوتلیں اور لڑکیاں برآمد ہوئی تھیں۔

نگینہ خانم ـــــ فلم سٹوڈیوز اور شرافت کی سیاست کا ایک ایسا نام ہے جسے ہر بااثر اور شوق رکھنے والا جانتا ہے۔ ماضی میں اسے کئی بار گرفتار بھی کیا گیا لیکن وہ سزا دینے کا اختیار رکھنے والوں کو شیشے کے اندر اتارنے میں کامیاب رہی۔ لاہور میں یکے بعد دیگرے ماڈل گرلز کے قتل میں اس کا نام سامنے آتا رہا۔ لیکن وہ اپنے قیمتی "ہیروں" کو پولیس افسروں

کی خدمت پر لگا کر صاف بچ جاتی رہی۔ وہ فلموں میں مسلسل جسم فروشی کے بعد ایکسٹرا گرل کے طور پر آئی تھی اور پھر اس نے ایک ایسا اڈہ چلایا کہ لاکھوں میں کھیلنے لگی۔ نگینہ خانم نے ابتداء میں خود جسم کی نمائش کی تھی اور سنگین ترین تجربات سے گزر چکی تھی۔ اس لئے وہ عورت کے جذبات کا راز پا چکی تھی۔ اسے یہ بھی اندازہ تھا کہ فلم کے شوق میں گھروں سے بھاگ کر آنے والی لڑکیوں کو سکرین کی بجائے دوسروں کے بستر کی زینت کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ ایسی ہی لڑکیوں کی مجبوریوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے وہ ایک کار اور کوٹھی کی مالک بن گئی۔ نگینہ خانم سیاست کی آڑ میں اڈہ چلایا کرتی تھی۔ وہ شرافت کی سیاست کرنے والی ایک جماعت کے پرائمری یونٹ کی سربراہ تھی۔ مسلم لیگ کے عہد اقتدار میں وفاقی وزراء تک ان کی رسائی تھی جو ان کے اڈے پر حاضری دینا عین عبادت سمجھتے تھے۔ نگینہ خانم نے سرحد اور بلوچستان کے کئی وفاقی وزراء اور صوبائی سیاست دانوں کے ساتھ بھی تعلقات استوار کر رکھے تھے۔ یہ وزراء بھی ان کے گھر کی زیارت کرتے پائے گئے۔ نگینہ خانم کے مکروہ دھندے کے ایک پہلو کا انکشاف اس وقت ہوا جب پولیس نے ایک خوبرو حسینہ کو کار چوروں کے ایک گروہ کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے ہوئے گرفتار کر لیا۔ اس خوبرو لڑکی نے پولیس کو بتایا کہ نگینہ نے اس کی قیمت 10 ہزار روپے میری ماں کو ادا کر رکھی ہے۔ میری ماں ایک مجبور عورت تھی نگینہ نے پہلی ہی نظر میں تاڑ لیا کہ وہ ہمارے خاندان کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ نگینہ نے میری ماں کو دس ہزار روپے دیئے تاکہ ہم سود پر حاصل کیا گیا قرض ادا نہ کر سکیں۔ میری مقروض ماں نے سود خور پٹھان کا قرض تو ادا کر دیا۔ لیکن نگینہ نے میری ماں سے جو تحریر لکھوائی اس کے نتیجہ میں اس نے مجھے گروی رکھ لیا۔ اب میں ہر رات کے دس ہزار روپے لیتی ہوں۔ اپنی عزت بیچ کر ایک عرصہ سے مال نگینہ خانم کو تھما دیتی ہوں۔ لیکن دس ہزار روپے کا قرض ابھی تک نہیں اترا۔ اور اب وہ سود ملا کر کئی لاکھ روپے ہو چکا ہے۔ اس لڑکی کی رہائی کے لئے نگینہ نے 15 ہزار روپے پولیس کو دیئے اور اسے رہا کرا کر لے گئی۔ نواں کوٹ پولیس اسٹیشن کے اہلکار بتاتے ہیں کہ ہم نے آج تک ایسی خوبرو حسینہ نہیں دیکھی۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اس حسینہ کی مجبوریاں کیا ہیں اور نگینہ خانم نے اپنے انتقام کی بھٹی میں اس



نگینہ خانم (تب) صوبائی وزیر افضال شاہ کے ساتھ

جیسی کتنی حسیناؤں کو ڈال رکھا ہے۔ نگینہ خانم کے سمگلروں کے ساتھ خصوصی تعلقات ہیں۔ وہ اپنا مال لاہور کے اعلیٰ ہوٹلوں میں بھی سپلائی کرتی ہے۔ اس نے ایک رسالہ بھی شروع کر رکھا ہے۔ اپنے نام کی رسوائی کے باعث وہ اس رسالے پر بیگم رب نواز خان کے حوالے سے اپنا نام بطور چیف ایڈیٹر شائع کرتی ہے۔ نگینہ کے گھر کے بھیدی بتاتے ہیں کہ وہ اپنے گھر میں جن سیاست دانوں کو "شراب' شباب اور کباب" مہیا کرتی ہے۔ اس کی ویڈیو فلم بھی بناتی ہے۔ یہ ویڈیو فلمیں ان سیاست دانوں کو بدنام کرنے کے کام بھی آ سکتی ہیں اور بلیک میلنگ کے ہتھیار کے طور پر استعمال ہو سکتی ہیں۔ ایسے بلیو پرنٹ وہ ان لڑکیوں کو بھی دکھاتی رہتی ہے جو اس کے اڈے کی رونق ہوتی ہیں۔ نگینہ خانم نے خوبرو لڑکیوں کو اپنے جال میں گرفتار کرنے کے لئے ایک آرٹ اکیڈمی بھی کھول رکھی ہے۔ عیش و نشاط کے لمحات کو رنگین اور سنگین بنانے کی تربیت دی جاتی ہے۔ نگینہ خانم نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ خدمت خلق کرتی ہے۔ ایسی لڑکیوں کو جو "نکے نوکری" بنی پھرتی ہیں۔ وہ ہزاروں کا مال بنا دیتی ہیں۔ ان جسم فروش لڑکیوں کو احترام دلواتی ہوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں سے تحفظ بھی۔ ان لڑکیوں اور ان کے جسم سے کھیلنے والوں کو مجھ سے "عقیدت" ہے۔ کئی صحافی بھی مجھ سے اپنی من پسند غذا حاصل کرتے ہیں۔ لیکن بعض صحافی نہ جانے کیوں میرے دشمن بن گئے ہیں اور وہ میرے سماجی کام کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ نگینہ خانم کی واردات کے کئی طریقے ہیں۔ اس نے اپنے کاروبار کو چلانے کے لئے ایک پرائیویٹ تعلیمی ادارے کی مالک خاتون کی خدمات بھی حاصل کر رکھی ہیں۔ اس پرائیویٹ تعلیمی ادارے میں صرف ان تعلیم یافتہ حسیناؤں کو ملازمت ملتی ہے جو

دن میں تدریس کے فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ رات کے اندھیروں میں اپنے حسن کی شمع روشن رکھنے کے لئے تیار ہوں۔ صوبائی اسمبلی کے ایک سابق رکن بھی نگینہ خانم کی "مہربانیوں" تلے دبے ہوئے ہیں۔ مسلم لیگ کے ایک گروپ کے عہدیدار شیخ بشیر احمد



معروف سیاستدان سردار امجد حمید دستی نگینہ خانم کو تاج پہناتے ہوئے

بھی اس کے مستقل گاہک ہیں اور نگینہ خانم کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ نگینہ خانم نے جو فلم شروع کر رکھی ہے اس میں ابھی تک کوئی قابل ذکر ہیروئن یا اداکارہ شامل نہیں کی گئی۔ جبکہ بہت سی نامور اداکارائیں اس کے ذریعے اعلیٰ سرکاری افسروں اور سیاست دانوں تک پہنچتی ہیں۔ نگینہ نے پولیس کے کئی افسران کو بھی بیٹا بنا کر رکھا ہوا ہے۔

وہ ہر سال "ایوارڈ" تقسیم کرنے کی ایک تقریب منعقد کرتی رہی ہے جس میں خوبرو کال گرلز کے علاوہ ایسے لوگوں کو بھی ایوارڈ دیئے جاتے ہیں جو جسم فروشی کے دھندہ میں اس کی سرپرستی کرتے ہیں۔ نگینہ خانم کے 1977ء اور پھر 1993ء میں جسم فروشی اور شراب نوشی کے کئی مقدمات میں چالان ہو چکے ہیں لیکن اسے آج تک کبھی سزا نہیں ہوئی۔ کئی مردوں کے علاوہ سیاست دان عورتیں بھی اس کی سرپرست ہیں۔ جن میں تہمینہ دولتانہ، بیگم امینہ غنی گھمن اور بیگم سردار خادم حسین قابل ذکر ہیں۔ اسلام آباد میں "سپلائی" کی جانے والی عام سی لڑکی دس ہزار تک لیتی ہے خوبرو لڑکیوں کی قیمت 50 ہزار روپے ملتے ہیں جبکہ خصوصی شہرت رکھنے والی لڑکیوں کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ نگینہ خانم

بابرہ شریف سے لے کر کال گرلز تک کی سرپرست ہے اور اپنے ہر گاہک کی خواہش کی تکمیل میں ثانی نہیں رکھتی۔ اس نے علامہ اقبال ٹاؤن، ماڈل ٹاؤن لاہور میں کئی کوٹھیاں اور وفاقی دارالحکومت میں گیسٹ ہاؤسز کے کئی کمرے مستقلاً" کرائے پر لے رکھے ہیں۔
جہاں وہ اپنے گاہکوں اور لڑکیوں کو مکمل تحفظ فراہم کرتی ہے۔ اپنے ماہنامہ جریدہ "عنبر" میں وہ اپنی ایک زیر تکمیل فلم میں نئے چہروں کو متعارف کروانے کا ڈھنڈورہ بھی پیٹتی ہے۔ اس فلم کی آڑ میں وہ مجبور لڑکیوں کو کیمرے کے آگے ننگا کر دیتی ہے۔ کیمرے کی آنکھ میں کئی سیاست دانوں کے چہرے بھی محفوظ ہیں۔ ایک مرتبہ پولیس نے اس کے گھر سے "بلیو پرنٹ" برآمد بھی کر لئے تھے جن میں ایک سابق وزیر اور ایک رکن صوبائی اسمبلی کا مکروہ چہرہ بھی تھا۔ پولیس نے بااثر لوگوں کی مداخلت اور ذاتی لالچ کے باعث سیاست دانوں کے "بلیو پرنٹ" تو چھپا لئے لیکن یہ پرنٹ بعض خفیہ ایجنسیوں کے ریکارڈ میں آج تک محفوظ ہیں۔ نگینہ خانم اپنے دھندے کو بچانے کے لئے کئی طریقے اپناتی ہے۔
اس کا طریقہ واردات گھناؤنا ہے لیکن اس معاشرے میں کامیابی سے واردات جاری ہے جس میں سب لوگ حقائق کو سکینڈل کہتے ہیں۔ لاہور میں بہت سی تنظیمیں ایوارڈ تقسیم کرنے کا "شوق" رکھتی ہیں۔ ایسی تنظیموں کے مرکزی "کردار" دراصل "سپلائر" ہوتے ہیں، کہلواتے نہیں۔ نگینہ خانم "ایوارڈ" دینے والوں کی سرپرستی کرتی ہے۔ نگینہ جسم فروشی کا دھندہ کرنے والی لڑکیوں کو ایسی تقاریب میں وزیروں کبیروں سے ایوارڈ دلواتی ہے، تصویریں بنوا کر جسم فروش لڑکیاں ان کے ساتھ اپنے تعلقات ظاہر کرتی ہیں۔ یہ تصاویر پولیس سے بچنے کے کام بھی آتی ہیں اور جسم فروش لڑکیوں کی مارکیٹ بھی بڑھاتی ہیں۔ نگینہ نے کسی سیاست دان کو معاف نہیں کیا اور ہر بااثر کردار کے ساتھ کسی نہ کسی لڑکی کی تصویر بنا کر اپنے ریکارڈ میں رکھی ہوئی ہے جسے وہ ضرورت پڑنے پر استعمال کرتی ہے۔ ایوارڈ تقسیم کرنے والی یہ تنظیمیں نگینہ خانم کو بھی ایوارڈ دیتی ہیں اور وزراء کے ساتھ تصویر بنوا کر وہ پولیس والوں کو بھی اپنے وسیع تعلقات کا "چکر" دیتی ہے۔ نگینہ خانم کا یہ سیاسی "ہتھیار" اس قدر کارگر ہے کہ بعض پولیس افسر باقاعدگی کے ساتھ اس کے ہاں حاضری لگواتے اور ترقیاں پاتے ہیں۔

نگینہ خانم کی ایک سہیلی مس ضیاء نے ملتان روڈ پر ایک پرائیویٹ سکول بنا رکھا ہے۔ اس محترمہ نے تعلیم کی روشنی پھیلانے کی آڑ میں جنسی کھلاڑی پیدا کرنے کی ایک اکیڈمی کھول رکھی ہے۔ جس نے کئی گھروں کے چراغ گل کر رکھے ہیں۔ توقیر نام کی ایک عورت خوبرو لڑکیوں کو معلمات کے روپ میں لاتی ہے بعد میں انہیں ایسی خواتین سے ملوایا جاتا ہے۔ جو انہیں نفسیاتی گناہ کی جانب راغب کرتی ہیں۔ گناہ کی زندگی میں "لذت" اور "راحت" کے سبب یہ بدنصیب لڑکیاں ایسی دلدل میں پھنس جاتی ہیں جہاں توقیر اور نگینہ "سانپ" بن کر بیٹھی ہوئی ہیں۔ ان لڑکیوں کو جو نوکری کے حصول کے لئے گھر سے باہر قدم رکھتی ہیں ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے جس کا انہوں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔ جب وہ اس ماحول میں ڈھل جاتیں ہیں تو سکول کے رجسٹر سے ان کا نام کٹ جاتا ہے اور تھانے کے رجسٹر میں درج ہونے کا خدشہ ان کے ارد گرد منڈلانے لگتا ہے۔ نگینہ کے پاس 1970ء سے لے کر آج تک اپنی "سیاسی" خدمات کا ریکارڈ موجود ہے۔ وہ پیپلز پارٹی کی بھی باقاعدہ عہدیدار رہی۔ صوبائی اور وفاقی سطح پر اہم لوگوں کے ساتھ اس کے روابط تھے۔ جنرل ضیاء برسراقتدار آئے تو نگینہ نے سرحد کے ایک سیاست دان کی خدمات حاصل کیں۔ اسے دعوت عیش و نشاط دی اور پھر پانچوں انگلیاں گھی میں اور ------ اس نے پیپلز پارٹی چھوڑ دی اور ایک تنظیم ضیاء حمایت تحریک کی سرپرستی شروع کر دی۔ جنرل ضیا کے دور کی ابتدا میں نگینہ خانم کو کچھ مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اس کی چند لڑکیاں بھی گرفتار ہو گئیں۔ 1977ء میں خود اس کے خلاف بھی مقدمات بنے لیکن جلد ہی نگینہ نے عیش و نشاط کے راستے ڈھونڈ نکالے اور یوں "کلیئر" ہو گئی بلکہ شراب و شباب کے رسیاؤں کی اس کے گھر لائن لگ گئی۔ ضیاء کے دور حکومت میں ایک وفاقی وزیر اکثر ان کے گھر آیا جایا کرتے تھے اور اس کے اثر و رسوخ کا یہ عالم تھا کہ بعض فلم سازوں کو اپنی فلمیں سنسر سے پاس کروانے کے لئے نگینہ خانم کی خدمات حاصل کرنا پڑتی تھیں۔ جنرل ضیاء کا دور ختم ہوا تو نگینہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئی۔ وہ اپنے گاہکوں کی طرح جماعتیں تبدیل کرنا بھی کاروبار سمجھتی ہے۔ وہ پرائمری یونٹ کی صدر بن گئی۔ بظاہر تو وہ پرائمری یونٹ کی صدر تھی مگر اس کے اثر و رسوخ کا یہ عالم تھا کہ کئی پرانی مسلم لیگی خواتین اس کے گھر کا طواف کیا کرتی

تھیں حیرت انگیز بات یہ ہے کہ لاہور کا کوئی سیاسی یا سماجی کردار نگینہ خانم کے دھندے کو بظاہر پسند نہیں کرتا اور سب اس کے کرتوتوں سے آگاہ ہیں لیکن پھر بھی وہ سیاسی اہمیت حاصل کرتی ہے۔ یہ صرف مسلم لیگ کا المیہ نہیں بلکہ پیپلز پارٹی اور بعض دیگر جماعتوں کا "پرابلم" بھی ہے۔ سیاست کا صحافت کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس بنا پر نگینہ خانم نے اپنے مکروہ دھندے کو مزید وسیع کرنے اور اس کے تحفظ کے لئے صحافت کے میدان میں اپنا بھاری بھر کم پاؤں رکھا۔ ملک کے عام صحافیوں کی زندگی بیت جاتی ہے لیکن وہ محکمہ اطلاعات کی جانب سے جاری ہونے والے ایکریڈیشن کارڈ حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ نگینہ خانم نے اپنے جریدہ "عنبر" کا اجراء کیا۔ ادھر اجراء ہوا ادھر اس کا ایکریڈیشن کارڈ بن گیا جس کے باعث اسے سفری اور دیگر سہولتیں ملنے کے علاوہ ایک معزز مقام بھی مل گیا جو اکثر حقدار صحافیوں کو بھی نہیں ملتا۔ یہ عورت اپنی فنکاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض ایسے لوگوں سے تعلقات بنانے میں بھی کامیاب رہی۔ جس کا کوئی پرائمری یونٹ عہدیدار تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے سیاسی سرپرستوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔

نگینہ خانم کی آرٹ اکیڈمی کا ذکر اوپر آ گیا ہے۔ اس اڈہ سے بعض کار چور ایک حسین و جمیل لڑکی کو ایک رات کے لئے دس ہزار روپے میں بک کر کے لے گئے تھے، اس لڑکی کی بدقسمتی تھی کہ پولیس نے اس رات ان کار چوروں کے گھر پر چھاپہ مارا جس میں وہ لڑکی بھی پولیس کے ہتھے چڑھ گئی۔ اس کے حسن و جمال نے پولیس والوں کی نگاہیں خیرہ کر دیں۔ اور تھانے کے قریب قریب سبھی افراد نے اس سے زیادتی کی۔ اس پر تشدد بھی کیا جاتا رہا۔ دو دن بعد اس لڑکی نے بتایا کہ کار چوروں سے اس کا براہ راست کوئی تعلق نہیں وہ تو خانم کے اڈہ سے بک ہو کر وہاں آئی اور پکڑی گئی تھی۔ اس پر پولیس نے خانم سے رابطہ قائم کیا اور اس سے 25 ہزار روپے وصول کر کے لڑکی نگینہ خانم کے حوالے کر دی۔ خانم نے اس لڑکی اور اس کی والدہ سے اسٹام پر یہ لکھوایا کہ اس ماں بیٹی نے خانم سے پچاس ہزار روپے قرض لئے ہیں جب تک یہ رقم نگینہ خانم کو واپس نہیں کی جائے گی۔ اس وقت تک رقم کا بیس فیصد خانم کو بطور سود ادا کیا جاتا رہے گا۔

"ماماموداؔ" کے چونکا دینے والے انکشافات

انجمن اتحاد فنکاراں موسیقی رجسٹرڈ کے صدر محمود احمد نے ایک ملاقات میں بتایا کہ اس بازار میں ان دنوں پانچ سو کے لگ بھگ رقاصائیں اور مغنیائیں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ یہ لڑکیاں شرفا کی بیٹیاں ہیں چونکہ ان کے والدین نے یہاں کی طوائفوں سے ناجائز تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ اس کے نتیجہ میں یہ لڑکیاں پیدا ہو گئیں۔ ان شرفا کو ہمارا شکر گزار ہونا چاہئے کہ ہم نے ان کی بیٹیوں کو سنبھال رکھا ہے۔ انہیں پالا پوسا اور پروان چڑھایا اور اگر وہ اس کاروبار کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو ایسے غیرت مند باپوں کو چاہئے کہ سب سے پہلے وہ اپنی بیٹیاں یہاں سے لے جائیں ہمیں اس پر قطعاً" کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ میاں محمود احمد نے دعویٰ کیا کہ کوئی وفاقی و صوبائی وزیر اور کوئی قومی اسمبلی یا صوبائی اسمبلی کا رکن ایسا نہیں جو گانا نہ سنتا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے بعض گانا سننے بازار میں کسی کوٹھے پر آجاتے ہیں اور بعض کوٹھے والی کو اپنی کوٹھی پر بلا کر جی بہلا لیتے ہیں۔

ہم اپنے مطالبات کے حق میں جلوس اس لئے نہیں نکالتے کہ جو شخصیتیں رات کے اندھیرے میں ہمارے قدموں میں ہوتی ہیں وہ دن کے اجالے میں ہمارا ساتھ دینے سے قاصر رہتی ہیں کہ اس سے ان کی شہرت خراب ہوتی ہے چنانچہ کھلم کھلا ساتھ دینے کی بجائے وہ لوگ در پردہ مدد کرنا پسند کرتے ہیں۔ اصل میں بازار حسن تو ایک اکیڈمی ہے فلموں کی تمام مشہور اور مقبول ہیروئنیں اسی بازار کی بخشش ہیں۔ پھر یہ دوہرا معیار یا منافقت کیوں ہے کہ "حکومت اپنے اہتمام میں ناچ گانا کرائے تو وہ ثقافتی شو کہلائے اور

طوائف یہی کام کرے تو اسے مجرے کا نام دیا جائے لطف یہ ہے کہ ثقافتی شو کرنے والوں سے کوئی ٹیکس بھی نہیں لیا جاتا جبکہ رقاصائیں اور مغنیائیں ہر قسم کے ٹیکس ادا کرتی ہیں حتیٰ کہ ان سے بجلی پانی اور گیس کے بل بھی کمرشل نرخوں کی بنیاد پر وصول کیے جاتے ہیں۔ حکومت خود کوئی ثقافتی شو کراتی ہے تو کسی کو اسلام کی یاد نہیں ستاتی حالانکہ اس شو میں گانے اور رقص کے علاوہ اور بہت کچھ بھی ہوتا یا ہو جاتا ہے۔ مگر کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ ان بڑے بڑے سرکاری افسروں کی طرف انگلی بھی اٹھا سکے کیوں؟

بازار حسن کے لوگ تو اپنی قومی خدمات کا بھی شاندار ریکارڈ رکھتے ہیں 1965ء اور پھر 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں ہم لوگوں نے بڑا کام کیا۔ سرحدوں پر مورچوں پر جا کر ملی نغمے اور قومی ترانے گائے۔ کیا اس وقت یہ سب کچھ گناہ نہیں تھا۔

ان سے دریافت کیا گیا کہ پولیس جب بھی اس بازار پر چھاپہ مار کر یہاں سے ناچ گانا کرنے والوں کو پکڑتی ہے تو آپ لوگ اس نوعیت کے بیانات جاری کرتے ہیں کہ ہم شرفا کو ننگا کریں گے اور بتائیں گے اس بازار میں کس کس شریف خاندان کی بیٹیاں بیٹھی ہیں لیکن آپ نے کبھی اس دھمکی کو عملی جامہ نہیں پہنایا۔ آپ نے اپنے گاہکوں کو کبھی ننگا کرنے کی زحمت نہیں کی (وہ تو اس بازار میں خود ننگے ہو جاتے ہیں) آپ کبھی ان شرفا کو منظر عام پر نہیں لائے جو اس بازار کے سب سے بڑے سرپرست ہیں کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا کہ آپ یہ دھمکی صرف بلیک میل کرنے کے لئے دیتے ہیں محمود احمد نے کہا "ہم بلیک میلنگ کے لئے ایسا کوئی بیان نہیں دیتے۔ ہمارے پاس اس امر کے ٹھوس ثبوت موجود ہیں کہ یہاں بڑے بڑے شرفا کی بیٹیاں موجود ہیں۔"

آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ شرفا کی بیٹیاں ہیں۔ یہاں ایک شخص گانا سننے آتا اور چلا جاتا ہے آپ جو دعویٰ کرتے ہیں کیا آپ نے ان لوگوں کی کوئی تصاویر بنا رکھی ہیں کہ یہ لوگ یہاں گانا سننے آئے اور رات بسر کر گئے۔

نہیں ہم تماش بینوں کی تصاویر نہیں بناتے لیکن وہ شرفا جو یہاں کی طوائفوں سے عشق لڑانے یا انہیں داشتہ (Keep) رکھتے ہیں یا ان سے متعہ یا نکاح کرتے ہیں ان کے بارے میں ہمارے پاس ٹھوس ثبوت موجود ہوتے ہیں کیونکہ ان تماش بینوں کے بارے

میں ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ جب کسی لڑکی سے ان کا دل بھر جائے گا تو وہ اسے چھوڑ کر چلتے بنیں گے اور پھر مڑ کر پیچھے کبھی نہیں دیکھیں گے چنانچہ جن طوائفوں کے ہاں ان کے بچے پیدا ہوتے ہیں ان بچوں کے مستقبل کو محفوظ کرنے کے لئے ہم ایسے ثبوت اپنے پاس رکھتے ہیں جو تصاویر ویڈیو فلم یا نکاح نامے کی صورت میں ہوتے ہیں۔

کیا آپ ان شرفاء کے نام بتا سکتے ہیں جن کی بیٹیاں یہاں دھندا کرتی ہیں۔؟

آپ مجھ سے یہ سوال نہ کریں ایسے انکشافات اس "پیشہ کے آداب" کے خلاف ہیں آپ مجھ سے یہ پوچھیں کہ کس کی بیٹیاں یہاں نہیں ہیں اس حمام میں سبھی ننگے ہیں' کچھ دیر توقف کے بعد محمود احمد نے کسی کا نام لئے بغیر کہا گجرات کے ایک بہت بڑے شریف النفس سیاست دان جن کی شرافت اور غیرت کے بڑے چرچے ہیں' اس کے یہاں کئی طوائفوں سے تعلقات رہے ہیں۔ اسی طرح پاکستان پیپلز پارٹی کے ایک بڑے نیک اور صالح حضرت کا بھی اس بازار سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ بلوچستان کا ایک بہت بڑا سردار بھی اس بازار میں دھکے کھاتا رہا ہے۔ ویسے وہ آج کل قوم کا ایک بڑا لیڈر ہے۔ محمود احمد نے اس فہرست میں ایک سپیکر کا نام بھی لیا پھر کہا "میں تو بہت کچھ بتا سکتا ہوں لیکن آپ وہ سب کچھ چھاپ نہیں سکتے۔"

انہوں نے کہا کہ میں حکومت پنجاب کے ایک بہت بڑے افسر کو جانتا ہوں جو بظاہر بڑی نیک شہرت رکھتے ہیں۔ انتظامی امور میں وہ خاصی سخت گیری کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں' لیکن رات کو وہ یہاں منہ لپیٹ کر آتے ہیں اور مجرا سنتے ہیں مجرا سننے کے بعد وہ کسی نہ کسی لڑکی کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ دن کے اجالے میں وہ پھر حسب سابق نیک اور سخت گیر افسر بنے رہتے ہیں۔ ان سے پوچھا کہ کیا شرفا اپنی اولاد کو اس بازار میں محض اس لئے چھوڑ جاتے ہیں کہ ان کی عزت و شرافت کا بھرم نہ کھل جائے محمود احمد نے جواب دیا" عزت و شرافت کا تو انہیں اتنا زیادہ احساس نہیں ہوتا بیشتر وہ اس لئے اپنی بیٹیوں کو بازار میں چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ اولاد (جائز یا ناجائز) ان کی جائیداد میں حصہ دار نہ بن جائے (عزت تو ان کے نزدیک محض ایک مصنوعی خول ہے) اصل حقیقت جائیداد ہے جس سے وہ اپنی سگی بیٹیوں کو بھی محروم رکھتے ہیں کہ جائیداد دوسرے خاندان میں نہ چلی جائے۔ یہ

بازار دراصل شرفاء اور معززین کے دم قدم سے آباد ہے اور میں پھر اس بات کو دہراتا ہوں کہ اگر اس کاروبار کو بند کرنا مقصود ہے تو شرفا اپنی بیٹیاں یہاں سے لے جائیں۔ ویسے تو یہ لوگ بڑے غیرت والے بنے پھرتے ہیں معاشرہ میں ان کا اونچا مقام بھی ہے لیکن ان کی غیرت کا یہ عالم ہے کہ ان کی بیٹیاں یہاں دھندا کرتی ہیں اور وہ چلو بھر پانی میں ڈوب کر نہیں مرتے۔ ان کا اونچا مقام اتنا پست ہے کہ ان کی بیٹیاں بازار میں بیٹھتی ہیں ان کا ضمیر انہیں کبھی تو آواز دیتا ہو گا کیا وہ نہیں جانتے کہ یہاں ان کی بیٹیوں کی نتھ کھلوائی جاتی ہے۔ کیا انہیں خبر نہیں کہ ان کے جگر گوشے ہر اجنبی کی رات کو رنگین بناتے ہیں۔

س..... آپ ان طوائفوں کی نمائندگی کے دعویدار ہیں آپ کو یہ حق نمائندگی کیسے حاصل ہو گیا ان طوائفوں سے آپ کا کیا تعلق ہے؟

ج..... یہ بھی ایک درد بھری داستان ہے میرے باپ نے 70 سال پہلے میری ماں سے نام نہاد قسم کی شادی کی تھی میری ماں اسی بازار کی تھی۔ اس شادی کے نتیجہ میں میں پیدا ہوا۔ میرے باپ کی شخصیت کی حیثیت و عظمت کا اندازہ اس امر سے کرلیں کہ میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ صاحب میرے پردادا میاں امیرالدین کے مرید تھے۔ میرے والد میاں محمد حسین کوٹلہ شریف کے رہنے والے تھے اس سے آپ میرے خاندان کی عظمت کا کچھ اندازہ کرسکتے ہیں۔ میرے والد پچاس سال تک مجھ سے نہیں ملے۔ 50 سال بعد وہ مجھ سے ملے تو میری ماں نے بتایا کہ یہ تمہارے باپ ہیں لیکن اس باپ نے مجھے کبھی اپنی شفقت و محبت سے صرف اس لئے نہیں نوازا کہ کہیں میں اس کی جائیداد میں حصہ دار نہ بن جاؤں۔ حالانکہ اس باپ کا قبل ازیں اپنی پہلی بیوی سے کوئی بچہ نہ تھا۔ ابتدا میں وہ کچھ عرصہ میری ماں کو گھر کے اخراجات کے لئے کچھ پیسے بھیجتے رہے بعد میں وہ بھی بند کر دیئے۔ اس شادی کو والد نے خفیہ رکھا تھا اگر یہ شادی خفیہ نہ ہوتی تو آج میں اس بازار میں نہ ہوتا۔

س..... بہت سی طوائفیں ناچ گانے کی آڑ میں جسم فروشی کا دھندا کرتی ہیں اس بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

ج..... یہ بات غلط ہے اس بازار میں جسم فروشی نہیں ہوتی۔ یہ دھندا تو اب

پورے لاہور کے گلی کوچوں میں پھیل گیا ہے۔ محمود احمد نے انکشاف کیا کہ لاہور میں کم سے کم دس ہزار قحبہ خانے ہیں جہاں عصمت فروشی ہوتی ہے اور عصمت فروش لڑکیوں کی تعداد چالیس ہزار سے زائد ہے۔ انہوں نے یہ انکشاف بھی کیا کہ ان قحبہ خانوں پر لڑکیاں پانچ ہزار روپے سے ایک لاکھ روپے تک میں بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت ہوتی ہیں۔ کئی لڑکیوں کے جھوٹے اور جعلی عاشق اپنا دل بھرنے کے بعد انہیں فروخت کر دیتے ہیں بعض لڑکیوں کے باپ نشہ باز ہوتے ہیں وہ اس طریقے سے بیٹی کا بوجھ بھی سر سے اتار دیتے ہیں اور نشہ کے لئے کچھ رقم بھی پا لیتے ہیں۔ غربت و معاشی بدحالی کی وجہ سے بھی کئی لڑکیاں فروخت ہوتی ہیں۔ اگر کسی لڑکی کے حسن و شباب میں کشش باقی نہ رہے تو اسے بھی فروخت کر دیا جاتا ہے ان سے سوال کیا گیا کہ اس بازار میں ایسے دلال بھی ملتے ہیں جو یہ دعوت دیتے ہیں کہ اگر کسی کو یہاں سے "مال" چاہئے تو وہ مہیا کر دیں گے یہ لوگ کون ہیں؟

انہوں نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس بازار سے باہر اپنے قحبہ خانے قائم کر رکھے ہیں۔ ان دلالوں کا اس بازار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایوب خان کے دور سے پہلے یہاں گلی شیخوپوریاں، کوچہ سبز پیر اور ٹبی گلی وغیرہ میں عصمت فروشی ہوتی تھی، لیکن اب یہ سلسلہ قطعی ختم ہو چکا ہے۔

س..... پولیس نے کچھ عرصہ قبل اس بازار پر ریڈ کیا تھا اس کے کیا مقاصد تھے؟

ج..... ایس پی سٹی ذوالفقار چیمہ راولپنڈی سے آئے تھے انہوں نے راولپنڈی کی گلی قصائیاں میں بھی ایسی ہی کارروائی کی تھی۔ یہاں آ کر بھی انہوں نے اپنے طور پر یہ کارروائی کی۔ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں یہ سب ہمارے معاشرتی نظام کی پیداوار ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ کو ختم کرنے کے لئے اس معاشرتی نظام کو بھی ختم کرنا ہو گا جو طوائفوں کو جنم دیتا ہے۔

س..... کیا آپ انجمن چلانے کے لئے ان فنکاروں سے کوئی ماہانہ چندہ وغیرہ لیتے ہیں۔

ج..... ہم کوئی ماہانہ چندہ نہیں لیتے لیکن جو طوائفیں بازار سے باہر مجرا کرنے جاتی

ہیں اس سے ہم دو سو روپیہ لیتے ہیں ہر مجرا کرنے والی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ محمود احمد سے "راہداری" حاصل کرے۔ اس سلسلہ میں ہمارے رجسٹر میں ان کی آمدورفت اور انہیں لے جانے والے شخص کا باقاعدہ اندراج ہوتا ہے۔ محمود احمد نے کہا کہ یہ راہداری اس لئے ضروری ہوتی ہے کہ راستہ میں پولیس انہیں تنگ نہ کرے ان سے پوچھا گیا کہ گوری نے پچھلے دنوں پولیس آپریشن کے سلسلہ میں یہ بیان دیا تھا کہ وہ بڑے بڑے شرفاء کو ننگا کرے گی، کہا جاتا ہے کہ گوری بہت بڑے باپ کی بیٹی ہے؟

محمود احمد چند لمحے خاموش رہے اور پھر انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا "ہمیں بھی یہی پتہ چلا ہے کہ گوری کا باپ واقعی بہت بڑا آدمی ہے لیکن اس کا صحیح نام تو گوری کی ماں ہی آپ کو بتا سکتی ہے۔"

س..... پولیس عام طور پر یہاں کی عورتوں اور ان کے آشناؤں کو حدود آرڈیننس کے تحت گرفتار کرلیتی ہے آپ بتائیں کہ کیا پولیس کی یہ کارروائی صحیح ہوتی ہے؟

ج..... پولیس غیر قانونی طور پر یہ زیادتی کرتی ہے۔ حدود آرڈیننس صرف وہاں لاگو ہوتا ہے اور اس کے تحت کارروائی ہو سکتی ہے جہاں چار متقی پرہیزگار گواہوں نے موقع پر یہ فعل ہوتے ہوئے دیکھا ہو۔ لیکن پولیس محض اپنی کارکردگی دکھانے کے لئے اس آرڈیننس کے تحت بلاجواز کارروائی کرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پچھلے دنوں پولیس نے جتنے لوگوں کو پکڑا تھا۔ عدالت نے ان سب کو چھوڑ دیا۔

س..... کہا جاتا ہے کہ ہر طوائف پولیس کو ایک ہزار روپے ماہانہ دیتی ہے؟

ج..... یہ بازار فنکاروں کی اکیڈیمی ہے فلم انڈسٹری کو بڑی بڑی فنکارائیں اسی بازار سے ملیں۔ ان میں پاکستانی فلم انڈسٹری کی بابرہ شریف، نادرہ، نیلی، فردوس، شمیم آراء، سپنا، ریما، صائمہ، نرگس، دیبا، بہار، عالیہ، انجمن، زمرد اور گوری وغیرہ شامل ہیں جبکہ بھارتی فلم انڈسٹری کی معروف اداکارائیں بھی اسی بازار سے آئیں۔ ان میں کجن بائی، نرگس، نمی، وحیدہ رحمان، ممتاز، اندو بائی، نسرین، منور سلطانہ، شمشاد بیگم، گلوکارہ ثریا اور مختار بیگم وغیرہ شامل ہیں۔ خود میڈم نور جہاں 1941ء میں اس بازار کے ایک مکان A-14 چیت رام روڈ پر ٹائم لگاتی رہی ہیں۔ میرے بھائی کی شادی پر انہوں نے مجرا بھی کیا تھا۔ آج بھی ہم ان کے

پاس جائیں تو وہ بڑے احترام سے پیش آتی ہیں۔ فلم سٹار رانی بھی اسی بازار سے تعلق رکھتی تھی اس کا والد اسے فریدہ خانم کے سپرد کر گیا تھا یہاں اس نے رقص کی تربیت حاصل کی "لولی پلیس" میں وہ یہاں ٹائم بھی لگاتی رہی۔ ملکہ پکھراج کا تعلق جموں و کشمیر سے ہے لیکن وہ بھی اس بازار سے وابستہ ہیں۔

محمود احمد نے اس امر پر دکھ کا اظہار کیا کہ یہ معاشرہ ایک طرف تو انجمن کو سونے کا تاج پہناتا ہے اور دوسری طرف ان کی بہن گوری کو دفعہ 294 کے تحت گرفتار کر کے ذلیل و رسوا بھی کرتا ہے انہوں نے یہ بھی کہا کہ مریم رائے اور مس ایس ایم ظفر اگر ٹی وی پر گانا گائیں تو وہ ثقافت کہلاتا ہے لیکن ہماری لڑکیاں اگر بند کمروں میں گانا سنائیں تو وہ فحاشی کہلاتا ہے، یہ کیسا انصاف ہے ہماری کسی رقاصہ کے ساتھ کوئی تماش بین بغل گیر نہیں ہو سکتا لیکن فلمی رقص کے مناظر میں بغل گیری بھی ہوتی ہے اور بوس و کنار بھی حتیٰ کہ خواب گاہوں کے مناظر تک دکھا دیئے جاتے ہیں اور اس "مقدس معاشرہ کے پاک لوگ" مزے لے لے کر یہ سین دیکھتے ہیں۔ صرف مرد ہی نہیں بلکہ ان کی عورتیں بھی، بہنیں، بیٹیاں اور بیویاں بھی۔

س..... ٹی وی پر اس بازار کی جو فنکارائیں کام کرتی ہیں۔ وہ اس بازار سے نکل کر دوسرے علاقوں میں منتقل ہو گئی ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

ج..... وجہ صرف یہ ہے کہ ٹی وی حکام نے اس امر کی پابندی لگا رکھی ہے کہ جن فنکاراؤں کا تعلق ہیرا منڈی سے ہو گا انہیں ٹی وی پر کام نہیں ملے گا۔ اس لئے رقاصاؤں اور گلوکاراؤں نے اپنے ٹھکانے بدل لئے ہیں یہ ان کی مجبوری ہے۔

ملک غلام مصطفیٰ کھر نے پنجاب میں اپنی گورنری کے دنوں میں ناہید سے شادی کی تھی محمود احمد نے بتایا کہ اس بازار سے بعض معروف کرکٹر بھی ابھرے ہیں مثلاً" نذر محمد، مدثر نذر، جمشید الیاس اور شفیق وغیرہ۔

ماخذ

کتابیات

☆ پرنس اینڈ پلے بوائے — رائے اسد خان کھرل
☆ سیاست دانوں کی جبری نااہلیاں — احمد سلیم
☆ جنرل یحییٰ خان، شخصیت اور سیاسی کردار — منیر احمد
☆ رائیونڈ سازش — رائے اسد خان کھرل
☆ شہاب نامہ — قدرت اللہ شہاب
☆ دختر مشرق — بے نظیر بھٹو
☆ مینڈ اسائیں — تہمینہ درانی
☆ پاکستان کیسے ٹوٹا؟ — رائے اسد خان کھرل
☆ بھٹو دی پولیٹیکل بائیوگرافی — سلمان تاثیر
☆ جو میں نے دیکھا (راؤ عبدالرشید) — منیر احمد منیر
☆ BeyondBelief — V.S.Nepal
☆ نور جہاں اور میں — منیر احمد منیر
☆ اس بازار میں — شورش کاشمیری
☆ بازار حسن — مسعود احمد
☆ پارلیمنٹ سے بازار حسن تک — ظہیر احمد بابر
☆ معاشقے — قیصر زیدی
☆ سیاستدانوں کے معاشقے — خالد چوہدری
☆ ننگ وطن — ایم ایس رانا
☆ عورت گناہ کی سولی پر — سلطان شاہد
☆ فرزند پاکستان — شیخ رشید احمد
☆ مدھو بالا — موہن دیپ
☆ سکینڈلز — شہباز خان
☆ عمران خان سیاست کے میدان میں — شہناز وقار
☆ پاکستان کے متنازعہ سیاست دان — مجاہد حسین
☆ ولی خان جواب دیں — ضیاء شاہد
☆ چوراہا — حسن نثار
☆ شرمیلا فاروقی اور احتساب ڈرامہ — سید اظہر فرید
☆ لوح ایام — مختار مسعود

ملکی و غیر ملکی اخبارات

☆ ڈان، پاکستان ٹائمز، دی نیوز، دی نیشن، فرنٹیئر پوسٹ، پاکستان آبزرور، جنگ، نوائے وقت، خبریں، پاکستان، دن، صحافت، اوصاف، مشرق، امروز، جسارت، مساوات، قومی اخبار، سیاست، الاخبار، کاوش، چٹان، نیا اخبار، لشکر، ڈیلی ایکسپریس، ڈیلی میل، سنڈے ایکسپریس، خلیج ٹائمز، پاکستان لنک

ملکی و غیر ملکی جرائد

☆ اخبار جہاں، فیملی، تکبیر، زندگی، وجود، پلس، فرائیڈے اسپیشل، حرمت، میڈیا ٹائمز، پاکیشیا، زنجیر، سیاسی لوگ، بیبر اللہ، احوال، فخر ایشیا، افریشیا، نیوزویک، ٹائم، ایشیاویک، آؤٹ لک۔

ماہنامے

☆ اردو ڈائجسٹ، قومی ڈائجسٹ، مون ڈائجسٹ، نئی دنیا، لباس انٹرنیشنل

داور حشر! مجھ سے میرا نامہ اعمال نہ پوچھ
اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

پارلیمنٹ سے "اُس بازار" تک

سیاستدانوں کے عشرت کدوں میں جنم لینے والی کہانیوں کی ہوش رُبا تفصیلات
اُف! یہ چہرے کتنے بھیانک، خوفناک اور ڈراؤنے ہیں

- پاکستان پر گذشتہ باون برسوں سے راج کرنے والے "سیاسی رانجھوں" اور "مقدس ہستیوں" کے روشن کرداروں کے "سنہری کارنامے"۔ جن کو پڑھ کر پڑھنے والے کو بھی شرمندگی ہوتی ہے، مگر ان معزز ہستیوں کو کوئی شرمندگی نہیں ہوتی۔
- اقتدار کے ایوانوں سے حسن کے بالاخانوں تک باون سالوں پر محیط پھیلی ہوئی ہوش رُبا داستانیں۔
- کبھی اسلام کے نام پر اور کبھی روٹی، کپڑا اور مکان کے نام پر منتخب ہونے والے قومی رہنماؤں کے شرمناک سکینڈلز۔
- "شریف" حکمرانوں کی "بے نظیر" جنسی غنڈہ گردیوں کی دل دہلا دینے والی داستانیں۔
- یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں آپ اپنے محبوب رہنماؤں اور "معزز سیاسی ہستیوں" کی عریاں تصویریں دیکھ سکتے ہیں۔

ISBN 969-8544-05-4